

(۳۱) ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں۔ از پروفیسر یتیم سنگھ۔ مطبوعہ امرت الکرار
لاہور۔ ۱۹۴۱ء

(۳۲) رسالہ "محزن"۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔

(۳۳) رسالہ "ہندوستانی"، جواہر ۱۹۳۱ء۔

کتاب حوالہ

- (۱) عرب و ہند کے تعلقات۔ از مولانا سید سلیمان ندوی۔ شائع کردہ ہندوستانی ایکاڈمی، الہ آباد۔ ۱۹۳۰ء۔
 - (۲) تحفۃ المجاہدین۔ مترجمہ حکیم شمس الدین قادری۔ شروانی پرنٹنگ پریس، علی گڑھ۔
 - (۳) طیبہ۔ مولفہ حکیم شمس الدین قادری۔ مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ۔
 - (۴) کتاب الہند (البیرونی) مترجمہ سید اصغر علی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔
 - (۵) ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب۔ از ڈاکٹر سید عابد حسین۔ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی ۱۹۳۶ء۔
 - (۶) نقوش سلیمانی۔ از مولانا سید سلیمان ندوی۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ۔
 - (۷) چشمہ کوثر۔ از شیخ محمد اکرام۔ شائع کردہ تاج آفس، بمبئی۔
 - (۸) خطبات گار سال و تاسی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۳۵ء۔
 - (۹) اردو کی ابتدائی نشو و نما میں دوفیلے کرام کا کام۔ از مولوی عبداللہ الحق۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۳۳ء۔
 - (۱۰) انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ۔ از علامہ عبداللہ یوسف علی شائع کردہ ہندوستانی ایکاڈمی، الہ آباد۔ ۱۹۳۶ء۔
- بوذا سلف و بابو ہر مترجمہ سید عبدالغنی۔ مطبع شمس جیدر آبادہ دکن۔

۱۰۰ کتاب مقدس، آرفن، اسکول پریس، امریزا پورٹ ۱۹۵۷ء میں ۷۷۷۔

بہاؤی مذہب

۱۱۱۔ نئے دن کا مطالعہ، شائع کردہ، بیہائی پبلیشنگ کمپنی، دہلی، لکشمی پرنٹنگ ورکس
کولامبی۔ ص ۴۰۔

۱۱) جہاں احمد دوسرے مہدیہ مذہب ہے اسی سینہ ٹی متہ سبہ عباس علی بیٹ۔ کما
یہ ٹینگ در کس، دہلی۔ بارہمشت ۱۹۵۷ء۔

۱۰۰ کتاب ایقان، مضافہ نعت بہار، اشعار جدید برقیہ لیس، دہلی سنہ ۱۳۱۵ھ
۱۰۱ مفاد منہات عب البہار، مرتبہ کلیہ نور ڈیو بارنی، مہرہ عباس علی شاہ کرد محمد
ردمانی مرکز میٹروپولیٹن، شہرہ ۱۳۱۵ھ، سنہ ۱۹۰۵ء۔

[illegible]

۱۹۰۱ء میں مقدس سرسبز زمین تاج سب سائیں پر لیس، مدراس، ۱۸۷۶ء۔

۱۰۱ کتاب مقدس تا آخری جہنمہ باقیست مشنیریس، المکتبہ المشرقیہ، ص ۸۲۲۔

۱۰۰۰ مسیحی کی انجیل شائع کردہ برٹش ایڈیا فارن بائبل سوسائٹی، لاہور سنہ دریت

منہ نہیں۔ محسوس ۶۲۔

(۱) آفسیئر انجیل یوحنا۔ امریکن مشنری سوسائٹی، الیوہیمیا۔ ۱۹۵۲ء۔ ۵۰۴

(۹۰) اجبار کی کتاب کی تفسیر: مفید نام پر سید المصطفیٰ رحمانی نے ۱۹۷۲ء میں ۱۸۷۔

(۱۱) اہمال کی تغیر۔ مہ برق نائب۔ مس ۶۳۲۔

(۴۲) زبور شائع کردہ پنجاب ترجمیں بک سوسائٹی، لاہور، ۱۳۹۰ھ، ۱۲۹-۱۳۰

(۱۷) زیر پر کی کتاب۔ امریکن متھوڈسٹ مشنیریز، بریٹن، ۱۸۶۴ء، ص ۷۸، ۱۔

(۱۳۹) ایسا عمد نامرہ ناقص شروع کے ساتھ ہفتہ جلد میں موجود مضامین میں کتنی مضامین کا

نمبر ۱۲۴ ہے۔ مطبع وسنہ طبع امت المملووم۔

۱۴۴۰ قمری: در حاتمیان کما مکاشفہ... شایع کرده کہ سپین نالچ سوسائلی۔ اہل

شماره ۱۲۰۰

۱۰۱۔ کتب مقدسہ میں مذکور بیسویں کتاب کی تفسیر، ہر کتابت میں بیسویں کتابت

1940

۱۰۰ سوئوں کی پہلی قیمت کسی یہ سائنس مہینق نامک مس۔

۱۰۰ جزئیات - میراثی و غیر میراثی

۱۸۔ کہیں تو اس سے زیادہ مذکور ہو گیا ہو، اس لیے اسے حیدر آباد

...and the other is the fact that the system is not yet fully operational.

— 100 —

۶۵۱: مکتب کی انجیل پر سوالات۔ مشن ایسٹم پریس، لودھیانہ۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۴۴
 ۶۵۲: چھوٹا منہم بڑی بات۔ شائع کردہ پنجاب ریلیس بک سوسائٹی، پٹی۔ آر۔ بی ایس پریس
 لاہور۔ ۱۹۲۲ء۔ ص ۱۳۰۔

۶۵۳: بائبل کے مجازی الفاظ اور ان کے کام طلب۔ مرتبہ تاننٹی شیراٹھ۔ گیلانی الکڑک پریس
 لاہور۔ ۱۹۲۲ء۔ ص ۲۲۔

۶۵۴: اصلاح اخلاق۔ لودھیانہ مشن پریس۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۶۰۔

۶۵۵: ستر کا در انکسٹان۔ مشن پریس، لودھیانہ۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۸۸۔

۶۵۶: اردو کی پہلی کتاب۔ شائع کردہ پنجاب ریلیس بک سوسائٹی، مفید نام پریس، لاہور۔

۶۵۷: اردو کی دوسری کتاب۔ شائع کردہ کریمین لٹریچر سوسائٹی، الہ آباد۔ انڈین کریکٹین پریس

الہ آباد۔ ۱۹۵۵ء۔ ص ۶۶۔

۶۵۸: اردو کی تیسری کتاب۔ شائع کردہ پنجاب ریلیس بک سوسائٹی، مشن پریس، لودھیانہ

۱۹۱۱ء۔ ص ۲۴۰۔

۶۵۹: مخلوط بنام طغمان خرد۔ مکتب ڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ۔ ۱۸۸۴ء۔ ص ۶۰۔

۶۶۰: ہدایت الاطفال۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۵۲۔

۶۶۱: رسالہ پیو فیسٹریو ویناں۔ شائع کردہ پنجاب ریلیس بک سوسائٹی، لاہور،

۱۔ مذہب اور اخلاق ۲۔ مذہب میں اختیار و اقتدار کا درجہ ۳۔ مذہب اور امن

و صلح ۴۔ مذہب اور دعا ۵۔ مذہب میں عقل کا درجہ ۶۔ مذہب اور معاشرتی مسائل

۷۔ مذہب میں منبع قدرت ۸۔ مذہب و مسائل ۹۔ مذہب کا معیار ۱۰۔ خود دار کا

۱۱۔ شریعت۔

(۵۳) بہتہ بین سبھی کچھ مولانا مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۵۴) مشنری میٹریو، مسٹر جے آر، پیپریشن پریس، الہ آباد ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۵۵) انظر المذہب، مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۵۶) مسکی دین اور انما بق، مسٹر قمر پادری علی بخش، مینڈ سام پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۵۷) مسکی دین کے مختصر اصول، مبع انوار ہند، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۵۸) عہد جدید کی کتابیں، مولانا پادری گرے، پادری علی بخش، نول کٹر پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۵۹) بائبل کو کس نکتہ پر چنا چاہئے، مسٹر قمر پادری طالب الدین، نیشنل بکس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

نیر دیر پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۰) توحید بائبل، مولانا یوسف ڈاؤز، نول کٹر پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۱) تعلیم و توحید، مسٹر قمر پادری، یو۔ ناسر، رفاه عام ایڈیٹر پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۲) حیات ایس، مسٹر قمر پادری طالب الدین، مسکی پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

ہمارا خدا ہمارے ساتھ، مشعل پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۳) سب کی نصیب شایک بہت، مہنڈ، ڈیو۔ ایف، جیانس مسکی پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۴) توحید و توحید، شائع کردہ پنجاب ریلیجی بک سوسائٹی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۵) مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۶) مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۷) مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۸) مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۶۹) مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۷۰) مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۷۱) مسٹر ایف ڈی وارث نی، آری بی، ایس پریس، لاہور ۱۹۵۵ء میں شائع۔

(۳۵) سید اورنگزیس۔ ازپادری ای۔ پی نیوٹن مشن ایسٹم پریس، لودھیانہ ۱۹۲۲ء میں۔

(۳۶) مجموعہ غزلیات۔ شائع کردہ نارتھ انڈیا کرسچین ٹریکیٹ اینڈ بک سوسائٹی۔ الہ آباد۔

مشن پریس، الہ آباد ۱۹۲۷ء۔ ص ۲۳۔

(۳۷) بھجن سنگھ۔ شائع کردہ نارتھ انڈیا کرسچین ٹریکیٹ اینڈ بک سوسائٹی۔ الہ آباد۔

انڈین پریس، الہ آباد ۱۹۲۵ء۔ ص ۳۲۔

(۳۸) سیالکوٹ کنونشن۔ پی۔ آر۔ بی۔ ایس، پریس، لاہور ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۷۶۔

(۳۹) راحت دل۔ ازپادری۔ رحمت مسیح واعظ۔ پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس لاہور ۱۹۳۹ء۔ ص ۴۴۔

(۴۰) ابن خور۔ مترجمہ ای۔ ایل۔ جرجی۔ اتحاد پریس، لاہور ۱۹۳۳ء۔ ص ۳۵۶۔

(۴۱) قیامت مسیح۔ مولفہ پادری کھا کر داس۔ پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس لاہور ۱۹۳۳ء۔ ص ۱۱۸۔

(۴۲) بائبل کے تدریجی سبقوں کی دوسری کتاب۔ مولفہ پادری کلیٹن صاحب۔ انڈین پریس

الہ آباد ۱۹۲۷ء۔ ص ۳۷۲۔

(۴۳) بائبل کے تدریجی سبقوں کی تیسری کتاب۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی۔ الہ آباد

۱۹۲۷ء۔ ص ۳۱۸۔

(۴۴) بائبل کے تدریجی سبقوں کی چوتھی کتاب۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی۔ الہ آباد

۱۹۳۷ء۔ ص ۳۴۰۔

(۴۵) مسیحی کی خوش وقت زندگی کا بھید۔ مترجمہ بابو پرنس سنگھ مشن پریس، الہ آباد۔

۱۸۸۹ء۔ ص ۲۲۷۔

(۴۶) ترجمہ مزامیر یا شرح وتفسیر۔ مرزا پور آرفن اسکول پریس ۱۸۷۱ء۔ ص ۵۳۴۔

(۴۷) حقوق و فرائض نسوان۔ مولفہ پادری جے۔ ایچ۔ آر۔ بی۔ ایس پریس

لاہور ۱۹۲۳ء۔ ص ۶۴۔

(۴۸) دعائیں و مناجاتیں۔ مترجمہ پادری دلیم مسیح۔ مشن پریس۔ الہ آباد ۱۹۲۳ء۔ ص ۱۰۰۔

(۱۷۱) مسیح کے خاص دوست متہ جبرہ لیا رامہ۔ میخدا رام پرسیس، لاہور ۱۹۵۶ء۔ میں ۲۴۔

(۱۷۲) اقامت بزرگمان بابل۔ مسیحی پرسیس، لاہور ۱۹۶۲ء۔ میں ۲۳۔

(۱۷۳) حیات و خطوط پرسیس۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین پٹی۔ آر۔ بی۔ ایس پرسیس لاہور ۱۹۳۹ء۔ میں ۳۰۰۔

(۱۷۴) ملک الحببت۔ بی۔ آر۔ بی۔ ایس پرسیس، لاہور ۱۹۲۷ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۷۵) یسوع مسیح کی زندگی۔ ڈاکٹر پی۔ آر۔ بی۔ طالب الدین۔ مشعل پرسیس، کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۱ء۔

(۱۷۶) پرسیس کی زندگی۔ ڈاکٹر پی۔ آر۔ بی۔ طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۷۷) مسیح کی گہانیاں۔ جمنہ اول۔ زیادری متہ جبرہ۔ ڈاکٹر امیت الیکٹرک پرسیس لاہور ۱۹۳۹ء۔ میں ۳۰۰۔

(۱۷۸) مسیح کی زندگی۔ ڈاکٹر پی۔ آر۔ بی۔ طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۷۹) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۰) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۱) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۲) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۳) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۴) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۵) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۶) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۷) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۸) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۱۸۹) دنیا سب سے بڑا ملک۔ متہ جبرہ یادری طالب الدین۔ مشعل پرسیس کھڑک منسلح انبالہ ۱۹۶۲ء۔ میں ۱۵۴۔

(۵) تفسیر زبہدہ مولفہ پادری علی بخش - پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس، لاہور سنہ دہائیہ ۱۹۵۲ء۔
 (۷) عربیوں کے نام کے خطوط کی تفسیر مولفہ پادری لوکس پی۔ آر۔ بی۔ ایس، پریس - لاہور
 ۱۹۳۱ء - ص ۶۸۷۔

(۷) کرنتھیوں کے نام مقدس پولوس کے دوسرے خط کی تفسیر مترجمہ بہاری لال ریلرام
 مسیحی پریس، لاہور ۱۹۳۲ء - ص ۳۰۱۔

(۸) تفسیر نامہ رسول پولوس بنام فلپیان - مولفہ پادری ٹی ڈاکٹر پی۔ آر۔ بی۔ ایس
 پریس، لاہور ۱۹۳۲ء - ص ۲۷۲۔

(۹) تھسلنیکوں کو پولوس رسول کے پہلے خط کی تفسیر - مولفہ پادری لوکس، مشن پریس
 الہ آباد ۱۹۳۲ء - ص ۲۰۷۔

(۱۰) تھسلنیکوں کو پولوس کے دوسرے خط کی تفسیر - مولفہ پادری لوکس، مشن پریس
 الہ آباد ۱۹۳۲ء - ص ۱۷۸۔

(۱۱) پیدائش کی کتاب کی تفسیر مترجمہ مسٹری - جوزف۔ ڈکٹوریہ پریس، ٹیمالہ - سنہ
 درج نہیں - ص ۱۹۳۔

(۱۲) پولوس رسول کے خط بنام فیسون کی تفسیر - مولفہ ڈاکٹر آر لین - شرعی بالکنڈا سٹیم
 پریس، لاہور ۱۹۳۲ء - ص ۱۴۴۔

(۱۳) یسوع مسیح کا احوال مرتبہ ہنری کارٹیکر صاحب - شائع کردہ پنجاب ریلیجیون بک
 سوسائٹی - بار دوم ۱۸۹۵ء - ص ۱۹۸۔

(۱۴) بائبل کے لوکے - مٹھوڈ سٹ پیاشنگ ہاؤس، لکھنؤ ۱۹۳۳ء - ص ۳۱۔
 (۱۵) یسوع مسیح کی گرفتاری اور موت - مولفہ ڈاکٹر اسٹاکر - مفید عام پریس، لاہور ۱۹۵۵ء

(ص ۳۰۸)

(۱۶) زندہ مسیح اور تاجیل اربعہ - مترجمہ پادری طالب الدین ۱۹۳۵ء۔

۱۱۱) پرتھی پنج کرشمی. مترجمہ دشت از بھائی دیارام

۱۱۲) پرتھی سنگھ منی سنگھ۔ مترجمہ بھائی دیارام

۱۱۳) پرتھی جپ جی سنگھ۔ مترجمہ بھائی دیارام

سنہ ۱۱۴۰ء میں ۶۰۔

۱۱۴) شہری جپ جی سنگھ۔ مترجمہ شرج از سر

لاہور میں ۱۱۴۔

۱۱۵) پرتھی شہید ناوین سنگھ۔ مترجمہ سوہی تیا سنگھ

۱۱۶) پھول پٹاری اردو۔ مترجمہ بابا بھائی سنگھ

۱۱۷) جنم ساکھی، بھائی بال نالی۔ مترجمہ بھائی دیارام

سنہ ۱۱۹۰ء میں ۷۰۔

عیسائی مذہب

۱) تیسرے کتاب رسالہ کے بحال۔ مترجمہ پوری واکرم

پریس، لاہور سنہ ۱۱۹۰ء۔

۲) تیسرے کتاب رسالہ کے تیسری مترجمہ پوری واکرم

پریس، لاہور سنہ ۱۱۹۰ء۔

۳) تیسرے کتاب رسالہ کے چوتھی مترجمہ پوری واکرم

۴) تیسرے کتاب رسالہ کے پانچویں مترجمہ پوری واکرم

پریس، لاہور سنہ ۱۱۹۰ء۔

(۳) نایخ دربار صاحب امترسر۔ مرتبہ سردار ادھم سنگھ۔ خادماں التعلیم اسٹیٹم پریس لاہور ۱۹۲۰ء ص ۱۱۸
(۴) دھرم پجار۔ از جواہر سنگھ۔ مطبع اسلامی، لاہور۔ ۱۸۸۹ء۔ ص ۱۱۸۔

(۵) گرد گوبند سنگھ کا جیون چرتر۔ مولفہ دولت رائے۔ رفاہ عام پریس، لاہور ۱۹۰۱ء ص ۲۹۷
(۶) گرد از جین مہاراج کی سوانح عمری ”جسے گرد کے ایک سکھ نے بڑی بھگتی سے بنایا۔“
ڈول کشور پریس، لاہور۔ ص ۷۸۔

(۷) سچا بلی دان۔ مولفہ گوپال سنگھ۔ آئندہ پیکاش پریس، امترسر ۱۸۹۹ء۔ ص ۳۶۔
(۸) گرد نانک درشن۔ از قمر۔ لکشمی آرٹ اسٹیٹم پریس، راولپنڈی۔ ۱۹۲۲ء۔ ص ۱۱۲۔
(۹) سکھوں کا روحانی انقلاب۔ مولفہ لاجپت سنگھ۔ کریمی پریس، لاہور ۱۹۲۳ء ص ۶۴۔
(۱۰) آسادی دار۔ مترجمہ سوامی مترسین گردھرا سٹیٹم پریس، لاہور۔ ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۵۸۔
(۱۱) پوتھی ادکار۔ کرشنا اسٹیٹم پریس، گوجرانوالہ۔ ۱۹۲۷ء۔ ص ۱۱۸۔
(۱۲) پوتھی راہ راس۔ مترجمہ سوامی مترسین۔ گردھرا سٹیٹم پریس، لاہور ۱۹۲۳ء۔ ص ۱۲۸۔
(۱۳) پوتھی سکھ منی صاحب۔ مترجمہ سوامی مترسین۔ پیجم بلاس پریس، گوجرانوالہ۔ ص ۲۰۰۔
(۱۴) سوانح عمری شری گرد گوبند سنگھ دہم بادشاہ۔ مولفہ مکھن سنگھ۔ پنجاب پریس
لاہور۔ ص ۶۵۔

(۱۵) جپ جی صاحب سٹیک۔ مترجمہ منی سنگھ۔ سرورق خائب۔ ص ۹۶۔

(۱۶) سری آدرگرتھ۔ مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۴۴۔
(۱۷) نانک پرکاش۔ مولفہ گور مکھ سنگھ۔ مطبع آفتاب پنجاب، لاہور ۱۸۸۴ء۔ ص ۴۸۰۔
(۱۸) عطر روحانی۔ ترجمہ جپ جی۔ از سردار عطر سنگھ۔ گیان پریس، گوجرانوالہ ۱۸۹۲ء۔ ص ۴۴۔
(۱۹) جپ پرمارتھ۔ مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ ص ۴۲۔ سنہ درج نہیں۔

پنجاب پبلک
لائبریری۔ لاہور

۱۳۱. شری آدیتک ستھار دور متہ میہ باؤ نور اتارام جینی کشتن مشین پریس، جالندھر ۱۹۱۱ء
 ۱۳۲. ڈیرنگ پرکاش متہ تہ نامہ بناداس۔ دیال ایڈیٹر پریس، لاہور ۱۹۱۱ء۔ ص ۴۰۔
 ۱۳۳. آئینہ ہمدردی موافق پارس داس۔ لکشمی پریس، دہلی ۱۹۱۱ء۔ ص ۳۴۔
 ۱۳۴. امین کتھارتن مالہ موافق بناداس۔ دیال ایڈیٹر پریس، لاہور۔ ص ۱۲۸۔
 ۱۳۵. مدین مذہب کے بتیس سو تروں کا خلاصہ۔ مرزا لہ سمیر چند بکاشی ناتھو ایکڑ لک
 پریس، انبالہ ۱۹۱۱ء۔ ص ۹۰۔

۱۳۶. راز حقوت جہد اول موافق داس ۱۹۱۳ء۔ ص ۱۶۸۔
 ۱۳۷. جیدن جیر شری درویشی، موافق امر ناتھ شاہ۔ پریس جہول ۱۹۱۳ء۔ ص ۲۲۱۔
 ۱۳۸. دانش نری شری امواک جی متہ ماسٹر بشمبہ داس۔ دلی پرنٹنگ ورس دہلی۔
 ۱۹۱۳ء۔ ص ۱۳۶۔

۱۳۹. رپورٹ جالندھر جہد ماسٹریٹک ایڈیٹر پریس، سیالکوٹ ۱۹۱۳ء۔ ص ۲۲۸۔
 ۱۴۰. امین رتن پرکاش موافق سلمی رتن چند جی آرمی فوری پریس، لاہور ۱۹۱۳ء۔ ص ۱۳۲۔

۱۴۱. گوشت مت کھاؤ۔ ماسٹر پریس، لاہور ۱۹۱۳ء۔ ص ۹۔
 ۱۴۲. نرہ تہ پریورتن موافق نیت جت ملانی۔ نامہ مام پریس، لاہور ۱۹۱۳ء۔ ص ۲۵۵۔
 ۱۴۳. سن دلی جہد دلی۔ نرہ تہ پریورتن موافق نیت جت ملانی۔ نامہ مام پریس، لاہور ۱۹۱۳ء۔ ص ۲۵۵۔

سکیمو فی رہیب

۱۴۴. سکیمو فی رہیب۔ ماسٹر پریس، لاہور ۱۹۱۳ء۔ ص ۱۳۶۔
 ۱۴۵. سکیمو فی رہیب۔ ماسٹر پریس، لاہور ۱۹۱۳ء۔ ص ۱۳۶۔

جین مذہب

- (۱) جین مت سار۔ مولفہ لالہ سمیرہ جین۔ گیتا پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۳۵ء۔ ص ۳۹۲
- (۲) سنا تن جین درشن پرکاش۔ مولفہ لالہ سوہن لال جینی۔ مطبع نرنکاری، ۱۹۳۶ء۔ ص ۵۳۶
- (۳) جین کرم فلاسفی۔ مولفہ بابو رکھب داس جین۔ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۳۵ء۔ ص ۲۳۲
- (۴) جین دھرم و پرما تما۔ مولفہ بابو رکھب داس جین۔ ہندوستانی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔
۱۹۲۳ء۔ ص ۴۸

- (۵) جین رتن مالا۔ مرتبہ لالہ کیو ٹرال۔ مطبع چودھویں صدی۔ راولپنڈی ۱۹۳۳ء۔ ص ۹۲
- (۶) گیان سورج اُدے۔ حصہ دوم۔ مولفہ بابو سورج بھان۔ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔
۱۹۲۵ء۔ ص ۶۴

- (۷) لطف روحانی۔ مولفہ ماسٹر بشمبہ داس۔ مطبوعہ بنیاب پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۳ء۔ ص ۵۲
- (۸) انمول رتنوں کی کنجی۔ حصہ اول۔ مولفہ اجودھیا پرشاد۔ امپیریل نیٹو بک ڈپو پریس
دہلی ۱۹۱۶ء۔ ص ۷۲

- (۹) انمول رتنوں کی کنجی۔ حصہ دوم۔ مولفہ اجودھیا پرشاد۔ امپیریل بک ڈپو پریس، دہلی
۱۹۱۸ء۔ ص ۶۴

- (۱۰) شاہ راہ مکتی۔ مطبوعہ لالہ اسٹیٹم پریس، لاہور۔ ۱۹۲۰ء۔ ص ۸۲

- (۱۱) جین دھرم کی قدامت و صداقت پر یوژین مورخین کی مدلل رائے مرتبہ لالہ
متھرا داس جینی۔ پرکاش اسٹیٹم پریس، لاہور۔ ۱۹۱۶ء۔ ص ۱۳

- (۱۲) جین مت و دین۔ مولفہ سوہی رتن چند، بالائی اسٹیٹم پریس، سادھوڑہ، ضلع
اٹنا۔ ۱۹۱۶ء۔ ص ۵۰۸

- (۱۳) نو مت۔ مولفہ لالہ تنھو رام۔ شائع کردہ جین ڈیجیٹل سوسائٹی، اٹنا۔ ۱۹۲۱ء۔ ص ۹۲

جین

لاہور کی

دہلی

جین

لاہور کی

دہلی

۱۱۔ اسی سیتہ رتہ پر کاش۔ مترجمہ دستر مہ پال۔ سیوک ایٹم پر پریس، لاہور ۱۹۱۲ء میں ۴۴

تھیو سوفیکل ہوسائٹی

۱۱۔ تھیو سوفی کیا ہے۔ (منسٹرائی لسنٹ کی کتاب کا ترجمہ) طبع نو کشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء

(میں ۱۶)

۱۲۔ دنیا و بقعی (منسٹرائی لسنٹ کے لکچر کا ترجمہ) سیٹھ گندن لال پریس، لکھنؤ سندھ دہلی
پینس۔ میں ۲۲

۱۳۔ اصول تھیو سوفی (میں ایگری کی کتاب کا ترجمہ) نول کشور پریس، الہ آباد ۱۹۱۴ء میں

رادھا سوامی مرت

۱۱۔ رادھا سوامی مرت سندیش۔ ملبوعدہ آکرہ۔ میں ۴۳۔

۱۲۔ سنت مت کیٹکزم۔ ملبوعدہ ایسا وکشن۔ آکرہ۔ میں ۵۰۔

۱۳۔ رادھا سوامی مرت مواظفہ سند گمہ۔ بندے ماترم ایٹم پریس، لاہور ۱۹۱۴ء میں

۱۴۔ ایتھارتم پر کاش۔ حصہ اول۔ دوم۔ مواظفہ صاحب جی مہاراج آئندہ پریس صاحب

آرمی پریس، دیال پور ۱۹۱۴ء میں ۲۶۸۔

دیو سماج

۱۱۔ دیو سماج۔ سندھ سیتہ اندیشہ۔ دیو سماج پریس، لاہور ۱۹۱۴ء میں

۱۲۔ دیو سماج۔ میں ۴۴۔

۱۳۔ دیو سماج۔ سندھ سیتہ اندیشہ۔ دیو سماج پریس، لاہور ۱۹۱۴ء میں

۱۴۔ دیو سماج۔ میں ۴۴۔

(۴۸) رگ ویدادی بکاش بھومکا مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی۔ جلد اول مترجمہ منشی رام جگیا سو۔ مطبع ست دھرم پرچارک، جالندھر، ۱۸۹۹ء ص ۱۸۴۔

(۴۹) بھوید۔ از سوامی دیانند سرسوتی۔ مترجمہ دھرم پال۔ روز بازار اسٹیٹم پریس، امرتسر (ص ۴۲۲)

(۵۰) سنسکار دیپکا۔ مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی۔ مترجمہ منشی رام دسوامی شرمدھان۔ وٹاناچند۔ گروہرا اسٹیٹم پریس، لاہور، ۱۹۲۳ء ص ۵۹۹۔

(۵۱) سنسکار ودھی۔ مولفہ مہتہ جینی جی۔ مطبع فٹس سرمدھار، ملتان۔ ص ۴۰۔

(۵۲) دشت سہد حصہ اول۔ مولفہ سیتہ دیو جی۔ منشی ہر پرشاد پریس، بلند شہر ص ۶۴۔

(۵۳) صداقت وید دھرم منظوم۔ از درنگا پرشاد۔ دلی پرنٹنگ ورس، دہلی۔

(۵۴) سندھیا مترجم منظوم۔ از کیول کشن۔ سیتہ دھرم پرچارک پریس، جالندھر۔ ۱۹۰۳ء۔ ص ۴۰۔

(۵۵) سورج کی روشنی میں سات رنگ۔ مولفہ پنڈت گنگا پرشاد۔ زفاح عام پریس لاہور۔ ۱۹۰۵ء۔ ص ۳۲۔

(۵۶) آئینہ مذہب ہندو۔ مولفہ منشی بے دیال سنگھ۔ مطبع لوک شوروکان پور۔ بار پنجم ۱۸۸۴ء۔ ص ۱۲۸۔

(۵۷) قدامت وید۔ مولفہ مہاشے گوردھن۔ دلی پرنٹنگ ورس، دہلی۔ ص ۷۲۔

(۵۸)

(۵۹) جواہر الصدق۔ مرتبہ لائقا پرشاد شوقی۔ لاہور، کان پور، ۱۹۱۹ء۔ ص ۱۱۶۔

(۶۰) گیان بھاشکر۔ مولفہ نند کمار سنگھ۔ مطبع آریہ بھوشن، میرٹھ۔ ۱۸۸۶ء۔ ص ۲۴۔

(۶۱) حسد پرکاش۔ مولفہ بھائی جگت سنگھ۔ ۱۹۰۹ء۔ ص ۲۲۰۔

کتب خانہ دارالعلوم دیوبند علی گڑھ

لائسنس برائے علی گڑھ

(۴۴) راجہ راجست۔ از سوادھی سرودا منہ جی۔ نامی پرنسپل، الہ پور ہسٹہ۔ میں ۴۴

(۳۲) آریہ دھرم۔ ازلالہ سنت رام۔ بی۔ اے۔ مرکز انٹرنل ریویس۔ ماہبر ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۶۰۔

(۱۴) آریہ جیون۔ مولائی شہزادہ رام۔ جہندستان انسٹیٹم پریس، لاہور، ۱۹۳۷ء۔

۱۷۱۱ برہم دیوار موافق سبکت شہزادہ رام۔ یکک پڑتنگ یسین لاہور سندن درج نہیں میں ۹۔

۱۳۳۶ دی ۱۲ در شش

(۱۲۱) شدہ می موافقہ کنیز بہادر کیلئے۔ شاہی پریس کمان پورہ ۱۹۲۵ء میں ۳۱۱۔

(۱۴) اطہارِ حقیقت - از گیان چند آریہ - نیتیم اکڑک پریس، دہلی بسنہ درج پنہس، مم، ۲۰۲۰۔

(۱۳۴) ویدک ترکیب مل۔ از کمالہ اجیت رائے۔ رفاء، نام اسٹیمپریس، لاہور۔ سنہ ۱۹۵۷ء

منہیں: جس ۱۰۲۔

(۱۰) کلیات مسافر از پندت لیکھ رام آریہ مسافر، مفید نام پریس، لاہور، بسندہ دینیہ

۱۵۲۷

۱۴۱) دیدہ جی ایشوری گیان ہے۔ موانعہ اکمشن آری پد لینگ کہو سہ اسٹیم یسینا اہور

سند درج نہیں۔

ہم یہ کہیں سے سنیاسی از سوامی شہ دیوانند۔ منہ پستان، کیا کرک پڑھنک و کرکس دی

۱۳۰۰ یکم محرم ۱۳۰۰

۱۳۲۰

۱۰۰۰ کیلو : ۱۰۰۰ فینٹن جو کیلے پلینا ہوتا ہے ۱۰۰۰

بسم الله الرحمن الرحيم

۱- به جهت اینکه در این کتاب، سبک نگارش و

...میں نے اپنے لیے ایک کمرہ لیا ہے۔

(۱۳) سانچ کو آچنہ نہیں۔ ازینڈت لیکھ رام آریہ مسافر سینہ دھرم پرچارک پریس جالندھر
سنتھہ بکری ص ۵۲۔

(۱۵) کاشف اسرار حقیقی مولفہ منشی بالکند سہائے مطبع زبدۃ النظائر الدیابۃ سنتھہ بکری ص ۲۰۶
(۱۶) دیدک دھرم اور سائنس، جلد اول مولفہ پنڈت بشن داس سیوک اسٹیم پریس لاہور
سنتھہ بکری ص ۱۳۶۔

(۱۷) گلہ دستہ دھرم، از لالہ بتواری لال دیش۔ سیوک اسٹیم پریس، لاہور سنتھہ بکری ص ۹۲۔
(۱۸) روح مادہ کی ازلیت۔ مولفہ لالہ پربھو رام، محمدی پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۵۶۔
(۱۹) دیدک دھرم پرچار۔ از رائے بٹھا کردت دھون۔ مطبع نو لکھنؤ، لکھنؤ۔ سنتھہ بکری ص ۳۰۔
(۲۰) امور سدھانت۔ مولفہ بابو جوالا پرشاد دودیار تھی۔ مطبع دیوار پرنٹ، میرٹھ۔ سنتھہ بکری ص ۸۶۔
(۲۱) برصغیر کی عظمت۔ مؤلفہ مہتہ جینی۔ جارج اسٹیم پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۲۲۔
(۲۲) دید پرکاش۔ مولفہ مہتہ جے چند۔ پنجاب اکاڈمی کل پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۴۶۔
(۲۳) مذہب کا مقصد۔ مولفہ پنڈت جوتھی۔ لکھنؤ اسٹیم پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۴۸۔
(۲۴) آریہ سدھانت یکتا دی جھنہ اول۔ از کرپا رام شرما۔ دیدک دھرم پریس، دہلی۔ سنتھہ
درج نہیں۔ ص ۱۰۰۔

(۲۵) دید دی کی عظمت۔ از کرپا رام شرما۔ مفید عام پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۶۴۔
(۲۶) دھرم دیاں چند ایم۔ اے۔ مرکز نائل پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۱۶۸۔
(۲۷) آریہ جاتی کے تیوہار۔ از لالہ دیوان چند گلدھوک۔ گزشتہ دھرم پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۸۴۔
(۲۸) پرشارتھ پرکاش۔ مترجمہ دینا ناتھ۔ آریہ پریس جالندھر۔ سنتھہ بکری ص ۲۶۴۔
(۲۹) رتن ساگر از دیوان چند ایم۔ اے۔ راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۱۶۰۔
(۳۰) سیتہ اُپدیش مالا۔ از سوامی سیتہ مندی۔ راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۲۰۸۔
(۳۱) آئندہ سنگرہ۔ از سوامی سرو دانند جی۔ مرکز نائل پریس، لاہور۔ سنتھہ بکری ص ۲۵۶۔

(۹۵) معدن اخلاق جسے اول و دوم موافقہ فشی چتر بھوت سہلے بھاگ گئے گیان پرسیس
گوہر النوالہ میں ۲۶۷۔

(۹۶) ٹکڑے ہدایت۔ موافقہ لالہ شنکر داس۔ مکی پرسیس۔ گوہر النوالہ جلد ۱۵۱ میں ۲۲۲۔
(۹۷) الکھ امواج۔ فشی کنیہ لالہ الکھ دستاری۔ گیان پرسیس۔ گوہر النوالہ میں ۸۶۔

(۱۰۰) جیوان چتر۔ سوامی رام کرشن پرہنس۔ مٹی و گدہ اسٹیم پرسیس، لاہور ۱۹۲۵ء میں
(۱۰۱) شہید بھگت گیتا منگلوم (غذائے رشتہ) از پرسید دیال مسر عاشق۔ مبلع نو کشور
لکھنؤ ۱۹۲۶ء میں ۱۱۵۔

(۱۰۲) رام من خوشتر منگلوم۔ از فشی جگن تھو شتر۔ مبلع نو کشور۔ لکھنؤ۔ ۱۹۲۸ء
(سولہویں بار) میں ۲۵۸۔

(۱۰۳) گیان کلید۔ موافقہ بابوشہ و برت لالہ ورن آر یہ اسٹیم پرسیس، لاہور ۱۹۲۴ء
(۱۰۴) ویدانت۔ ناما سنی موافقہ بابوشہ و برت لالہ ورن رنہ نام اسٹیم پرسیس، لاہور میں ۳۶۔
(۱۰۵) بھگت گیتا۔ تہ جیہ فشی دیبی پرشاد۔ رام پرین میرٹھ ۱۹۱۳ء میں ۹۰۔

(۱۰۶) ویدانت۔ موافقہ رام ورن رکھی کشس۔ مکن لالہ پرسیس، لاہور ۱۹۲۲ء میں ۱۰۰۔

(۱۰۷) نبو و سغات سانی۔ موافقہ لالہ اے جی۔ مبلع نو کشور۔ لکھنؤ ۱۹۲۷ء میں ۴۴۔

کبیر فیتہ

(۱۰۸) کبیر صاحب۔ موافقہ تہ منہ۔ لالہ فشی شاکر۔ مکن لالہ پرسیس، لاہور ۱۹۲۲ء میں ۱۰۰۔

۶۱. آپ نشوون تسج. از منشی سونت نراین مهر دلووی جلد اول سادو پریس، دہلی ۱۹۱۲ء میں ۳۲۷
۶۲. دوم ۱۹۱۴ء میں ۳۲۹
۶۳. سوم ۱۹۱۵ء میں ۱۶۹
۶۴. چہارم ۱۹۱۵ء میں ۳۵۲
۶۵. جیون کتی. از منشی سونت نراین مهر دلووی. سادو پریس، دہلی ۱۹۱۵ء میں ۱۸۰.
۶۶. یونگ درشن. ۱۹۱۳ء میں ۱۳۳.
۶۷. یگات سمتی مرتبہ جنگوت سنگھ مطبع بھارت سیالکوٹ. میں ۱۱۵.
۶۸. اشانگ یوک. از منشی سونت نراین مهر دلووی سادو پریس، دہلی، ۱۹۱۵ء میں ۳۶۲.
۶۹. میکا سریدھیا گوت. جلد اول. مرتبہ: الین سکمر رائے. امریتسہ بکڈ پریس، دہلی میں ۱۱۳.
۷۰. نسانا تاجید متہ تبہ نپڈت امر ناتھ مدن سادو دلووی رام نراین پریس، بتمہ ۱۹۱۵ء میں ۱۲۸.
۷۱. کمہ پکاش بواند منشی کنھیالال اکبر دھاری گیان پریس، لاہور ۱۹۱۵ء میں ۴۴۴.
۷۲. راج یوک. از منشی سونت نراین مهر دلووی سادو پریس، دہلی ۱۹۱۵ء میں ۳۰.
۷۳. سونو کوکھدا. از شیو بہت لال ورمن رچپوت ڈیڑنگ، لاہور میں ۱۰۴.

۷۴. علی یوران متہ جہان مورت میں مشورہ کشمی نارائن پریس، لاہور ۱۹۱۵ء میں ۱۳.

۷۵. منو سمتی مرتبہ: راج کمار. ۱۹۱۵ء میں ۱۰۸.

۷۶. یوک دیدادی بکاش بواند متہ تبہ نپڈت. امر ناتھ مدن سادو دلووی رام نراین پریس، دہلی میں ۱۱۳.

۷۷. پانہ ورنشہ میں ۱۰۸.

۷۸. ۱۹۱۵ء میں ۱۰۸.

۷۹. ۱۹۱۵ء میں ۱۰۸.

۸۰. ۱۹۱۵ء میں ۱۰۸.

۴۵۔ بھگتی۔ از سوامی ویکانند مترجمہ شانتی ناراین۔ پنجاب پریس، لاہور۔ ص ۱۶۰

۴۶۔ بھگتی اور دیدانت۔ مولفہ سوامی ویکانند۔ مترجمہ شانتی ناراین۔ مفید عالم پریس

لاہور۔ ص ۲۰۰۔

۴۷۔ مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم۔ از لالہ لاجپت رائے۔ ہندوستانی برقی پریس

لاہور۔ ۱۹۰۶ء۔ ص ۲۲۔

۴۸۔ پوتھی گیان پرکاش۔ مولفہ منشی گلزاری لال۔ مطبع نو کشور، لکھنؤ۔ یار دوم ۱۸۷۱ء

۴۹۔ راماین مہر۔ از منشی سورج ناراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۳ء۔ ص ۲۵

۵۰۔ نیا لکے دشمن۔ مترجمہ سوامی درشنا نند۔ رہبر پریس، مراد آباد سنہ دج نہیں ۱۹۴۸ء

۵۱۔ مہا بھارت منظوم۔ از منشی طوطا رام شایاں۔ مطبع نو کشور، بکان پور۔ بارہ پنجم

۱۸۹۳ء۔ ص ۳۰۱۔

۵۲۔ گیان یوگ۔ از منشی سورج ناراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۳ء۔ ص ۳۶

۵۳۔ عملی دیدانت اور لاہور لکچر۔ از منشی سورج ناراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۳ء

۵۴۔ گیان بھاشکر۔ مولفہ لالہ نند کمار سنگھ۔ مطبع آریہ بھوشن، شاہجہان پور ۱۸۹۶ء۔ ص ۲۴

۵۵۔ گلہ ستہ مسرت۔ مولفہ برج موہن لال۔ مطبع سلیمانی، بنارس ۱۹۰۶ء۔ ص ۲۴

۵۶۔ ذخیرہ سعادت۔ مولفہ لال جی۔ مطبع نو کشور، لکھنؤ۔ ۱۸۷۶ء۔ ص ۴۵۔

۵۷۔ روحانی کہانیاں۔ از منشی سورج ناراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۳ء۔ ص ۵۷

۵۸۔ میار الکاشفہ۔ مترجمہ باوانگینا سنگھ بیدی۔ آنند پریس، لاہور۔ ص ۱۳۰

۵۹۔ مخزن مہا بھارت۔ مترجمہ بابو جوا لا پرشاد بھارگو۔ چار جلدوں میں۔ مطبع ست

پرکاش آگرہ۔

۶۰۔ مخزن اسرار (مترجمہ گیتا) از نیدت دینا ناتھ مدن۔ رام ناراین پریس، متھرا ۱۸۳۱ء

باردین لاہوری۔ دہلی

۳۴۔ نیا بھگت مال۔ جلد اول۔ از بابوشیو بہرت لال۔ ملبوئے ہندوستانی پریس
لکھنؤ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۶۱۰۔

۳۵۔ سادھان دھرم۔ جلد دوم۔ برہمنہ سوامی شیو گن بی یوگی۔ ص ۱۱۲۔

۳۶۔ بونق کے موجود نہ ہونے سے مترجم کا نام اور بطبع و سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔
۳۷۔ یوگ سار اردو۔ از سوانی رام چند سادھو۔ میکی پریس، گوجرانوالہ۔ سنہ ۱۹۰۹ء۔ ص ۴۰۔
۳۸۔ کنیش پوران منکوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ بطبع نول کشور، لکھنؤ۔ سنہ ۱۹۰۵ء
(ص ۱۶)

۳۹۔ جانیکی بچے منکوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ بطبع نول کشور، لکھنؤ۔ سنہ ۱۹۲۰ء۔
(ص ۱۲)

۴۰۔ رامین منکوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ بطبع نول کشور، کانپور۔ بار دوم۔ سنہ ۱۹۰۸ء
(ص ۱۵۸)

۴۱۔ منو سمرتی۔ مترجمہ کرپارام شہ بابکرانوی۔ ویدک دھرم پریس، دہلی۔ سنہ درج
نہیں۔ ص ۴۹۲۔

۴۲۔ بھرتاری ہری شتک۔ مترجمہ بابو راہیشور ناتھ زریبا۔ امرت اکراک پریس
لکھنؤ۔ ص ۸۰۔

۴۳۔ نمونہ آپنشد۔ مرتبہ بابو پیارے لال۔ ودیا مس گر پریس علی گڑھ۔ سنہ ۱۹۱۹ء
(ص ۱۲۴)

۴۴۔ ساکھو نہ سنی۔ مؤلفہ بابوشیو بہرت لال۔ سیتہ دھرم پریس چارک پریس مہاند
(ص ۱۶۰)

۴۵۔ بھگتی رہسہ۔ سنہ ۱۹۱۹ء۔ مترجمہ شانتی نارین۔ نندہ ستان پریس
لکھنؤ۔ سنہ ۱۹۲۰ء۔

۱۸۔ کلکی پوران۔ مترجمہ پنڈت ہر دیال شرما۔ صادق المطابع میرٹھ۔ ۱۹۸۹ء۔ ص ۱۷۸۔

۱۹۔ شریک بھگوت گیتا، موسوم بہ فلسفہ الوہیت۔ از پنڈت جانی ناتھ مدن۔ رام نرین
پریس، متھرا۔ طبع پنجم ۱۹۲۲ء۔ ص ۳۴۳۔

۲۰۔ بھگت مال۔ مترجمہ منشی تلسی رام۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۸۸۸ء۔ ص ۴۵۶۔

۲۱۔ اردو پنچ وشی۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۷ء۔ ص ۴۹۷۔

۲۲۔ فلسفہ گیتا۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۱ء۔ ص ۳۳۶۔

۲۳۔ ویک چوڑامنی۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء۔ ص ۲۷۷۔

۲۴۔ مہر بھنادلی جلد اول۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۵ء۔ ص ۲۴۸۔

۲۵۔ کلام مہر جلد ثانی۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ مفید عام پریس، لاہور ۱۹۱۰ء۔ ص ۲۷۲۔

۲۶۔ چہل درویش۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ ہندوستان الیکٹریک پرنٹنگ

ورکس، دہلی۔ بار دوم، ۱۹۲۴ء۔ ص ۶۵۴۔

۲۷۔ گیان گیتا، حصہ دوم۔ از پوکرداس۔ مطبع روہیلکھنڈ لطیری سوسائٹی، بریلی۔

سنہ درج نہیں۔ ص ۴۸۔

۲۸۔ شریک بھگوت گیتا، حصہ دوم۔ مولفہ لوکمانہ تلک۔ مترجمہ شانتی ناراین۔ بار سوم

۱۹۲۵ء۔ امرت پریس، لاہور۔ ص ۳۶۰۔

۲۹۔ شریک بھگوت گیتا۔ مولفہ لوکمانہ تلک۔ مترجمہ شانتی ناراین۔ بار اول ۱۹۲۵ء

امرت پریس، لاہور۔ ص ۱۵۲۔

۳۰۔ یوگ شاستر۔ مرتبہ بابو پیارے لال۔ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ ۱۹۰۸ء۔ ص ۱۰۷۔

۳۱۔ بھرتی شتک۔ مترجمہ بابو جگنن رن۔ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ ۱۹۰۸ء۔ ص ۵۹۔

۳۲۔ دیدانت کے رتن۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء۔ ص ۴۴۸۔

۳۳۔ اردو بچا رساگر۔ از منشی سورج نارین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۲ء۔ ص ۴۵۔

کھنڈ: ۱۹۱۲ء میں ۳۷ -

۵۔ رامائن بالیکلی: مترجمہ منشی پرشیر دیال: مطبع نول کشور، لکھنؤ، بار دوم، ۱۹۱۲ء
اس میں ہر کھنڈ کے صفحات کے نمبر مفید ہیں۔

۶۔ رامائن بہار: منظوم: از بابو بانکے بہاری لال بہار: مطبع نول کشور، لکھنؤ
۱۹۱۲ء میں ۱۰۵ -

۷۔ لشن سہسرام سٹیک: مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء میں ۱۴۰ -

۸۔ بیداست: مترجمہ الہ لہریو داس: مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء میں ۳۲ -

۹۔ گیتا مہاتم منظوم: از منشی رام سہاس تپنا: مطبع نول کشور، لکھنؤ، بار دوم،
۱۹۱۹ء میں ۲۷ -

۱۰۔ ودیشہ مہاتم: ترجمہ منشی کنور بہادر: مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۹ء میں ۴۱ -

۱۱۔ گیتا مہاتم: مترجمہ منشی لال بی: مطبع نول کشور، لکھنؤ، بار دوم، ۱۹۱۹ء میں ۴۴ -

۱۲۔ گیتا گپکوش: ترجمہ بھگوت گیتا، از منشی کنہیا لال الکریم معاری گیتا گپکوش
آگرہ، ۱۹۲۰ء میں ۲۰۰ -

۱۳۔ بیکرم منظوم: از منشی شنکار دیال ذلت: مطبع شرمبند، ۱۹۳۸ء میں ۵۹ -

۱۴۔ مکش گیتا: مؤلفہ جی کوپال: مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۳۸ء میں ۴۰ -

۱۵۔ تالیف: وجہد: مؤلفہ بابوہ کبند سہاس: مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۳۸ء میں ۱۳ -

۱۶۔ رامائن کوکبک سین: مؤلفہ جی ولفن: ریڈیٹ پرنٹ زامین کمپنی: ۱۹۳۸ء میں ۱۰ -

۱۷۔ گیتا: مترجمہ جی ولفن: ریڈیٹ پرنٹ زامین کمپنی: ۱۹۳۸ء میں ۱۰ -

کتابت

ان کتابوں کی فہرست جن کے اقتباسات یا حوالے اس
مقالے میں دئے گئے ہیں۔ جن کتب خانوں میں یہ کتابیں
ملیں ان کے نام بھی حاشیے پر درج ہیں۔

ہندو مذہب

- (۱) منو سمرتی۔ مترجمہ لالہ سوامی دیال۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ بارششم، ۱۸۸۹ء ص ۴۹۲
- (۲) ترجمہ شری مد بھاگوت۔ از منشی سوامی دیال۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ بار دوم، ۱۹۲۳ء
(ص ۶۸۸)
- (۳) بھگوتی اتھاس، ترجمہ دیوی بھاگوت۔ از پنڈت پیارے لال کشمیری۔ مطبع نول کشور
لکھنؤ۔ ۱۸۷۷ء۔ ص ۵۸۵۔
- (۴) دسم اسکندھ سرید بھاگوت منظوم۔ از منشی سردار سنگھ نسیم۔ مطبع نول کشور

کتابت
فہرست
کتابت
کتابت
کتابت

تبادلت کیا۔ ت کراتے ہیں۔ ریل کی جبر سے جو اندرون ملک میں ہزار میل کی مسافت پر پھیل گئی ہے۔ اور کبھی ہندوستان اور وسط ایشیا کے لوگوں کو ملنے جلنے کا موقع ملتا چلا نہ جاتا ہے جب یہ لوگ ملتے ہیں تو ایک مشترک زبان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ ہندوستانی زبان اس مقصد کو بطریق احسن پورا کرتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی ساخت میں ہندی، فارسی اور عربی کے عناصر شامل ہیں۔ اس زبان میں بدرجہہ، تم یہ ملا حیت پائی جاتی ہے کہ

ہندو اور مسلمان دونوں کے مقاصد کو پورا کرے۔“ (خطبات مس ۵۸، ۵۹، ۶۰)

غرض اس مقالہ کے مطالعہ سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ مذہب سے محبت رکھنے والوں نے اپنے اپنے مذہب کی خوبیوں کو ہندوستانیوں کے دلوں میں اتار دینے کے لئے جس زبان کا وسیعہ سب سے زیادہ متہمسکھا وہ اردو تھی۔

”پھر وہ کہتے ہیں: ”ہندی سے دراصل مراد وہ دہتھانی بولیاں ہیں جو شمالی ہند میں بولی جاتی ہیں۔ سیول سروس کے نوجوانوں کو جو ہندی سکھائی جاتی ہو وہ برج کی بھاشا ہے۔ یہ وہ بولی ہے جو متھرا اور بندرا بن کے اس پاس بولی جاتی ہے۔“ (خطبات - ج ۱۰ - ص ۳۶۹)

مستشرقین بالعموم ہندوستانی سے اردو زبان مراد لیتے تھے۔ چنانچہ دتاسی سیول سروس کے امتحان کی نصابی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”سیول سروس کے امتحان کے لئے حسب ذیل ہندوستانی کتابیں نصاب میں رکھی گئی ہیں:- انتخابات بارغ و بہار۔ اخوان الصفا۔ سیر المتاخرین..... ہندی کے نصاب میں حسب ذیل کتابیں رکھی گئی ہیں:- انتخاب پریم ساگر۔ سنگھاسن بتیسی، اور شاید راج نئی اور کالی داس کی رامین“ (خطبات ص ۷۵ - ۳۷۴)

۲۴ دسمبر ۱۸۶۷ء کے خطبہ میں دتاسی نے ہندوستانی یعنی اردو کے ہندوستان کی مشترک زبان ہونے کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:-

”بہرچہ لوگوں کا خیال ہندوستانی کی نسبت چاہے کچھ بھی ہو لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ سارے ہندوستان کی مشترک زبان بن گئی ہے۔ دن بدن جو اس کی ترقی ہو رہی ہے اس کی وجہ سے وہ پورے دیس کی زبان کہی جاسکتی ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت کپتان رچ۔ مور (H. MORE) نے اپنی رائے سے مجھے مطلع کیا ہے۔ موصوف مرکزی حکومت میں ترجمان کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

”بلاشبہ کچھ عرصہ کے بعد ہندوستانی مشرق کی ایک نہایت اہم زبان کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ اسی زبان کے توسط سے لاکھوں اہل مشرق

۱۸۶۲ء سے پہلے کی مسیحی مطبوعات جو مجھے مل سکیں حسب ذیل ہیں:-

- (۱) صلوٰۃ الجماعت کی کتاب (۱۸۲۸ء) (۲) کتاب مقدس کا آخری حصہ (۱۸۳۹ء)
- (۳) ہمارے خداوند یسوع مسیح کا نیا و شیعہ (۱۸۴۱ء) (۴) کتاب القدس، جلد اول (۱۸۴۲ء)
- (۵) کتاب القدس، جلد ثانی (۱۸۴۳ء)۔ (۶) کتاب طریق الحیات (۱۸۴۴ء) (۷) کتاب مقدس (۱۸۴۹ء) (۸) کتاب مقدس کا احوال (۱۸۵۹ء) (۹) کتاب عہد جدید (۱۸۶۰ء)
- (۱۰) ترجمہ مزامیر با شرح و تفسیر (۱۸۶۱ء)

ان سب کے اقتباسات مقالہ میں دئے گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ فاضل خجلہ نگار کی نظر سے مذکورہ بالا ترجمے نہیں گزرے۔ ان ترجموں میں انگریزی کا کوئی لفظ مجھے نہیں ملا، چہ جائے کہ کثرت سے ان کا استعمال۔ ۱۸۶۱ء کے بعد کے بھی متعدد درجے تو ریت و نخیل کے میں نے دیکھے، نیز انیسویں صدی کے ربع آخر اور بیسویں صدی کے موجودہ زمانہ تک کی ایک بڑی تعداد مسیحی کتابوں کی جوار دو میں شائع ہوئی ہیں مطالعہ میں آئی لیکن زبان سب کی شستہ اور فصیح ملی، اور انگریزی الفاظ کا استعمال بکثرت یا بہ قلت کسی میں نظر نہیں آیا ممکن ہے داسی کی مراد مشنریوں کی ”میشنر تصانیف“ سے خیر خواہ ہند کی قسم کے مذہبی اخبار اور رسالے رہے ہوں جن میں انگریزی آمیز اردو لکھی جاتی تھی اردو کے مسیحی مترجمین و مولفین میں وہ بھی ہیں جو اصلاً ہندو تھے اور بعد کو عیسائی ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی زبان بھی وہی ہے جو ان پادریوں کی کتابوں میں ملتی ہے جو مسلمان سے عیسائی ہوئے۔ مثلاً ”تذکرۃ المومنین“ جلد اول و دوم کا ترجمہ پادری تارا چند کے قلم سے ہے۔ ہینا اسمتھ کی کتاب کا ترجمہ ”مسیح کی خوش وقت زندگی کا بھید“ کے عنوان سے بابولونس سنگھ نے کیا ہے۔ ”مسیح کے خاص دوست“ کے مترجم پادری رلیارام ہیں۔ ”قیامت مسیح“ پادری ٹھاکر داس کی تالیف ہے۔ ”مصرف میٹا“ (ڈراما) پادری بالاسنگھ چندر نے لکھا ہے۔ اسی طرح منظومات میں ”زمرہ تبلیغ“، ”ذکر صلوٰۃ“

یہیں بک سوسائٹی، البتہ اس کی فہرست میں جو کتابیں اس مرتبہ ہوئی تھیں سوسائٹی اور بعض دوسرے کی اداروں کی کتابوں کا شمار (۱۹۰۵ء) ہے۔ اس میں زیادہ تر خود سوسائٹی کی کتابیں ہیں۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں عیسائیوں نے نسبتہ بہت تھوڑی کتابیں شائع کی ہیں۔ جبہ ظاہر ہے کہ وہ اردو ہی کو ملک کے بڑے حصے کی زبان سمجھتے تھے اور اسی کے ذریعہ یہاں کے رٹھے لکھے باشندوں کی اکثریت کو اپنا پیغام پہنچا سکتے تھے۔

اس مقالہ کی تقریب میں عیسائیوں کی تقریباً سوا سو کتابیں دیکھنے کا مجھے موقع ملا۔ زبان کے لحاظ سے یہ سب نہایت سلیس اور صاف و سادہ تھیں۔ ہندو اور عیسائی مذہب کی کتابوں میں تو مذہبی مصطلحات کے لئے سنسکرت کے الفاظ ناگزیر طور پر استعمال کئے گئے ہیں، لیکن عیسائیوں کی اردو کتابوں میں مذہبی مصطلحات کے لئے کبھی عربی یا فارسی کے علاوہ مجھے کسی دوسری زبان کا لفظ نہیں ملا۔ معلوم نہیں کمارساں دنا سہی کے اس بیان کی فیاد کیا ہے کہ مسیحی انجیل میں انگریزی کے الفاظ اکثریت سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے چند ہویں خطبہ ۵۰ رقمہ ۵۰۰ میں لکھتا ہے:-

میں نے اپنے ہاں انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ رائج کر لئے ہیں جو اوقات تو ان کی اپنی زبان میں الفاظ وجود پاتا ہے جب بھی وہ ہم معنی انگریزی الفاظ کو جمع دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور بہت سارے انگریزی الفاظ ہمیشہ لئے جا سکتے ہیں جنہیں اہل ہند خود اپنے فہموں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور جہت سمجھتے ہیں۔ بہت چھوڑاؤ کا خیال نہ خواہ ہندو اس قسم کی ہندوستان میں بہت کم ہے جس میں انگریزی الفاظ اکثریت سے کھینچے جاتے ہیں۔ انگریزوں کی مٹی سے تیار کی ہوئی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انگریزی زبان میں بہت سارے الفاظ

نام کے دو ٹکٹ اردو زبان میں لکھے جتھے۔۔۔۔۔ مجھے امید ہے کہ
یہ کتاب زمانہ حال کی ایک بڑی ندرت کو پورا کرے گی اور اردو خواں
جین بھائیوں اور دیگر سنی پسندوں کے واسطے ایک بڑی کارآمد چیز
ہوگی۔“ (مقالہ ص ۲۲۵)

علامہ سید من لال جینی اپنی کتاب سنا تن جین درشن پرکاش، (مطبوعہ ۱۹۰۳ء)
کے دیباچہ میں نہ صرف اردو کے مقبول عام ہونے کی شہادت دیتے ہیں بلکہ اس کے مقابل میں
دیوناگری جاننے والوں کی قلت تعداد کا اعتراف بھی کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-
..... مگر آج کل اردو کی زیادہ تر پروری ہو رہی ہے۔ دیوناگری سے
تو بہت بھڑ بھڑ ہو رہی ہے۔ زیادہ نہیں اس لئے کتاب اردو ہی میں
تحریر ہو تو بہت اچھا ہوگا، کیونکہ ہر ایک پڑھ سکے گا۔“ (مقالہ ص ۲۲۵)
برٹھو سہارج، آریہ سماج، جیو سوشل سوسائٹی، رادھا سوامی مت اور دیو سہارج
کی کتابوں میں سنسکرت کی مذہبی اصطلاحات اور غیر مانوس الفاظ ہندو اور جین مذہب
کی کتابوں سے بہت کم ملتے ہیں۔ یہی صورت سکھ مذہب کی کتابوں کی ہے۔ بلکہ ان کی مثالوں
میں ایسی اصطلاحات اور الفاظ کی تعداد ہندو مذہب کے اصلاحی فرقوں کی تالیفات و تراجم
سے بھی کہیں کم ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سکھوں کے وطن پنجاب میں اردو کی
مقبولیت ہندی کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ رہی اور اردو سکھوں کی ثانوی زبان کی
پیشیت رکھتی ہے۔

مسیحی مشنریوں نے ہندوستان میں اگر اپنے مذہب و اخلاق کی تبلیغ کے لئے
جس زبان کو وسیلہ بنایا وہ بھی مشترک زبان بنتی۔ ان کی اردو مطبوعات کی کثرت سے
اس زبان کے پڑھنے والوں کی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انڈیا آفس کے کتب خانہ
کی فہرست میں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مسیحی مطبوعات کی تو راد (۵۳۶) ہے اور پنجاب

اور غیر فہم ہے۔ پر یاد اس جی نے اس کی شرح ہندی نظم میں لکھی ہے۔ وہ بھی آج کل کے آدمیوں کے لئے آسان نہیں ہے..... سمیت ۱۹۱۶ بکرمی میں لالہ تسلی رام صاحب اگر وال نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا جو بہت مقبول عام ہوا۔۔۔۔۔ یہ ترجمہ بار بار چھپا اور اب بھی ملتا ہے۔ (مقالہ ص ۷۰)

”گیتا امرت“، مولفہ چودھری روشن لال کے دیباچہ میں سرگوکل چند نازنگ، سابق وزیر پنجاب لکھتے ہیں:-

”یہ کتاب درحقیقت وہ ایڈریس ہے جو چودھری روشن لال ایم۔ اے نے بہ حیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی پنجاب پراونشل گیتا کانفرنس میں جواہر لال نہروؒ ۱۹۳۵ء میں بمقام ملتان منعقد ہوئی تھی پڑھا تھا۔“ (مقالہ ص ۸۲)

ظاہر ہے کہ اس گیتا کانفرنس میں شرکت کرنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔

چودھری روشن لال کی دوسری کتاب ”گیتا گیان“ کے دیباچہ میں بہاری لال جلیکاسوؒ ایڈیٹر دیش بھگت، ملتان، مصنف کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:-

”وہ اپنے خیالات کو نہایت آسان زبان میں قلمبند کرتے ہیں تاکہ عوام

بخوبی سمجھ جائیں، کیونکہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں عوام کے لئے ہی لکھتے ہیں،“ (مقالہ ص ۸۴)

اسی طرح جین مذہب کی بعض کتابوں میں بھی اس حقیقت کا اظہار صاف لفظوں میں میں ملتا ہے کہ اردو کی یہ کتابیں اصلاً جینیوں ہی کے لئے لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ”جین تودرپن“ کے دیباچے میں سوامی رتن چند لکھتے ہیں:-

”یہ کتاب ایسے اردو داں اصحاب کے لئے جو پراکرت بھاشا میں دسترس نہیں رکھتے اور جین دھرم کے تئوں کو جاننے کی دلی خواہش رکھتے ہیں بڑی محنت اور کوشش سے تیار کروائی گئی ہے“ (مقالہ ص ۲۲۲)

امر کا ثبوت ہے کہ یہ زبان ملک کے بڑے حصہ کی زبان ہے۔

ہندو اور چین مذہب کی جن کتابوں کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ ان کی عبارتوں میں مذہبی مصطلحات زیادہ تر سنسکرت کی استعمال ہوئی ہیں، گو بعض مولفین یا مترجمین نے ان کے اردو ترجمے بھی ساتھ ساتھ دے دیے ہیں۔ ان مصطلحات کا استعمال بالکل فطری ہے۔ مولف یا مترجم دقیق مذہبی تصورات کو اگر عام فہم زبان میں بیان کرنے کی کوشش کرتا تو کیا مایاب ہونا بہت مشکل تھا، کیونکہ ان مصطلحات کا صحیح مفہوم سادہ الفاظ میں جیسا چاہئے ادا نہیں ہو سکتا۔ سلاہ بریں اس کے ہم مذہب جن کے طریقہ کتابیں لکھی گئی تھیں ان مصطلحات سے مانوس تھے، اور ان کا مفہوم بہ نسبت ان کے مترادفات کے زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔ لیکن مصطلحات سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو چند کتابوں کو چھوڑ کر باقی سب کی زبان وہی ہے جس کو ہندوستانی یا اردو کہتے ہیں، یعنی وہ مشترک زبان جس نے ہندوستان میں جنم لیا اور جس کے پروان چڑھانے میں اس ملک کے باشندوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں بے دریغ صرف کیں۔

بعض ہندو مولفین مثلاً منشی سورج ترائن تھر دہلوی، پنڈت جاکو، ناتھ مدن دہلوی، اور بابو شیو برت لال نے تو اپنی کتابوں میں ایسی شصتہ اور فصیح اردو کے نمونے پیش کئے ہیں کہ اس عہد کے کسی انشا پرداز کو رشک آ سکتا ہے۔ مذہبی منظومات میں بھی سلاست، روانی اور لطف سخن کی متعدد مثالیں مقالہ میں ملاحظہ سے گزری ہوں گی جو بلاشبہ قابل داد ہیں۔ مثلاً ”نسیم عرفان“ (ترجمہ گیتا) از منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی، یا راماین کا وہ منظر جس میں پنڈت برج ترائن چکبست نے بن پارس کے وقت رام چندرجی کا ناں سے رخصت ہونا دکھایا ہے، یا منشی کنھیالال کی مثنوی ”اخلاق ہندی“ ان نظموں پر اردو زبان، بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ یہ سید نام صرف مثال کے طور پر لئے گئے ہیں درنہ ہندوؤں کی مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں سلیس اور شصتہ اردو

صاحب۔ رسالہ نگار۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء)

(۱۲) رسالہ مسیحی۔ لاہور۔ کتاب ”مسیح کے خاص دوست“، مطبوعہ ۱۹۴۰ء۔ پہلا اسی سالے میں تسطوار چھپتی تھی۔

(۱۳) رسالہ مسیحی تنجلی۔ لاہور۔ ماہانہ۔ کتاب ”حل مشکلات“، مطبوعہ ۱۹۱۱ء۔ ابتداء اسی میں شائع ہوئی تھی۔

(۱۴) رسالہ ترقی۔ لاہور۔ ماہانہ۔ کتاب ”حیات المسیح“، مطبوعہ ۱۹۲۴ء۔ شروع میں اسی سالے میں بتدریج شائع ہوئی۔

ان تینوں رسالوں کا حوالہ مذکورہ بالا کتابوں کے دیباچوں میں دیا گیا ہے۔

(۱۵) رسالہ المائدہ۔ لاہور۔ مرتبہ موسیٰ خاں۔ اس کا پندرہویں جلد کا دسواں نمبر ماہ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔

میں نے لاہور میں دیکھا۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی :- ”پون کروڑ

مسیحان ہند کا مذہبی، معاشرتی و سیاسی ماہوار اردو رسالہ۔“ (حجم ۴۰)۔

(۱۶) المشاہدہ۔ سرگودھا۔ مرتبہ پادری کے ایل۔ ناصر۔ ”یونائیٹڈ پریسبیٹیرین کلیسائے پنجاب کا ماہوار رسالہ“، اگست ۱۹۴۶ء کا پرچہ انیسویں جلد کا پانچواں نمبر تھا۔ حجم۔ ص ۱۳۔

(۱۷) انھوت۔ لاہور۔ مرتبہ ایف۔ ایم۔ نجم الدین۔ ”احوت اندر اسیہ پنجاب کا ماہوار رسالہ“۔ یہ اجزائی تقطیع کے چار صفحات پر چھپتا تھا۔ جولائی اور اگست ۱۹۴۶ء کا مشترکہ پرچہ جو نجی لاہور میں ملا۔ اس کے صفحات کی تعداد بھی چار ہی تھی۔ یہ جلد ۱۹ کا نمبر ۲ تھا۔

اپنے وقت کے فیوضِ سدری میں اردو صحافت، مہذبہ، نہنگانی پر اسیر، بدایوں میں لکھتے ہیں کہ
 "شہزادہ کے بچکامہ میں یہ اخبار راجد ہو گیا۔" مگر دتاسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم
 حکم شہزادہ ایک برابر جاری رہا۔ وہ شہزادہ کے خطبے میں لکھتا ہے: "موصوف و ڈاکٹر لکھتے
 و ناپور سے شیر خواہ ہند، ناگری اور فارسی رسوم خط میں برابر شائع کر رہے ہیں" دتاسی^{۱۴۱}
 (۲۱) بامداد۔ بھنبی۔ یہ بھی کی مسمیٰ انیس کا رسالہ تھا جو ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا۔
 (دتاسی میں ۳۱۶)

۱۳۰۔ خیر خواہ ملق۔ اگر ۱۸۵۳ء سے جاری ہوا۔ مہنبے میں در مرتبہ نصف ایک ورق
 پر چھپتا تھا جس میں دو کالم ہوتے تھے دتاسی کا بیان ہے کہ یہ بالکل مذہبی قسم کا اخبار
 ہے۔ اس کا مقصد دین سن کی نشوونما و اشاعت ہے۔ (دتاسی میں ۳۷۸)

۱۳۱۔ نغزِ نیکوئی۔ الہ آباد۔ ماہوار۔ مرتبہ۔ یو۔ رٹ ہے۔ بے دانش۔ لائینی رسم خط
 میں جولائی ۱۸۵۳ء سے شائع ہونا شروع ہوا دتاسی میں ۱۲۵

۱۳۲۔ رسالہ۔ ۱۸۵۳ء قبل۔ یہ شہزادہ نے دلی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے اس کی
 رت ذیلیاتی بن لوں کے ہاتھ میں ہے۔ (دتاسی میں ۴۰۰)

۱۳۳۔ کوکبِ عیسوی۔ ۱۸۵۳ء سے جاری ہوا۔ دتاسی میں ۴۰۴

۱۳۴۔ حق تعالیٰ کا بیان۔ امدت۔ ۱۸۵۳ء سے جاری۔ یعنی رسالہ مرتبہ پوری دلی مدین ۱۸۵۳ء

۱۳۵۔ جوری کو۔ ۱۸۵۳ء سے جاری ہوا۔ دتاسی میں ۴۰۸

۱۳۶۔ اخبارِ روزگار۔ ۱۸۵۳ء سے جاری ہوا۔ دتاسی میں ۴۱۲

۱۳۷۔ جوری کو۔ ۱۸۵۳ء سے جاری ہوا۔ دتاسی میں ۴۱۶

۱۳۸۔ کوکبِ عیسوی۔ ۱۸۵۳ء سے جاری ہوا۔ دتاسی میں ۴۲۰

۱۳۹۔ اخبارِ روزگار۔ ۱۸۵۳ء سے جاری ہوا۔ دتاسی میں ۴۲۴

دیوسماج

(۱) سیتہ دیوسمواد۔ لاہور۔ ہفتہ وار۔ اس کا ذکر دیوسماج بک ڈپو، لاہور کی فہرست میں ہے۔

سکھ مذہب

(۱) پریم بلاس :- گوجرانوالہ۔ ماہوار۔ ”پوتھی سکھ منی صاحب“ جس کا ذکر سکھ مذہب کی کتابوں کے سلسلے میں آچکا ہے۔ اسی رسالے میں باقسط چھپتی تھی۔ کتاب کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے :-

”یہ ٹیکا ماہواری رسالہ پریم بلاس میں کئی سال سے مسلسل مضمون کے طور پر شائع ہوتا تھا۔“

بہائی مذہب

(۱) پیامبر۔ دہلی۔ ماہوار رسالہ۔ مرتبہ محفوظ الحق علمی۔ جلد ۷، ۲ بابت فروری ۱۹۴۶ء کے پرچے میں پہلا مضمون ”فرمان خداوندی“ کے عنوان سے حضرت بہار اللہ کی کتاب ”اقدس“ کے چند اقتباسات پیش کیے ہیں۔

عیسائی مذہب

(۱) خیرخواہ ہند۔ مرزاپور۔ مرتبہ پادری آر۔ سی۔ ماتھر۔ داسی نے اس کا ذکر اپنے چوتھے خطبے مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۵۳ء میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :- ”یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے اور اس کا مقصد تبلیغ مذہب ہے“، خطبات داسی ص ۳۴ ڈاکٹر ابواللیث عظیمی

۱۵۰۵ء اور ۱۵۰۶ء کی جلدیں۔ کتب خانہ آریہ مندر، علی گڑھ۔

۹۱۔ اندر۔ مابوار۔ مرتبہ دسویں پال جنوری تا دسمبر ۱۵۰۵ء کے متفرق پرپٹہ اور ۱۵۰۶ء کی مکمل جلد کتب خانہ آریہ مندر، علی گڑھ۔

(۹) آریہ مسافر میگزین۔ مابوار۔ مرتبہ فشی رام جلد سوم، اکتوبر ۱۵۰۵ء تا ستمبر ۱۵۰۶ء کتب خانہ آریہ مندر، علی گڑھ۔

۱۰۱۔ آریہ مسافر۔ مابوار۔ مرتبہ فشی رام ۱۵۰۲ء تا ۱۵۰۶ء۔ ۱۵۰۵ء اور ۱۵۰۶ء کی جلدیں۔ کتب خانہ آریہ مندر، علی گڑھ۔

۱۱۱۔ ریاض المصرا۔ مابوار۔ ہفتہ وار عبور اخبار۔ مرتبہ دوبار تھی۔ بی۔ اے۔ اس کا نمبر ۳۶۰۳۰ جلد ۱، باب ۲۰۔ ۲۷ اکتوبر ۱۵۰۵ء۔ ”شعبی نمبر“ کے نام سے شائع ہوا استاجیس کے تمام مضامین سماوی دیانند سہوادی سے متعلق تھے۔

۱۲۱۔ جاگرت۔ ہفتہ وار۔ مابوار۔ نمبر گیارہ۔ ۲۰ اکتوبر ۱۵۰۵ء، کاپی پرچہ جلد ۲۰۔ نمبر ۲۰۔

۱۳۱۔ پیرکاش۔ ہفتہ وار۔ بی۔ ایڈیٹ بمبئی۔ مابوار۔ جلد ۲۰ کا نمبر ۳۶۰۳۰۔ دیوانی نمبر کے نمبر ۲۰۔ اکتوبر ۱۵۰۵ء کو شائع ہوا تھا۔

۱۴۱۔ دیش بنگت۔ ہفتہ وار۔ مابوار۔ مرتبہ کجیاں چند۔ مس کی کیا۔ بیویں، نمبر ۲۰۔ اکتوبر ۱۵۰۵ء کے پرچہ میں کتب خانہ آریہ مندر پرپٹہ تھے۔

یہ سب نمبریں مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔

تیسری سیریز کی نمونہ

۱۵۱۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔ مابوار۔

برہموسماج

(۱) رسالہ برادر ہند۔ لاہور :- ”مرآۃ الدین“ جس کا ذکر برہموسماج کی کتابوں کے سلسلے میں آچکا ہے۔ پہلے اسی رسالے میں باقسط شائع ہوئی تھی، جیسا کہ کتاب کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) رسالہ دھرم جیون۔ لاہور :- یہ پہلے شاید ماہانہ تھا، جنوری ۱۸۸۷ء سے ہفتہ وار ہو گیا۔ اس میں ”روحانی اور سوشل زندگی“ کے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔
(بحوالہ فہرست کتب برہموسماج)

آریہ سماج

(۱) آریہ درپن :- یہ آریہ سماج کا پہلا تبلیغی رسالہ تھا۔

(۲) آریہ بھوشن :- شاہ جہاں پور

(۳) آریہ سماچار :- میرٹھ

(۴) دھرم پرکاش :- بکیرتھلہ

(۵) بلدیو پرکاش :- آگرہ

قاضی عبدالغفار صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سب پرچے ۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۰ء تک جاری ہو گئے تھے۔ (ڈنگار۔ ٹومیر نمبر ۱۹۳)۔ غالباً سب ماہوار رسالے تھے۔ آریہ سماچار کی جلدیں بابت ۱۸۸۵ء - ۱۸۸۶ء - ۱۸۸۷ء - ۱۸۸۸ء - ۱۸۸۹ء - ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۱ء - ۱۸۹۲ء - ۱۸۹۳ء - ۱۸۹۴ء - ۱۸۹۵ء - ۱۸۹۶ء - ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۰ء تک خانہ آریہ مندر، علی گڑھ میں موجود ہیں۔

(۶) آریہ گزٹ۔ فیروزپور۔ اس کی جلد بابت ۱۸۸۷ء آریہ مندر، علی گڑھ میں ہے۔

(۷) آریہ بندھو۔ میرٹھ۔ ماہانہ رسالہ ۱۸۹۸ء - ۱۸۹۹ء - ۱۹۰۰ء - ۱۹۰۱ء - ۱۹۰۲ء - ۱۹۰۳ء - ۱۹۰۴ء

میں تو جید کے معنی میں کمالاویز سلسلہ عام فہم غفلتوں میں روزمرہ فی وقتوں کی تشبیہ کے ساتھ بیان میں مشکل معنیوں کی تشبیہ کے ساتھ "یہ سنت سندیش سہ سلسلہ بانی ہے۔" (۱) اہل البیرونی (علی گڑھ)

(۸۱) رسالہ ست امرت بانی - مہر مابانہ مرتبہ شیوہ برت ال۔ اس رسالہ میں بھی تمام مضامین ایڈیٹ ہی کے ہوتے تھے جو بعد میں کتابی صورت میں شائع کر دئے جاتے تھے۔ اس سلسلے کی نو (۹) کتابوں کے نام رسالے کے آخر کی فہرست میں ملتے ہیں۔ اس بلحاظ اس رسالہ پر مبنی دیکھا نہیں ہے۔ (۱) اہل البیرونی (علی گڑھ)

(۸۲) رسالہ سنت سالک - مہر مابانہ مرتبہ شیوہ برت ال۔ اس میں بھی ایڈیٹ ہی کی مذہبی کتابیں باقیہ شائع ہوتی تھیں۔ جن پر اس کی جگہ دیکھنا شروع ۲۲ تا ۲۴ دینا سہلکت ال۔ بعد اس پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ذکر اور ایک اقتباس مہر مابانہ کی کتابوں کے ذیل میں آچکا ہے۔ (۱) اہل البیرونی (علی گڑھ)

(۸۳) رسالہ سدھو دی مابانہ مرتبہ شیوہ برت ال۔ اس میں بھی ہندیوں کی مذہبی کتابیں قسط و رشتہ بندی تھیں۔ لیکن سدھو کے سلسلے کی زبان اور کتابیں منشی سورج نارائن مہر دیوٹی کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں سے متعدد کتابوں کے اقتباسات متعلقہ ہیں دئے جاتے ہیں۔ اس میں ایڈیٹ کے دو مضامین بھی سلسلہ شائع ہوتے رہتے تھے جو بعد میں کے بعد کتاب کی شکل میں جمع کر دئے جاتے تھے۔ کتاب کی ان کیویرر کے مابین میں جو کتابیں مل سکتی ہیں کہ یہ ست - ۱۰ - ۱۱ کے مابین مل سکتے ہیں کہ یہ ۱۰ - ۱۱ کے مابین

یہ کتابیں مابانہ مرتبہ شیوہ برت ال۔

پرست دینی - ۱۰ - ۱۱ کے مابین مل سکتے ہیں کہ یہ ۱۰ - ۱۱ کے مابین
پرست دینی کے مابین مل سکتے ہیں کہ یہ ۱۰ - ۱۱ کے مابین
پرست دینی کے مابین مل سکتے ہیں کہ یہ ۱۰ - ۱۱ کے مابین

(۳) آپ حیات ہند: ۱۸۶۷ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے متعلق دتاسی نے لکھا ہے: ”یہ اگرہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے مدیر کا نام ہنسی دھر ہے جو اگرہ کے نارمل اسکول میں مدرس ہیں..... اس اخبار کے ہر صفحہ پر ایک خانہ میں اردو کے مضامین ہوتے ہیں اور اس کے برابر دوسرے خانہ میں وہی مضامین ہندی رسم خط میں ہوتے ہیں۔ ہندی کے حصے کا نام بھارت کھنڈ امرت ہے..... یہ اخبار ماہوار ہے اور حجم سولہ صفحے کا ہے۔ مطبع نورالعلم میں طبع ہوتا ہے۔“

(خطبات گارساں دتاسی۔ ص ۵۱۳)

(۴) دھرم پرکاش۔ اگرہ:- مرتبہ جوا لاپرشار۔ (خطبات گارساں دتاسی۔ ص ۷۸)

(۵) رسالہ وگیا نی۔ لاہور۔ ماہانہ۔ مرتبہ شیو برت لال۔ اس کے جون تا دسمبر ۱۹۱۷ء کے پرچے لاکل لائبریری علی گڑھ میں ملے۔ اس رسالے میں ہندو مذہب کی تعلیمات خصوصاً دیدانت، اپنشد اور یوگ پر ایڈیٹر کے مضامین عام فہم زبان میں ہوتے تھے جو بعد میں کتابی شکل میں شائع کر دئے جاتے تھے۔ چنانچہ وگیا نی کے سلسلے میں بیس کتابیں بالوشیو برت لال کے قلم سے اردو میں شائع ہو چکی ہیں جن کی فہرست اس رسالے کے بعض نمبروں میں درج ہے۔

(۶) رسالہ سنت سند لیش۔ لاہور۔ ماہانہ۔ مرتبہ شیو برت لال۔ یہ رسالہ بھی عارفانہ اور صوفیانہ مضامین پر مشتمل تھا۔ جو شروع سے آخر تک ایڈیٹر کے لکھے ہوئے ہوتے تھے۔ یہی مضامین بعد میں کتابی صورت میں شائع کر دئے جاتے تھے۔ چنانچہ سنت سند لیش کے سلسلے کی بھی بیس کتابیں اردو میں شائع ہو چکی ہیں جن کے نام فہرست میں درج ہیں۔ اسکی آٹھویں جلد کا پہلا نمبر (رسالے پر تاریخ اور سنہ درج نہیں) بولیک سند لیش کے نام سے منسوب ہے۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:-

”بزم عرفان کے اجلاس کا دلکش نظارہ۔ راز وحدت کی تلقین کا دلی پسند
اشارہ۔ اہل تصوف کے ساتھ دل چسپ مکالمہ۔ مجذوب کی بڑے سلسلہ

مذہبی اخبارات و رسائل

غیر اسلامی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے علاوہ جو اردو میں تالیف یا ترجمہ کی گئی ہیں مذہبی اخبارات و رسائل کی بھی ایسی خاصی تعداد اس زبان میں شائع ہوئی ہے۔ لیکن ان میں سے صرف چند مجھے مل سکے۔ نمبر ست، مندرجہ ذیل ان رسالوں اور اخبارات کی ہے جو مجھے دستیاب ہوئے یہ جن کو علامہ صفیات کیزشتہ کی مذہبی کتابوں میں ملتا ہے وہ جن کا ذکر گار رسائل نامی نے اپنے خیالات و مباحث دوسرے حصوں میں کیا ہے۔ ان کے اردو اخبارات کے سلسلے میں کیلئے۔ یہ نمبر ست پھر بہت بڑی نہیں ہے۔ لیکن اس قسم کے اور اخبارات و رسائل بھی اردو میں شائع ہوئے ہوں لیکن اتنی تعداد سے بھی زیادہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کے عروج و گزر مذہب و ان کے نمبر کے قبول و ممانعت میں اردو نے کتنی حصہ لیا ہے۔

ہندو مذہب

ہندو کیان پر کاشی ناتھ نے ہندو مذہب کی خبر کتابت میں جاری کی ہے۔ اس کا مرکزی منہ ہندو مذہب نے اپنے عقائد و رسوم میں کیا ہے۔ رسالہ ہندو مذہب کی خبرت میں عجیب و غریب کیے گئے ہیں۔ یہ کتابت یہ ہے کہ ہندو مذہب کی خبرت میں عجیب و غریب کیے گئے ہیں۔ یہ کتابت یہ ہے کہ ہندو مذہب کی خبرت میں عجیب و غریب کیے گئے ہیں۔

دوسرا شخص اس جرم کی جسارت نہ کرے۔

قصاص حقوق بشر کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے، انتقام لینے کے لئے نہیں، کیونکہ انتقام دل کی تسلی ہے جو بالمثل مقابلہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہ جائز نہیں۔ کیونکہ انسان انتقام کا حق نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے اگر مجرموں سے بالکل باز پرس نہ ہو تو دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے قصاص ہیئت اجتماعیہ کے لوازم ضروریہ میں سے ہے۔ مگر شخص مظلوم جس پر دست درازی کی گئی ہو بدلہ لینے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کے لئے معاف کرنا اور مہربانی کرنا لازم ہے، اور یہی انسان کی شان کے شایان ہے۔ مگر ہیئت اجتماعیہ کے لئے فرض ہے کہ وہ ظالم اور قاتل اور مارنے والے سے قصاص لے تاکہ آگے کے لئے ردک ٹوک ہو اور دوسرے ان جرائم کی جسارت نہ کریں۔

مگر اصل بات تو یہ ہے کہ لوگوں کی ایسی تربیت کی جائے کہ جرم واقع ہی نہ ہو، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک گروہ کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ ارتکاب جرم سے ایسا پرہیز کریں اور اس قدر نفرت کریں کہ ان کے نزدیک خود جرم ایک بہت بڑا دکھ اور سخت عذاب و قصاص ہو۔ اس لئے جرم واقع نہ ہوگا اور جب جرم واقع نہ ہوگا تو قصاص کے جاری کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ (ص ۱۷۳)

ہیں، مستقل نہیں۔ یہ نبی انبیائے مستقل سے فیض پاتے ہیں اور نبوت کلمہ کے
 نور ہدایت حاصل کستے ہیں۔ چاند کی مانند جو بذات خود روشن و ساطع
 نہیں، بلکہ آفتاب سے روشنی پاتا ہے۔ منظر ہر نبوت کلمہ جو بالا استقلال
 اس دنیا میں نمایاں ہوئے، ان میں سے حضرت براہیم
 حضرت موسیٰ، حضرت یسٰ، حضرت محمد، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل
 مبارک ہیں۔ دوسری قسم کے جو ثابت و مدّعی ہیں، ان میں سے حضرت
 سلیمان، داؤد، اشیعہ، ارمیا، حزقیال ہیں۔

انبیائے مستقل موسس تھے۔ یعنی انہوں نے ایک نئی شریعت
 کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کو ایک نئی خلق بنایا۔ انماق عیون کو بدل دیا اور ایک
 نئے طریقے اور نئی روش کو جاری کیا۔ ایک نیاز مانہ شروع ہوا اور ایک
 نئے دین نے شکل پکڑی۔ ان کا ظہور مؤہم بہار کی آیت ہے کہ سب کائنات
 زمین ایک نئی خلعت پہنتی اور ایک نئی زندگی پاتی ہے۔

دوسری قسم کے نبی جو تابع ہیں شریعت اللہ کو جاری کرتے ہیں۔ دین
 اللہ کو پھیلاتے اور کلمہ اللہ کو بلند کرتے ہیں۔ اپنی طاعت سے کلمہ کرنے کا
 انقیر نہیں رکھتے بلکہ انبیائے مستقل سے ہی حاصل کرتے اور ماہتاب کی
 مانند وہ دل پر نورانی پرواز کرتے ہیں۔ (ص ۱۰۸)

غزوات کے سلسلے میں ایک بحث ہو چکی تھی۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ "کیا ہے؟" "کیا ہے؟" "کیا ہے؟"
 مذاکرات کے سلسلے میں یہ سو فی صد گزرا ہے۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ یہ ہے۔
 دوسرے میں، تم کو یہ ہے۔ ایک قسم کا تہذیب ہے۔ دوسری قسم کا تہذیب ہے۔
 کوئی نہ اس سے متعلق نہیں رہتا۔ یہ ہے۔ یہ ہے۔ یہ ہے۔ یہ ہے۔ یہ ہے۔ یہ ہے۔
 یہ ہے کہ یہ ہے۔ یہ ہے کہ یہ ہے۔ یہ ہے کہ یہ ہے۔ یہ ہے کہ یہ ہے۔ یہ ہے کہ یہ ہے۔

مذاکرات کے سلسلے میں یہ سو فی صد گزرا ہے۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ یہ ہے۔

کریں تاکہ وہ محبوب ہمارے دلوں میں بے - یہ دن ایمان اور عمل کے دن ہیں
نہ کہ زبانی جمع خرچ کے - ہم کو خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہئے اور اس

زبردست دعوت سے مستفید ہونا چاہئے جو تیار کی گئی ہے (ص ۳۳-۳۵)

(۴) مفاد و ضامات عبدالبہار : ”گشتگو بر سر نہار - مرتبہ کلینور ڈبارنی امریکا نیہ - جس کا

ترجمہ اصل فارسی سے حسب امر مبارک محفل مقدس روحانی مرکزی ہندو برہما عباس علی بیٹ
بی۔ اے۔ بی۔ ای۔ ڈی۔ ایچ۔ پی نے کیا۔ محفل مقدس روحانی مرکزی ہندو برہمائے طبع کر کے
شائع کیا۔ ۱۹۳۷ء - مطبع کا نام درج نہیں۔ بڑی تقطیع ص ۱۹۵۔

یہ کتاب ایک امرکین بھائی خاتون کی تالیف ہے اور اصلاً ان سوالوں کے جوابات
کا ایک مرتب مجموعہ ہے جو خاتون مذکورہ نے دین بھائی اور مختلف روحانی مسائل پر کئی ملاقاتوں
میں عبدالبہار سے کئے تھے۔ ایک اقتباس جس میں انبیاء کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور حضرت
ہیارالند کو ایک مستقل نبی بتلایا گیا ہے جب ذیل ہے :-

۔ سوال :- انبیاء کی کتنی قسمیں ہیں ؟

۔ جواب :- انبیاء دو قسم کے ہیں۔ ایک بالاستقلال و مقبوع۔ دوسرے
غیر مستقل و تابع۔ انبیاء مستقلہ صاحب شریعت اور درجہ دید کے موص
ہوتے ہیں۔ ان کے ظہور سے دنیا ایک نیا چولہ بدلتی ہے، اور ایک نئے
دین کی بنیاد پڑتی ہے اور ایک نئی کتاب نازل ہوتی ہے۔ یہ انبیاء حقیقت
الوہیت سے بلا واسطہ فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کی نورانیت نورانیت
: ذاتی ہوتی ہے، بعینہ آفتاب کی مانند جو خود اپنی ذات سے روشن ہے۔ اس
کی روشنی اس کا ایک لزوم ذاتی ہے۔ کسی دوسرے سیارے یا ستارے
سے حاصل کی ہوئی نہیں۔ یہ مطالع صبح احدیت فیض کے سرچشمے اور ذات
حقیقت کے آئینے ہیں۔ دوسری قسم کے نبی تابع و مروج ہیں، کیونکہ فرع

اے فرزند انسان، جب خوشی میں آئے تو آپ سے باہر نہ ہوا اور مصیبت میں بے دل نہ ہوا کیونکہ یہ دونوں چیزیں گزرنے والی ہیں، دیر پا نہیں۔

اے مسافر، زبان میری ثنا کے لئے منموں ہے۔ اس کو تہمت اور
پہتان سے آلودہ نہ کرو۔ جب غمہ آئے تو اپنی غلیلیوں کو دیکھو اور میری مخلوق
کی عیب جوئی نہ کرو۔ کیونکہ ہر شتمیں دوسرے کی بہ نسبت اپنے حالات بہتر
چنتا ہے۔ (ص ۲۲-۲۳)

اے بندہ من، بہترین شہنشاہ ہے جو قوت بازو سے معاش حاصل کر کے اپنے خدا کی راہ میں اپنے حیران دہن اہل دنیا پر خرچ کرتا ہے۔
اے فرزند آدم، کسی دوسرے کے گناہ پر لب نہ کھول جب تک کہ تو خود گنہگار ہے۔ اگر تو اس حکم کی نافرمانی کرے گا تو مردود ہوگا۔ اور میں اس پر کبھی ہنسی نہیں دیتا۔ (ص ۲۰)

”انصائح حضرت عبداللہؑ“

مذہب الہی، رسنوہ دنیا کے ہر حصہ سے آرہی ہے کہ اسے فرزندِ آدم آؤ، میرے پاس آؤ۔ وہ دنیا سے ہوں میرے پاس آئیں اور وہ شیریں پانی نوش کریں، دنیا کے ہر حصہ پر رس رہا ہے۔ یہی وعدہ کا وقت ہے..... کیا باتیں منسوب ہے کہ تو سب سُستی و غفلت کے لہر میں پر پٹے مچلتے رہو جب کہ وہ پتھر کی سی گھٹنے، مدد کی تھوڑی سی درمیان آگیا اور چوٹی کی طرف تھک کے، اس کے کھسک رہا کہ اس پہلے لوگوں کی طرف نہ رہا پائے ہوئے، رسنے کے ہے کہ اس میں اس پہلے کے سے مدد تھوڑی بہت رہی تھی کہیں کہیں تھوڑی سی دیکھنا رہے ان میں تھوڑی سی کہیں کہیں، وہ پہلے لوگوں کو

(۳) لوح ابن ذکیب :- ”از کتب مقدسہ حضرت بہاء اللہ۔ اردو ترجمہ طابع و ناشر ادارہ کوکب ہند، دہلی۔ مطبوعہ حیدر برقی پریس، دہلی۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۲۰۔“
 حضرت بہاء اللہ نے الواح کے نام سے متعدد رسالے لکھے ہیں جو ہر ایسوں کے نزدیک الہامی صحیفے ہیں۔ یہ لوح ایک ایرانی عالم کے جواب میں لکھی تھی۔ اس کے دو اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-

”بعض بیانات جو الواح میں خاص طور پر اس جماعت کے لئے نازل ہوئے ہیں ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ سب لوگ نمایاں یقین کے ساتھ جان لیں کہ اس مظلوم نے وہ کام کیا ہے جو سب عقل مندوں اور مظاہر عقل و انصاف کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔“

اے خدا کے دوستو جو خدا کے شہروں میں رہتے ہو، اور اے خدا کے پیارو جو خدا کی بستیوں میں بستے ہو، یہ مظلوم تمہیں امانت اور دیانت کی نصیحت کرتا ہے۔ مبارک وہ بستی جو امانت و دیانت کی روشنیوں سے فائز ہے۔ انہی دونوں کے ذریعہ سے انسان کا درجہ بلند ہوتا ہے اور تمام عالم امکان کے باشندوں پر اطمینان کا دروازہ کھلتا ہے۔ مبارک وہ انسان جو دونوں کو مضبوط تھامتا ہے اور ان کی شان کو پچھتا ہے۔ اور اس پر افسوس جو ان دونوں کے مقام سے منکر ہے۔ اور دوسرے مقام پر یہ کلمات نازل ہوئے ہیں۔ ہم خدا کے بندوں کو اور اس کی کینوں کو عصمت اور تقویٰ کا حکم دیتے ہیں تاکہ وہ خواہش نفسانی کے خواب غفلت سے بیدار ہوں اور خداوند خالق ارض و سما کی جانب متوجہ ہوں اسی طرح ہم نے بندوں کو اس وقت حکم دیا تھا جب کہ نیر آفاق، افاق و آفاق سے جلوہ گر ہوا تھا۔“ (ص ۱۷)

کوئی صاف خط نہیں کھینچا جاسکتا۔“ (ص ۶۹)

(۲) باب الیحات :- ”یعنی ترجمہ مقالہ سیاح جس کو ایک ایرانی سیاح نے حضرت بہاء اللہ اور حضرت بابؑ اسمہما کے حالات زندگی اور فرقہ بہائیہ کے مختصر واقعات اور تعلیمات کے متعلق فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اور جس کا ترجمہ جناب سید معطف صاحب روحی نے اردو میں کیا۔“ شائع کردہ انجمن بہائیہ رنگون۔ مطبوعہ نول کشور پریس، لاہور ۱۹۶۶ء۔ ص ۲۱۸۔

”بایبیت“ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے :-

”جب انھوں نے (بابؑ نے) مذہبی دعوت شروع کی تو سب سے پہلے بایبیت کا اظہار کیا۔ لفظ بایبیت سے ان کی مراد یہ تھی کہ میں ایک ایسے حلیل القدر شخص کے فیض پہنچانے کا ذریعہ ہوں جو دنیا میں موجود ہیں، لیکن ان کے وجود سے لوگ ابھی ناواقف ہیں، اور ان کے کمالات غیر متناہی ہیں، میری حرکات و سکنات ان کے ارادہ کے تابع ہیں اور میں ان کی محبت میں جکڑا ہوا ہوں۔ بابؑ نے اپنی پہلی کتاب میں جو سورہ یوسف کی تفسیر لکھی ہے ہر جگہ انہی غائب شخص کو جن سے وہ فیض یاب تھے مخاطب کیا ہے، اور اپنے کام کے آغاز اور مدستی کے لئے انہی سے مدد طلب کی ہے، اور انہی کی راہ میں اپنی جان فدا کرنے کی آرزو اور تمنا کا اظہار کیا ہے..... اسی طرح انھوں نے آیات قرآن کی شرح و تفسیر اور عربی زبان کے خطبے اور مناجاتیں بہت سی تالیف کی ہیں، اور ان تمام تالیفات میں لوگوں کو اسی شخص غائب کے ظہور کے انتظار کا شوق دلایا ہے۔ انھوں نے ان تالیفات کو الہامی صحیفوں اور کلام قطری کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ فرشتہ کے ذریعے سے اپنے اور روحی آئرنے کا انھوں نے دعویٰ بالکل نہیں کیا۔“ (ص ۳، ۴)

”من لظہرہ اللہ“ بخدا کے قریب ایک باغ میں خیمہ لگانا پڑا یہ باغ نجیب پاشا کا باغ کہلاتا تھا اور آپ بارہ دن تک یہاں فروکش رہے۔ ان بارہ ایام (۲۱ اپریل سے ۲ مئی ۱۸۶۲ء) تک یعنی حضرت باب کے اعلان سے ۱۹ سال بعد کے پہلے دن آپ نے اپنے چند چیدہ احباب کو یہ خوشخبری سنائی کہ آپ ہی وہ ”من لظہرہ اللہ“ ہیں جس کی آمد کی خوشخبری حضرت باب نے دی تھی اور جو تمام انبیاء کا موعود ہے۔ جس باغ میں یہ اعلان کیا گیا وہ بہائیوں میں باغ رضواں کے نام سے مشہور ہوا اور ان بارہ دنوں میں وہ ایک عید مناتے ہیں جس کا نام عید رضواں ہے۔“ (ص ۴۹)

”بہاء اللہ کا مقام“ آپ کے کلمات دوسرے مظاہر الہی کے کلمات کی طرح دو قسموں میں منقسم کیے جاسکتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن میں آپ ایک انسان کی طرح کلام فرماتے ہیں جو خدا کی طرف سے اپنے بنی نوع کو پیغام دینے کے لئے

آیا ہے۔ دوسرے وہ کلمات جن سے مترشح ہوتا ہے کہ خود خدا بول رہا ہے۔“ (ص ۶۳)
 ”حضرت بہاء اللہ کی کتابوں میں یہ کلام دفعۃً ایک مقام سے دوسرے مقام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ابھی تو ایک انسان کلام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ابھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود کلام کر رہا ہے۔“

مقام بشریت سے کلام فرماتے ہوئے بھی بہاء اللہ اس طرح کلام فرماتے ہیں جس طرح خدا کا فرستادہ کلام کرتا ہے اور لوگوں کو رضائے الہی کے سامنے کامل تسلیم کا زندہ نمونہ بن کر دکھائے۔ آپ کی تمام زندگی روح القدس سے معمور تھی۔ اس لئے آپ کی زندگی اور تعلیمات میں بشری دائی عنصر کے درمیان

رشتہ دار حکومت کے مختلف صیغہائے رسول اور ملٹری میں معزز عہدوں پر
ممتاز تھے..... ۱۸۴۳ء میں جب حضرت باب نے اعلان فرمایا
تو اس وقت حضرت بہار اللہ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ اعلان حضرت باب
کی آواز سنتے ہی حضرت بہار اللہ نے اس نئے امر کو لبیک کہا اور فوراً
ہی آپ اس نئے دین کے بے خوف اور طاقتور مبلغین میں گنے جانے
لگے۔

آپ اس امر کی خاطر دو دفعہ قید اور کوڑے کی ضرب اٹھا چکے
تھے کہ اگست ۱۸۴۷ء میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے یابیوں پر
بلاؤں کا ایک ایسا طوفان برپا کیا کہ ہر ایک بابی کی جان خطرے
میں پڑ گئی۔

صادق نام ایک نوجوان جو خود بھی بابی تھا اور جس کا آقا بھی
بابی تھا۔ اپنے آقا کے عذاب شہادت کو دیکھ کر ایسا متاثر ہوا کہ بدلے
کے جوش میں بھر کر اس نے شاہ ایران پر حملہ کر دیا..... مگر شاہ
کے مصاحبین نے فوراً اُسے پکڑ لیا اور وہیں ٹھکڑے ٹھکڑے کر دیا۔
بے انصاف بادشاہ نے تمام بابیوں کی جماعت کو اس کا ملزم ٹھہرایا
اور نہایت بے رحمانہ قتل عام کا حکم دیا۔ اسی بابی تو اسی وقت طہرن
میں انواع و اقسام کی اذیتیں دے دے کر شہید کر دئے گئے۔ بہتوں کو
پکڑ کر قید خانوں میں ڈالا۔ ان قیدیوں میں حضرت بہار اللہ بھی تھے۔ “ص ۱۴۱، ۱۴۲
اس کے بعد حضرت بہار اللہ کے بغداد بھیجے جانے کا بیان ہے۔ بغداد ہی
میں انھوں نے اپنی بعثت کا اعلان کیا۔

ہے اور مرنے کے بعد خدا کی بادشاہت اور ہمیشہ کی زندگی میں داخل ہوتا ہے
 دوزخ سے مراد خدا کے عرفان سے نردوم رہنا اور اس طرح خدائی کمالات کو
 حاصل نہ کر سکن اور فناء ابدی کو کچھ بیٹھنا ہے۔ آپ نے واضح طور سے
 فرمایا کہ ان اصطلاحات کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں۔ لوگوں کے
 درمیان مادی جسم سے اٹھنے اور مادی بہشت و دوزخ کے بارے میں جو خیالات
 پھیلے ہوئے ہیں وہ سب دجہل کے شوشے ہیں۔ آپ نے تسلیم دی کہ انسان
 کے لئے موت کے بعد ایک زندگی ہے، اور اس زندگی میں مدارج کمالات
 لا محدود و لامتناہی ہیں۔

سفر باب اپنے کلام میں اپنے پیروں کو نصیحت کرتے ہیں
 کہ وہ بزرگوارانہ محبت و الفت میں دوسروں سے ممتاز ہوں، مفید صنعت
 و حرفت سیکھی جائے، ابتدائی تعلیم عام کر دی جائے۔ اس نے اذہیب
 دھرمی عورتوں کو کامل آزادی دی جائے گی۔ غریب و مساکین کو ایک
 خزانہ عامہ سے گزاریا جائے گا۔ بھیک مانگنا نہایت سختی سے
 حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح مسکرات کے استعمال کو بھی ایسی ہی سختی سے
 حرام قرار دیا جائے۔ (ص ۳۷-۳۸)

حضرت بہاء اللہ ”میرزا حسین علی جوہر میں بہاء اللہ کے لقب

سب سے معروف ہوئے۔ میرزا عباس نوری کے سب سے بڑے بیٹے تھے میرزا
 عباس حکومت ایران کے ایک وزیر تھے۔ حضرت بہاء اللہ ۱۲ نومبر ۱۸۴۷ء
 مطابق ۲ محرم ۱۲۳۷ھ ہجری کو مہم مہدی کے وقت ایران کے دارالسلطنت
 طهران میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بہت دولت مند اور آپ کے متعدد

کے سامنے سب سے پہلے حضرت بابائے اپنے مشن کا اعلان کیا.....
 علمائے شیعہ نے نہایت تشدد سے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی
 اور فارس جنوبی ایران کے متعصب اور ظالم حاکم حسین خاں کو اس نئی
 چیز کے دبانے پر آمادہ کیا۔ اس وقت سے حضرت باب کے لئے قید اور
 جلا وطنی، عدالتوں میں ذلیل جرح و قدرح کا مقابلہ، تازیانوں کی سزائیں
 اور ایسے ہی دکھ اور مصائب کا سلسلہ شروع ہوا جو آخر کار ۱۸۵۷ء
 میں آپ کی شہادت پر ختم ہوا، (ع ۲۸-۳۱)

۵ حضرت باب کو یوحنا بپتسمہ دینے والے سے تشبیہ دی گئی ہے
 مگر ان کا مقام صرف بشری کا نہیں وہ بذات خود ایک منظر الہی بھی تھے، اور
 انھوں نے ایک مستقل شہریت عطا کی، اگرچہ اس کا دور چند سال ہی رہا
 اہل بہا کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت باب اور حضرت بہار اللہ دونوں مل کر
 یہاں کی امر کے بانی تھے.....

حضرت باب کی تعالیم کا ایک اہم حصہ قیامت اور بہشت و دوزخ
 کی اصلیت و اصطلاحات کی تشریح ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قیامت سے
 مراد آفتاب حقیقت کا تازہ ظہور ہے۔ مردوں کے زندہ کرنے کا مطلب
 قبور جہالت و غفلت و نفسانیت میں دبے ہوؤں کو روحانی زندگی عطا
 کرنا ہے۔ قیامت کا دن نئے ظہور کا دن ہے جس کے دین کے رد و قبول
 سے بھیڑیں، بکریوں سے علیحدہ کی جاتی ہیں، کیونکہ بھیڑیں اپنے اچھے گڈے
 کی آواز کو پہچانتی ہیں اور اس کی پیروی کرتی ہیں۔ بہشت سے مراد خدا کو
 جیسا کہ وہ اپنے ظہور کے ذریعے ظاہر ہو پہچاننے اور اس سے محبت کرنے
 کی خوشی ہے، جس کے سبب ہر شخص حسب استعداد کمالات حاصل کرتا

بڑی خوشخبری کا اعلان کر رہی ہے کہ یہ مربی اعظم فی الواقع ظاہر ہو گیا ہے اور اس پر وحی آسمانی کا نزول ہوا جو کتاب کی صورت میں موجود ہے، جسے ہر طالب صادق پڑھ سکتا ہے..... (ص ۱۲-۱۳)

حضرت بہار اللہ نے بار بار صاف طور سے فرمایا ہے کہ آپ تمام دین کے لوگوں کے وہ معلم و مربی ہیں جس کی آمد کی دنیا ایک مدت سے منتظر تھی، اس فضل اینزدی کا دریعہ ہیں جو پہلے کے سب فیوض سے بالا و برتر ہے، جس میں پہلے سب ادیان اسی طرح مل جائیں گے جس طرح دریا سمندر میں مل جاتے ہیں۔ آپ نے ایک ایسی بنیاد ڈالی ہے جو تمام دنیا میں اتحاد قائم کر دے گی اور زمین میں ایک شاندار امن اور لوگوں کے درمیان آشتی پیدا کرنے والی ہوگی، جس کے بارہ میں انبیاء نے پیشین گوئیاں کیں اور جسے شاعروں نے اپنے اشعار میں نظم کیا ہے۔ (ص ۱۸)

”حضرت باب بلشمر“ | سید علی محمد جو بعد میں باب کے لقب

سے مشہور ہوئے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء مطابق یکم محرم ۱۲۳۵ھ ہجری کو جنوبی ایران کے شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ آپ خاندان سادات میں سے تھے..... جب پچیس سال کے ہوئے تو آپ نے خدا کے حکم کے مطابق اعلان کیا کہ بزرگ و برتر خدا نے اپنے کو باب کے مقام کے لئے برگزیدہ کیا ہے.....

ان ایام میں یہ عقیدہ کہ خدائی پیغمبر کا اچانک ہونے والا ظہور نزدیک ہے۔ اگرچہ عام طور پر پھیلا ہوا تھا مگر فرقہ شیخیہ میں خاص طور پر اس کا چرچا تھا۔ اسی فرقہ کے ایک نہایت مشہور عالم ملا حسین بشیروی

ہے۔ اس کتاب میں باب، بہاء اللہ اور عبدالبہاء کے تاریخی حالات اور دین بہائی کی تعلیمات تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ بعض مقامات جن سے بہائی مذہب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-

بشارت ”جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جب کبھی لوگوں میں روحانی کمزوری کے آثار نمایاں ہوئے

اور ان کے اخلاق بگڑ گئے تو وہ مجیر العقول اور پراسرار ہستی یعنی پیغمبر ظاہر ہوتا ہے..... ان یانیاں ادیان کی نسبتی بزرگی کے بارہ میں ہمارے خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ لوگ ذرائع تربیت انسانی میں ایک نہایت طاقتور عنصر ہوتے ہیں۔ یہ سب ایٹیا، بیک آواز فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ یہ ہمارے واسطے سے خدائی وحی اور آسمانی پیغام ہے ہم صرف اس کے لئے دالے ہیں۔ ان ایٹیا، کا جس قدر کلام اس وقت موجود ہے اس میں ایک معلم و مربی عالم کے ظاہر ہونے کے بے شمار وعدے اور اشارے پائے جاتے ہیں، کہ وقت کے پورا ہونے پر یہ تمام دینا کا مربی ظاہر ہوگا اور ان کے کام کو پورا کرے گا اور اسے تکمیل تک پہنچائے گا۔ وہ دنیا میں امن و عدل کی سلطنت قائم کرے گا اور دنیا کے تمام مذہبوں اور قوموں اور نسلوں کو ایک خاندان بنا دے گا، تاکہ صرف ایک گلہ اور ایک ہی اس کا گلہ بان ہو، اور سب ادنیٰ و اعلیٰ خدا کی معرفت حاصل کریں۔

آخری ایام میں اس مربی عالم انسانی کی آمد یقیناً تاریخ کا ایک نہایت ہی اہم ترین واقعہ ہونا چاہئے۔ تحریک بہائی دنیا میں اس

تعلیم مذہب کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتی ہے بچوں کو جبر یہ تعلیم دی جائے۔ اگر ان کے والدین نہیں ہیں تو اہل جماعت ان کی خبر گیری کریں۔

(۱۰) حل اقتصادیات :- پہلے پیغمبروں کی کسی کتاب میں اقتصادی مسئلہ کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔ لیکن حضرت بہار اللہ کی تعلیمات میں اس کا حل موجود ہے۔ کچھ احکام نازل کیے گئے ہیں جو تمام انسانوں کی بہتری اور بہبودی کے فیصل ہیں جس طرح دولت مند فارغ البالی کے ساتھ راحت و آرام سے رہتا ہے، غریب آدمی کو بھی رہنے کو گھر اور کھانے کو غذا ملنی چاہئے وہ کبھی بھوک اور حاجت کا شکار نہ ہو.....

(۱۱) عالمگیر زبان :- ایک بین الاقوامی معاون زبان اختیار کی جائے گی جو دنیا کے ہر حصے میں رائج ہوگی۔ تمام اقوام کی ایک کمیٹی ہونی چاہئے جو کہ ایسی مناسب زبان تجویز کرے جو بین الاقوامی خیالات کے اظہار کا باعث ہو اور دنیا کے ہر اسکول میں پڑھائی جائے تاکہ ہر شخص کو صرف دو زبانوں کی ضرورت رہے، ایک مادری زبان، دوسری عالمگیر زبان۔

(۱۲) بیت العدل عمومی :- قدرت الہی کے زیر سایہ اور عام انسانوں کی نگرانی میں ایک بیت العدل عمومی قائم ہوگا۔ اس بیت العدل کے فیصلوں کو ہر شخص کو ماننا پڑے گا۔ اس طرح قوم کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔۔۔۔۔ (ص ۱۰-۱۹)

”محفل ملی بہائیان ہندو برہما“ نے اپنے مذہب و اخلاق کی متعدد کتابیں اردو میں شائع کی ہیں۔ ان میں سے جو مجھے دستیاب ہو سکیں وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) بہار اللہ و عصر جدید :- مولفہ جے۔ ای۔ ایسٹمنٹ۔ مترجمہ عباس علی برٹ کمال پرنٹنگ ورکس دہلی۔ بار دوم ۱۹۴۹ء۔ ص ۳۷۲۔

دین بہائی کا آغاز تو ایران میں ہوا، لیکن اس کے اصول انگلستان اور امریکہ کے بعض حلقوں میں بھی قبول کر لئے گئے۔ چنانچہ اس کتاب کا مولف بھی ایک انگریز ہے جو اس دین کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بہائی ہو گیا تھا، جیسا کہ کتاب کے دیباچہ طبع اول سے ظاہر ہوتا

آپ کی مسلسل عروفیت، انترک منت و کوشش اور اعلیٰ حکمت کے ذریعہ
سے ندائے الہی رفتہ رفتہ مگر مضبوط طور سے دنیا کے ہر حصہ میں پہنچ گئی موجود
زمانہ میں ولی ام اللہ حضرت عبداللہؑ کے نواسے حضرت شوق افندی کے
ذریعہ سے اب اہل بہاؤ کا اتحاد اور حضرت بہا اللہؑ کی تعلیمات پرورش
پارہی میں حضرت بہا اللہؑ کی تعلیم دو پاک روت ہے جو انسان کو حیات
جدید بخشتی ہے۔ (ص ۱۰۰)

اس کے بعد رسالہ نکور میں "امر بہائی کی بارہ اصولی تعلیمات" درج ہیں جو حسب
ذیل ہیں:-

"یہ تعلیمات اب سے اسی (۸۰) سال قبل حضرت بہا اللہؑ نے پیش کیں اور آپ کی اس
زمانہ کی شائع شدہ کتب مقدمہ میں موجود ہیں۔

(۱) وحدت عالم الانسانی۔ حضرت بہا اللہؑ فرماتے ہیں کہ اے اہل عالم تم ایک درخت
کے پتے اور ایک ہی باغ کے پھل ہو۔ یعنی دنیا ایک درخت کی مانند ہے مختلف قومیں اور
جماعتیں اس کی متعدد اور بہت سی شاخیں ہیں۔ پہلے ادیان میں دنیا کو دو حصوں میں تقسیم
کر دیا جاتا تھا ایک اہل کتاب یا "شجرہ طیبہ" دوسرے "شجرہ خبیثہ" یعنی دنیا کے نصف
لوگ بے دین اور کافر سمجھے جاتے تھے۔ آدھے لوگ تو خدا کی رمت کے حقدار سمجھے جاتے تھے
اور آدھے خدا کے غضب کا شکار خیال کئے جاتے تھے۔ لیکن آج کوئی فرق نہیں ہے کسی
کو ایک دوسرے کو کافر سمجھنے کا حق حاصل نہیں.....

(۲) تحریر حقیقت بآزادی:- یعنی ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ مذہب کی تحقیقات
کرنی چاہئے۔ اپنے آبا و اجداد کی اندھا دھند تقلید نہ کرنی چاہئے، بلکہ اپنے کانوں سے
سننا، آنکھوں سے دیکھنا، اور اپنے دماغ سے کام لیکر تلاثر حق کرنا چاہئے، کیونکہ آبا و اجداد
کے اعتقادات کی بنیاد تقلید ہی پر مبنی ہے۔

اساس پر امام مبارک کی بنیاد حضرت بہاء اللہ نے رکھی جنہوں نے تمام دنیا کے لئے انفرادی اور اجتماعی حیات جدید کے اصول و قوانین ایسے ظلم و ستم کے حالات میں نازل فرمائے جو کسی دین کی تاریخ میں نہیں پائے جاتے۔

حضرت بہاء اللہ نے مشرق و مغرب کو خوش خبری دی کہ روح القدس شہر انسانیت کو دوبارہ سخت ضرورت کے وقت تازگی بخشنے کے لئے پھر ظاہر ہوا ہے۔ بہائی بندے، اخوت، امن عامہ اور معرفت الہی کا دور عظیم شروع ہو گیا ہے۔ انہوں نے ہر شخص کو ان خدائی تعلیمات میں حصہ لینے کے لئے دعوت دی جو ان پر نازل ہو رہی تھیں۔ تمام مخالف طاقتوں نے امر اللہ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ چنانچہ حضرت بہاء اللہ اور ان کے چند وفادار پیروؤں کو طہران میں قید کر لیا گیا، ان کی جائیداد اور حقوق ضبط کر لئے گئے۔ اس کے بعد بغداد، قسطنطنیہ، اڈریا نوپل، جلاوطن کر کے بھیجا گیا اور آخر مشرق میں عک کے مقام پر ایک اجڑے ہوئے جیل خانہ میں جو ترکی کے خونی اور سنگین قیدی رکھنے کی جگہ تھا۔ اور کوہ کرمل کی دادی میں واقع ہو جس دوام کی سزا دی گئی۔ حضرت بہاء اللہ کے سب سے بڑے فرزند ابید حضرت عبداللہ باؤنچین ہی سے اپنے والد کے مصائب میں بہ رضا و رغبت شریک رہے اور قید خانہ عک میں چالیس سال قید رہے، اور بالآخر ۱۹۰۵ء میں ترکی انقلاب کے بعد نوجوان ترکوں نے جو اتحاد انسانی کے حامی تھے ان کو رہائی دلائی۔

حضرت بہاء اللہ نے ۱۸۹۳ء میں معذور فرمایا اور حضرت عبداللہ امام بہائی کے مقررہ رہنما اور مفسر ہوئے اور رہائی پانے کے بعد ۱۹۲۱ء یعنی اپنے زمانہ معذور تک مفسر اور رہنما کی حیثیت سے خدمت ادا کرتے رہے۔ چنانچہ

بہائی مذہب

بہائی مذہب نے ایک مختصر رسالہ ”تے دن کا طلوع“ میں ”خلاصہ امر بہائی“ کیوں بیان کیا گیا ہے۔

سو برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا کہ مشرق و مغرب مادیت کی تاریکی اور بے دینی سے نکلنے کے لئے یکساں جدوجہد کر رہے تھے، امر بہائی ایم جید کے اٹل دعوے کے ساتھ اگلا۔ ۲۲ مئی ۱۸۴۸ء کو سید علی محمد باب نامی جوان اسلام میں قائم آل محمد و مہدی کہلاتے میں ایک نورانی ایرانی نوجوان اپنے پیغام کی اشاعت کے لئے کھڑا ہوا، اور اس زبردست معلم الہی کے آئے کی بشارت دی جو دلوں کو زندہ و دماغوں کو روشن، خیالات کو متحد، اور دنیاوی رسوم کو متحد کرے گا۔ مصائب کی بارش میں پچھ سال تک بہادرانہ استقلال سے تینے و تیرے میں مصروف رہنے کے بعد حضرت باب، مسلمانوں کے تعصب و استبداد کا شکار ہوئے۔ یعنی ۷ جولائی ۱۸۵۰ء کو تیرے میں عوام کے سامنے شہید کر دئے گئے۔ اس

لئے ”دن کا طلوع“ شائع کردہ بہائی پبلشنگ کمپنی، دہلی مطبوعہ لکشمی پرنٹنگ ورکس کراچی۔

(بقیہ حاشیہ سلسلہ گزشتہ)

سنا اور اچھا جانا اور اپنی سمجھ سے ان کو پہچانا ہو۔ مگر ان پر عمل کرنے کے ارادہ سے ان کو گرہ میں نہ باندھا اور نہ اس کی عقل نے ان کو اپنا بنالیا ہو۔ اور جو بیخ کڑا گئے اور پھیلنے کو ہوئے مگر کانٹوں نے ان کو سر اٹھانے نہ دیا۔ وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو سننے والے نے گرہ میں باندھ رکھا اور عقل نے ان کو سمجھا بھی، مگر جب ان پر عمل کرنے کا وقت آیا جو ان کا پھل ہے اس وقت نفسانی خواہشوں نے ان کو دبا کر ضائع کر دیا اور جو دانے پاک و صاف زمین میں پہونچے اور محفوظ رہ کر پھولے پھیلے اور پروان چڑھے وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو عقل و بینائی نے پسند اور کانوں نے قبول کیا اور دل نے محفوظ رکھا اور ارادہ نے ان کو تکمیل کو پہنچایا۔ یعنی نفسانی خواہشوں کو اکھاڑ پھینکنے اور خیر خیالات سے قلب کو پاک کرنے کا کام ان سے لیا،

(یوسف دبلوہر، اردو ترجمہ مولوی سید عبدالغنی صاحب، مطبع شمس، حیدرآباد دکن۔

ص ۳۴-۳۵)

شبیچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

زندگی مثالی حکایات کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ بوذا سف، بدھ کی عربی شکل ہے اور بلوہر اس جوگی کا نام ہے جس کی عارفانہ تلقین سے بدھ نے شہزادگی کے عیش و آرام کو چھوڑ کر غربت اور سبکدوشی کی زندگی اختیار کی تھی؟ بوذا سف و بلوہر کی عبارت جس میں یسوع بونے والے کی مثال بیان ہوئی ہے۔ مندرجہ ذیل ہے :-

”یسوع بونے اور اگنے کی مثال“

”بلوہر نے کہا کہ سب سے اچھا علم وہ ہے جو خدا نے پاک کو سچا کرنے اور اچھے کام کرنے کی راہ بتائے۔ اس لئے میں جو کچھ تجھ سے بیان کرتا ہوں اس کو کچھ کسان منہ پر صبر لیکر دل کے لئے نکلتا ہے اور مٹی بھر کر کھیت میں بھرتا ہے ان میں سے کچھ تو کھیت کی مینڈوں پر گرتے ہیں جو بہت جلد چڑیوں کا رزق ہوتے ہیں اور کچھ ایسے پتھر پر گرتے ہیں جس پر تھوڑی سی مٹی اور کسی قدر نمی ہوتی ہے۔ یہ دانے اگتے تو ہیں مگر جب ان کی جڑیں پتھر تک پہنچتی ہیں تو سوکھ جاتے ہیں اور کچھ پر خار زمین پر گرتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں بائیں نکلتی ہیں اور پھلنے کو آتی ہیں تو کانٹے ان کی گردنیں دبا کر سکھا ڈالتا اور فلاح کر دیتے ہیں۔ اور ان میں سے تھوڑے اچھے پاک و صاف زمین پر گرتے ہیں جو محفوظ رہ کر نشوونما پاتے اور بخوبی پر دان چڑھتے ہیں اس کی تشریح یہ ہے کہ کسان تو حکمت جاننے والے ہیں اور عمدہ دانے ان کے پسند و نفاق میں اور وہ دانے جو مینڈوں پر گرتے اور جن کو چڑیاں چگ جلتی ہیں وہ سمجھتے ہیں جو کانوں ہی تک پہنچ کر رہ جاتی اور دل تک نہیں پہنچتی ہیں اور جو دانے پتھر کی مناک مٹی پر گر کر اگے نہیں اور بعد میں ان کی جڑیں پتھر پر پہنچ کر سوکھ جاتی ہیں۔ وہ، وہ باتیں ہیں جن کو کسی شخص نے مبی لگا کر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے چند ایک تبدیلیوں کے ساتھ اردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔
ایک اقتباس حسب ذیل ہے۔

”خدا یسوع مسیح کی کچھ مثالیں۔

”بیج بونے والے کی مثال۔

”یسوع اکثر مثالیں سنایا کرتا تھا۔ مثالیں وہ کہانیاں ہوتی ہیں جن کا مطلب چھپا ہوتا ہے۔ اس نے بیج بونے کی ایک مثال دی اور کہا کہ ایک بیج بونے والا بیج بونے نکلا، اور بونے وقت کچھ راہ کے کنارے گرا اور پاؤں کے نیچے رگڑا گیا اور ہوا کے پرندوں نے آکر اُسے چمک لیا اور کچھ تھیر والی زمین پر گرا اور اگا، مگر گیلانہ ہونے کی وجہ سے سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا، اور جھاڑیوں نے ساتھ ساتھ بڑھ کر اُسے دبایا۔ اور کچھ اچھی زمین پر گرا، اور اس نے آگ کے سوکھتا پھل دیا۔

اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ بیج خدا کا کلام ہے جو راہ کے کنارے گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ سنتے تو ہیں پر کام میں نہیں لاتے۔ اور جو تھیر والی زمین پر گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ تھوڑی دیر تک تو مان لیتے ہیں لیکن پھر حلیہ بھول جاتے ہیں۔ اور جو جھاڑیوں میں گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ مان لیتے ہیں۔ مگر دنیا کے فکر یا دولت کے سبب سے اس پر قائم نہیں رہتے اور جو اچھی زمین میں گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ مان لیتے ہیں اور نیک دل میں سمجھالے رہتے اور صبر سے پھل لاتے ہیں۔“

عہ بالکل ہی مثال کتاب ”بذو اسف و بلوہر“ میں ملتی ہے۔ یہ سنسکرت کی ان قدیم کتابوں میں سے ہے جن کا ترجمہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں عربی میں ہوا تھا۔ اس میں گوتم بدھ کے حالات (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے وہاں سے جانے نکال لو۔ یا کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ آئیں تجھ کو روٹی دوں
ہرگز نہیں۔ آج تک کسی نے نہ کبھی یہ دیکھا نہ کبھی یہ سنا ہے کہ تھر کسی سے
بولا ہو یا کسی کو کچھ دیا ہو۔

بت پرستی بڑی بے جا بات ہے۔ عبادت اور پرستش صرف خدا کا حق
ہے۔ وہ ہر وقت ہماری دعا کو سنتا ہے اور ہماری ہر حال میں مدد کرتا ہے۔

(ص ۶۲-۶۵)

(۱۳) خطوط بنام طفلان خرد: ”یعنی خطوط چھوٹے لڑکوں کے لئے ان کے باپ کی طرف
سے جن کو جیمس بار نے بس نے واسطے فائدہ طلبا اسٹڈے اسکول کے زبان انگریزی سے
اردو میں ترجمہ کیا۔“

مطبوعہ مٹھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس۔ لکھنؤ ۱۸۸۶ء۔ ص ۶۷۔

(۱۴) ہدایت اطفال:۔ شائع کردہ مٹھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ۔ دسواں
ایڈیشن ۱۹۰۱ء۔ ص ۵۲

یہ نظم و نشر میں اخلاقی اور مذہبی مضامین کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔

(۱۵) شکر کہانیاں:۔ حصہ اول۔ از پادری رحمت مسیح صاحب واعظ۔ مطبوعہ امرت
الیکٹریک پریس، لاہور ۱۹۳۳ء۔ ص ۴۰۔ چھوٹی تقطیع۔

اس کتاب میں اخلاقی سبق کہانیوں کے پیرائے میں دئے گئے ہیں۔ یہ کہانیاں
انجیل کی روایتوں پر مبنی ہیں۔

(۱۶) ہمارا خدا ہمارے ساتھ:۔ مطبوعہ مشعل پریس، کھرڑ قلعہ اینالہ بار دوم
۱۹۳۲ء۔ ص ۴۸۔

”یہ کتاب مس آر۔ ای۔ رابنسن صاحبہ کی انگریزی کتاب دی چیلڈرنز لائف آف کرسمس

کو مذہب و اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً اردو ریڈروں کا مندرجہ ذیل سلسلہ :-

(۱۰) اردو کی پہلی کتاب :- شائع کردہ پنجاب ریلویس ایک سوسائٹی، لاہور، مطبوعہ مفید عام پریس، لاہور۔ ص ۴۵۔

اس میں پہلے حروف تہجی دئے گئے ہیں پھر حرفوں کے ملانے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے جملے ہیں انہی میں موقع موقع سے مسیحی تعلیمات درج ہیں جیسے :-
” سب کے ساتھ نرمی سے کلام کرو۔ ماں باپ کی خدمت کرو اور ان کے تابع رہو۔ غریب کا دل ہاتھ میں لانا لازم ہے۔۔۔۔۔۔ بدی سے باز آ اور نیکی کا پیچھا کر۔ بدی کے عوض کسی سے بدی نہ کرو۔۔۔۔۔۔ جو تھوڑا بولتا ہے وہ تھوڑا کالٹے گا۔ جو بہت بولتا ہے وہ بہت کالٹے گا۔“ (ص ۴۴)

(۱۱) اردو کی دوسری کتاب :- مطبوعہ انڈین کرسچین پریس، الہ آباد، ۱۹۰۷ء ص ۹۶۔
اس کتاب میں بہتر سبق ہیں جو اخلاقی نصائح، عام معلومات اور مسیحی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔

(۱۲) اردو کی تیسری کتاب :- شائع کردہ پنجاب ریلویس ایک سوسائٹی لاہور، امریکن مشن پریس، لودیانا۔ بار سوم، ۱۸۹۶ء جیبی تقطیع۔ ص ۲۴۰۔

اس میں بھی عام معلومات کے مضامین کے علاوہ مذہبی اور اخلاقی تعلیمات شامل ہیں مثلاً ستائیسویں سبق میں ”بت پرستی کا بیان“ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔
” یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کسی لڑکے کو بھوک لگے تو وہ روٹی مانگے کو کس کے پاس جائے گا۔ اگر وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے پاس نہ جائے تو کیا اس کو روٹی ملے گی۔ یا اگر ان کے پاس جانے کے بدلے وہ کسی پتھر سے روٹی مانگے تو کیا روٹی پائے گا۔ کیا پتھر اس کو کچھ دے سکے گا کیا وہ اس کی بات سن سکے گا، یا اس سے یہ کہہ سکے گا کہ فلاں جگہ روٹی رکھی

(۷) بائبل کے تدریجی سبقوں کی دوسری کتاب :- مصنفہ پادری اے سی کلیٹن صاحب
 شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی، الز آباد، انڈین پریس، الز آباد ۱۹۳۶ء ص ۳۷۲
 ”اس کتاب کے پانچ مقاصد

۱۔ بچے کی یادداشت کو کمائیوں کے ذریعے سے تازہ کرنا۔

۲۔ کہانیوں کے ذریعے سے بچے کو محسوس کرنا کہ خدا ہمارا آسمانی باپ ایک حقیقی اور شخصی خدا ہے جو ہم میں سے ہر ایک کی حفاظت کرتا ہے اور ہر ایک کو پیار کرتا ہے۔

۳۔ بچوں کو اس امر کے معادہ کرنے میں معاونت کرنا کہ یسوع مسیح کس طرح نیکی کرتا تھا۔

۴۔ بچوں میں خواہش پیدا کرنا کہ چونکہ یسوع مسیح رحم دل اور مہربان ہے اس لئے ان پر غرض ہے کہ وہ اس کی تلاش اس کی شناسائی حاصل کرنے کی غرض سے کریں اور اس کی مبارک معنی پڑھیں۔

۵۔ بچوں کو اس امر کے معلوم کرنے میں مدد دینا کہ خدا ہمارا آسمانی باپ یسوع مسیح کے ذریعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم وہ راستہ جانیں جس پر وہ ہمیں چلانا چاہتا ہے، اور اس لئے ہم اس کے نقش پا پڑھیں۔“
 (اقتباس از دیباچہ)

(۸) بائبل کے تدریجی سبقوں کی تیسری کتاب :- مصنفہ پادری اے سی کلیٹن صاحب کرسچین لٹریچر سوسائٹی، الز آباد مطبوعہ انڈین پریس، الز آباد ۱۹۳۶ء ص ۳۱۸۔

(۹) بائبل کے تدریجی سبقوں کی چوتھی کتاب :- مصنفہ پادری اے سی کلیٹن صاحب کرسچین لٹریچر سوسائٹی، الز آباد مطبوعہ مشن پریس، الز آباد ۱۹۳۶ء ص ۳۴۰۔
 عیسائیوں نے درسی کتابوں کے ذریعے سے بھی جو اسکولوں میں پڑھائی جاتی تھیں بچوں

گھر، ضلع انبالہ - ص ۱۱۲۔

”خداوند نے کیا کہا

”مبارک ہیں وہ جو دل کے عزیز ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی۔
”مبارک ہیں وہ جو غم گین ہیں، کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں، کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔

مبارک ہیں وہ جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے

مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں، کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں، کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے

مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔“ (ص ۷۹)

(۵) پولس کی زندگی :- مولفہ یادری جلال الدین صاحب۔ مشعل پریس، گھر، ضلع

انبالہ۔ ۱۹۴۲ء۔ ص ۱۰۰۔

(۶) مرقس کی انجیل پر سوالات :- شائع کردہ امریکن ٹریکٹ سوسائٹی، مطبوعہ

مشن ایٹیم پریس، لودیانا۔ ۱۹۱۵ء۔ ص ۴۶۔

یہ کتاب سوالات کے پرانے میں لکھی گئی ہے۔ ان سوالوں کے جواب نہیں دے

گئے ہیں بلکہ ہر سوال کے بعد انجیل کی اُس آیت کا نمبر دے دیا گیا ہے۔ جس میں اس کا

جواب مل سکتا ہے۔ مثلاً پہلے باب کے شروع کا ایک ٹکڑا حسب ذیل ہے :-

”۱۔ جب مسیح دینا میں ظاہر ہوا تو اس سے کچھ دن پہلے کون پیغمبر آیا ؟ (۴)

۲۔ پچھلے پیغمبروں کی معرفت خدا نے یوحنا کے آئینے کی خبر دی تھی ؟ (۳۲)

۳۔ یوحنا کہاں ظاہر ہوا ؟ (۴)

۴۔ بیابان میں وہ کیا کرتا تھا ؟ (۴)

۵) کہاں کہاں کے لوگ اس کے پاس جمع ہوتے تھے ؟ (۵)“ (ص ۱)۔

جب میرے باپ نے یہ بات سنی تو وہ مجھے چپ چاپ سے تسربانی
چڑھانے کے لئے لے گیا۔ تو خدا کا فرشتہ آیا اور میں بچ گیا۔ تباؤ میں
کون ہوں؟“ (ص ۲)

”میرا باپ مشہور تھا۔ وہ مجھے بہت پیار کرتا تھا۔ میں اپنے اوپر فخر کرتا تھا
کیوں کہ میں بہت خوبصورت تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میں اپنے باپ کی جگہ
بادشاہ ہو جاؤں۔ جب لوگ میرے باپ کے پاس انصاف کے لئے
آتے تھے تو میں ان کو اپنی طرف کر لیتا تھا۔ جس چیز پر میں فخر کرتا تھا
اُسی سے میری موت ہوئی۔ تباؤ میرا نام کیا تھا؟“ (ص ۱۶)

”میری پیدائش بیت اللحم میں ہوئی۔ گڈرے اور مجوسی مجھے دیکھنے آئے
بعد میں ناصربہ میں رہتا تھا۔ وہاں کے پہاڑوں کے پھولوں کو بہت
پسند کرتا تھا۔ میں گھنگاروں اور لٹکوں کا دوست تھا۔ میرا دنیا میں
پیدا ہونا بہت مبارک ہوا۔ پکو تباؤ میں کون ہوں؟“ (ص ۳۰)

(۲) ملک الحجت :- مولانا مس سہی۔ ای۔ پیڈوک۔ پنجاب ریلجنس بک سوسائٹی

پریس، لاہور۔ ۱۹۳۶ء ص ۱۵۴۔

یہ کتاب ایک انگریز خاتون نے لکھی ہے جس کا ترجمہ ہندوستانی بچوں کے لئے
اردو زبان میں کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات کہانیوں کے پیرائے
میں بیان کئے گئے ہیں۔ خط جلی ہے اور زبان سلیس، مگر بچوں کے لئے پھر بھی کسی قدر
مشکل ہے۔

(۳) واقعات بزرگان بائبل :- شائع کردہ پنجاب ریلجنس بک سوسائٹی، لاہور

مسیحی پریس، لاہور۔ ۱۹۳۲ء ص ۲۳۔

(۴) یسوع مسیح کی زندگی :- مولفہ پادری جلال الدین صاحب۔ مشعل پریس،

گناہوں کے داغوں کو دھوتا ہی ہر دم ترا کیا مبارک مقدس لہو ہے
 ازل سے رہا اور اب تک رہے گا میان دو عالم فقط تو ہی تو ہے
 ہر اک شے میں ہر رنگ اعجاز پیدا ہر اک جاترے نخل قدرت کی بو ہے
 گناہوں سے گویا جڑہ دل ہے میلا لہو تیرا کافی پے سُشت و شو ہے
 کرم بندہ زار پر کر مسیحا مرا حال تجھ پر عیاں موبو ہے

(۱۳) سیالکوٹ کنونشن گیت کی کتاب :- پنجاب ویلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ بار سوم، ۱۹۳۵ء۔ ص ۱۷۶۔

اس میں اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کی نظمیں شامل ہیں۔

(۱۴) راحت دل :- از پادری رحمت مسیح داعظ۔ پنجاب ویلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ تیسرا ہواں ایڈیشن ۱۹۳۹ء۔ ص ۲۱۴۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں پنجابی گیت اور غزلیں ہیں، دوسرے میں ہندوستانی گیت اور غزلیں۔

بچوں کی کتابیں
 (۱) بائبل کے لڑکے :- شائع کردہ مٹھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس۔ لکھنؤ۔ ۱۹۳۳ء۔ ص ۳۱۔

یہ چھوٹی قیطع کی چھوٹی سی کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ مختلف نبیوں کے مختصر حالات ایک ایک صفحے میں لکھ کر سامنے کے صفحے پر اُس نبی کی تصویر بھی دے دی گئی ہے۔ بچوں کی رعایت سے عبارت سلی خط میں ہے۔ چند مکھڑے بطور نمونہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

”میرے ماں باپ کے پاس او لادنہ تھی۔ بہت عرصہ کے بعد جب میں پیدا ہوا میرے ماں باپ کو بہت خوشی ہوئی۔ وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دن خدانے میرے باپ سے کہا کہ وہ مجھے قربان کرے۔“

یہ کایک عالم بالا پہ آہ غم تشیں پہونچی
حضورِ رشتا ہزادہ عرض حاجت کو زمیں پہونچی

یہ عالم دیکھ کر آنکھوں سے آنسو ہو گئے جاری
نہ لپچھو کچھ جبرقت قلب نازک پہونچی طاری
فرشتوں سے کہا مخلوق کی ہر شرط علمِ خداری
گناہوں کی بخاست سے نوشتہ ہر زمیں ساری
تباہی مجھ سے اب دیکھی نہیں جاتی ہے دنیا کی
ہوئی حالت درگروں غم سے قاب نہ شکلیا کی
(ص ۱۲-۱۳)

اُتر کر پھر نضائے عرش سے وہ آنے والا ہے
ہیں خلد بریں کو ساتھ پھر لیجانے والا ہے
جال پاک اپنا ہم کو پھر دکھلانے والا ہے
دلوں میں شعلہ نور ازل چمکانے والا ہے
حجاب شوق حائل گوا بھی شاگر ہے دوری سے

شرف پھر بخشنے والا ہے وہ ہم کو حضورِ ری سے (ص ۲۳)
(۱۰) سبداور غزلیں :- مولفہ پادری ای۔ پی۔ نیوٹن صاحب۔ شائع کردہ امرکن
ٹریکٹ سوسائٹی۔ مشن ایٹم پریس، لودیانا۔ بار سوم، ۱۹۲۰ء۔ ص ۷۰۔
یہ اردو غزلوں اور پنجابی نظموں کا مجموعہ ہے جن میں مسیحی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔
(۱۱) مجموعہ غزلیات :- شائع کردہ نار تھ انڈیا کرسمین ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی
الہ آباد۔ مطبوعہ مشن پریس، الہ آباد۔ اٹھارہواں ایڈیشن ۱۹۳۶ء۔ ص ۲۳۔
غزلوں کے اس مجموعے میں بھی مسیحیت کی تبلیغ کی گئی ہے۔

(۱۲) بھجن سنگر :- ہندی بھجنوں (مخط فارسی) اور اردو غزلوں کا مجموعہ۔ مطبوعہ
انڈین پریس، الہ آباد۔ پندرہواں ایڈیشن ۱۹۳۶ء۔ ص ۳۲۔

غزل ۴۵

مجھے اے مسیح تری جستجو ہے
ترا ذکر پہ دل تری گفتگو ہے

سیددوران، امام المتقین مقتدائے اولین و آخرین
رہنمائے گمراہان راہ دین پیشوائے صالحین و صادقین

بادشاہ انبیا و مرسلین
جلد آ، درج رسالت جلد آ

(۷) نیک سامری :- از پادری رحمت مسیح صاحب واعظ۔ گیلانی الکراک پریس، لاہور
۱۹۲۶ء۔ ص ۱۵۔

(۸) قتل یوحنا :- از پادری رحمت مسیح صاحب واعظ۔ پنجاب ریجنس بک سوسائٹی
پریس، لاہور۔ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۱۔

(۹) عزیز الوطن شاہزادہ :- منظرہ پیارے لال صاحب شاہزادہ میرٹھی۔ گیلانی الکراک
پریس، لاہور۔ ۱۹۳۶ء۔ جیبی تقطیع۔ ص ۲۳۔

جناب شاہزادہ ایک مشہور اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ اس مسدس میں انھوں نے دکھایا
ہے کہ دنیا پر جب گناہوں کا اندھیرا چھا جاتا ہے اور نور ایمان کا فور ہو جاتا ہے تو عالم بالا
کا شاہزادہ (یسوع مسیح) اپنے وطن کے عیش و عشرت کو چھوڑ کر نزول اجلال فرماتا ہے
اور اس ظلمت کدے کو پھر اپنے انوار تجلیات سے منور کر دیتا ہے۔ نمونہ کلام کے لئے
چند بند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

کہوں کیا آہ تجھ سے ایک دن کا واقعہ ہدم کہ شیرازہ زمیں کا ایک بیک ہونے لگا برہم
دلوں پر لوش عیساں کا یکا یک چھا گیا عالم اُجڑ کر بزم شادی بن گئی دم میں صف ماتم
زمیں پر چھا گئی ظلمت کچھ ایسا انقلاب آیا
فروغ نورایماں کا گہن میں آفتاب آیا

گناہوں کا ہوا کچھ ایسا ہنگامہ بپا آخر سرا سیمہ نظر آنے لگی خلق خدا آخر
سحاب معصیت میں مہر ایصال چھپ گیا آخر زمیں کے دل سے تیناک نکلی اک صد آخر

میں پڑھی گئی۔

(۳) ذکر مصلوب :- از منشی کیدار ناتھ منت۔ گیلانی الیکٹریک پریس، لاہور ۱۹۲۸ء ص ۵۔
اس مسدس کے دو بند یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

جب کہ مصلوب اسے کرتے تھے جلاذشتی مرد شاگرد تو موجود نہ تھے نام کو بھی
عورتیں آٹھی تھیں کچھ ہمت مردانہ جو تھی نالہ کرتی تھیں اور اشکوں سے بہاتی تھیں ندی

قبروں کے سوتے دئے چونک پڑے جاگ اُٹھے

شہر محشر تھا پیا شہر کے رخ بجاگ اُٹھے

کر یا کام جڑائی کا جو حدادوں نے باقی شدت نہ کوئی رہنے دی شدادوں نے

کر لی بیداد جو کر سکتے تھے بیدادوں نے پھر عیلب اس کی کھڑی گاڑی جلاادوں نے

آداب دیکھ لو تصویر مجسم غم کی

سانپ نے کاٹ لی ایٹری پسر آدم کی (ص ۴۴)

(۴) جج کا فرض :- ایک اخلاقی قصہ منظر منشی کیدار ناتھ منت :- واشنگٹن پرنٹنگ پریس

لاہور ۱۹۲۹ء ص ۱۲۔

(۵) ستم ہا مان :- ”یعنی فریب شیطان“ از منشی کیدار ناتھ منت۔ واشنگٹن پرنٹنگ

پریس، لاہور ۱۹۲۹ء ص ۲۰۔

(۶) فریاد منتظر :- ”یعنی خداوند مسیح کی آمد ثانی پر ایک دل گداز نظم“ از مولوی صفدر

علی صاحب صفدر۔ گیلانی الیکٹریک پریس، لاہور ۱۹۲۶ء ص ۱۵۔

”اے خداوند کی آمد اول کی یادگار اور آمد ثانی کا انتظار“

جلد آ، مادہ کرامت جلد آ جلد آ، مہر صداقت جلد آ

کالمے کشتی ہی نہیں قربت کی رات جلد آ، اے صبح و صلت جلد آ

موت کے سایہ میں ہم بیٹھے ہیں سب

جلد آ، نور و قیامت جلد آ

پروفیسر موصوف کے دوسرے رسائل حسب ذیل ہیں۔

- (۴۱) مذہب میں اختیار و اقتدار کا درجہ ضخامت ص ۱۹
 (۴۲) مذہب اور امن و صلح ۱۶ " "
 (۴۳) مذہب اور دعا ۱۱ " "
 (۴۴) مذہب میں عقل کا درجہ ۱۷ " "
 (۴۵) مذہب اور معاشرتی مسائل ۱۶ " "
 (۴۶) مذہب میں منہج قدرت ۱۷ " "
 (۴۷) مذہب و سائنس ۱۵ " "
 (۴۸) مذہب کا معیار ۲۲ " "
 (۴۹) خودداری ۱۸ " "
 (۵۰) حریت ۱۶ " "

جو رسائل مجھے دستیاب نہیں ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔

”خدا کون ہے؟“ ”مذہب کیا ہے؟“ ”ابتدائے مذہب“ ”گناہ کیا ہے؟“ ”خدا پر ایمان رکھنا کیا ہے؟“

منظومات

(۱) نظم الفرائیس: زیور کا منظوم ترجمہ۔ مترجم کا نام درج نہیں۔ مطبوعہ مشن اسٹیم پریس لودیانہ۔ ۱۹۱۵ء۔ ص ۳۰۴۔

زیور جیسی بلند پایہ کتاب کا یہ منظوم ترجمہ نہایت غیر شاعرانہ ہے۔ مترجم کا عجربیان ایک ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) زمزمہ تبلیغ: از منشی کیدار ناتھ منت۔ ۱۹۲۹ء۔ ص ۱۶۔

”یہ نظم اخوت اندر اسیہ پنجاب کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور“

خوف سے پیش نہیں کئے جاتے۔ صرف ایک رسالہ ”مذہب اور اخلاق“ کا آخری ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

”خداوند یسوع مسیح نے ایمان اور اخلاق کے باہمی تعلق کو بڑی خوبی اور ہنماہریت کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ ”جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی طرح ٹھہرے گا جس نے پٹان پر اپنا گھر بنایا، اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکڑیں لگیں، لیکن وہ نہ گرا، کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی۔ اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بیوقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا، اور مینہ برسا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا۔“

مسیح کے نزدیک ایمان بغیر عمل یا اخلاق کے بے معنی ہے، اور اعمال یا اخلاق بغیر ایمان کے ناممکن لیکن سچ پوچھے تو انسان کی سیرت گناہ کی وجہ سے جو ”اس کے اندر بسا ہوا ہے“ ایسی گھجپٹکی ہو کہ اس کے لئے نیک اخلاق ناممکن ہیں۔ خداوند یسوع مسیح کے فرمان کے مطابق ”برادرت اچھا پھل نہیں لاسکتا۔“ لیکن جب ہم اس حقیقی انگور کے درخت میں جو مسیح خود ہے پیوند ہو جاتے ہیں اور اس کی زندگی

اور طبیعت ہم میں آجاتی ہے تو ہم اوصاف حمیدہ اور اخلاق

پسندیدہ کے اہل بن جاتے ہیں اور انجیل کی اصطلاح کے مطابق ایک نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ نئی زندگی صرف مسیح پر ایمان لانے

سے مل سکتی ہے۔“ (ص ۲۱)

ضمیمہ اور رائے صاحب دیدے اس کو فی الفور جہاں خسانی اور مستعدی سے
انجام دو۔ پہلو تہی کرنے کی رغبت کو دل کے اندر داخل ہونے سے روکو۔
”تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی عام اخلاقی کمزوری کی کیا وجہ ہے؟
اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں، اپنے آرام و آسائش
اور لوگوں کی واہ واکا زیادہ خیال کرتے ہیں۔ مگر وہ خدا کا ذرا بھی خیال
نہیں کرتے۔“ (ص ۴۹-۵۰)

(۳۹) بائبل کے مجازی الفاظ:- مرتبہ ریلو رنڈ قاتنی خیر اللہ صاحب۔ گیلانی الیکٹک
پریس، لاہور۔ ۱۹۲۲ء۔ ص ۲۲۔

اس رسالے میں تدریت اور انجیل کے مجازی الفاظ حروف تہجی کی ترتیب سے دلج
کر کے ان کے مفہوم لکھے ہیں، مثلاً:-

اژدہا:- (۱) خطرہ (مزمور ۹۱) (۲) ابلیس (مکا ۱۳)

اژدہا دریاؤ:- مصر۔ مصر کا بادشاہ (یسعیا ۲۷)

چہرہ:- (۱) رضامندی (مزمور ۱۲۴) (۲) بیدنیوں کی سخت دلی (یرمیا ۱۷)

چھڑی:- حفاظت و ہدایت (مزمور ۱۲۴)

شہر:- قوم۔ اُمت۔ بلیسیا (متی ۱۷)

صنوبر:- ممتاز شخص (یسعیا ۶۱) (۲) دزکریا (۱۱)

(۴۰) مذہب اور اخلاق:- ان پروفیسر لطفی لیوونیاں۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی
پریس، لاہور۔ ۱۹۳۶ء۔ ص ۲۱۔

پروفیسر لطفی لیوونیاں بیروت کے ایک مشہور مسیحی عالم ہیں۔ ان کے سولہ چھوٹے
چھوٹے رسالے پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور، نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کئے ہیں
ان میں سے گیارہ مجھے مل سکے جن کی فہرست ذیل میں درج ہے۔ اقتباسات طوالت کے

(۱۱) خلا (۲) سورۃ سج (۳) پاک روت (۴) گناہ (۵) نجات کی شرط
(۶) نجات (۷) تقدیر (۸) خدا کی یا آسمان کی بادشاہت (۹) دعا -
(۱۰) دنیا - (۱۱) نجات (۱۲) آئندہ زندگی ۔

(۳۶) انجیلی اخلاق کا معاشرتی اطلاق :- منصفہ پادری فریڈرک اسپنسلیم لے
مطبوعہ پنجاب رلیجس ایک سوسائٹی پریس، لاہور، ۱۹۳۲ء۔ ص ۱۶ -
اس مختصر رسالے میں دکھایا ہے کہ موجودہ زمانے میں بھی انجیل کی تعلیم معاشرت کی
موج رہنمائی کر سکتی ہے ۔

(۳۷) چھوٹا منیہ بڑی بات :- ہاتھ، کان، آنکھ اور زبان کا دلچسپ منظرہ "بشل کرڈ
پنجاب رلیجس ایک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ پنجاب رلیجس ایک سوسائٹی پریس، لاہور، بارچم
۱۹۳۲ء۔ ص ۱۳ -

اس منظرے میں ہر ذوق اپنی برتری کے ثبوت میں انجیل کا کوئی قول پیش کرتا ہے۔
(۳۸) اصلاح اخلاقی :- منصفہ ڈاکٹر جان مرڈک صاحب شائع کردہ کیمین اسٹیج
سوسائٹی نار انڈیا۔ مشن اسٹیم پریس، لاہور، ۱۹۳۲ء۔ ص ۶۰ -
اس کتاب میں ہندوستانیوں کی اصلاح کے لئے اخلاق کے مختلف پہلوؤں سے
بحث کی گئی ہے، مشابہ۔

۱۰ اخلاقی دلییری کیونکر حاصل ہوتا ہے ۔

اپنی عادت ایسی بناؤ کہ دوسروں کے دست نگر نہ بنو بلکہ اپنے لئے خود
مفصلہ کرو۔ ہر ایک ٹالی سوال کو خوب سوچ سمجھ کر طے کرو۔ اگر ممکن ہو دوشلی
نتیجہ پر پہنچ کر عزم بالجزم کرو۔ جب کوئی آزمائش سامنے آئے تو پختہ
انادہ سے نہیں کرو۔ اور جب جان نثاری کا فرض تمہارے سامنے
آئے تو مستقل مزاجی سے ہاں کہو جس کام کے جواز کی پیردائی تمہارا

لکھی گئی ہے جو صاحب موصوف نے امریکہ کے طلبہ کو دئے تھے، ”شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور۔ نول کشور پریس، لاہور۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۱۵۵۔

(۳۱) حیات المسیح :- مولفہ پادری طالب الدین صاحب۔ مسیحی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۲ء۔ ص ۲۲۱۔

(۳۲) مذہب کی نسبت ایک بحث :- از ڈیو۔ ایف۔ جانسن صاحب، ڈی، ڈی، شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مسیحی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۳ء۔ ص ۳۱۔
اس مختصر رسالے میں مصنف نے عیسائی مذہب قبول کرنے کے فائدے بیان کئے ہیں۔ بحثہ ایک مسیحی داعظ اور ہندوستانی دیہاتی کے درمیان مکالمے کی صورت میں ہے۔

(۳۳) حقیقی دوست :- مولف کا نام درج نہیں۔ شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور۔ مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ بار سوم، ۱۹۳۶ء۔ ص ۹۶۔
”اس چھوٹی سی کتاب میں مسیح یسوع ناصری کی زندگی کے خاص واقعات سیدھے سادہ الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اقتصار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کتاب اناجیل میں سے بعض منتخب کردہ حصوں کا مجموعہ ہے،“ (از دیباچہ)

(۳۴) مسرف بیٹا (ڈرامہ) :- از پادری بالاسنگھ چندر۔ مطبوعہ کوآپریٹیو کیٹل پرنٹنگ پریس، لاہور۔ بار دوم، ۱۹۳۹ء۔ ص ۴۸۔

(۳۵) انجیل مقدس کے جدیدہ مضامین مع حوالجات۔ شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ بار دوم، ۱۹۳۸ء۔ ص ۲۱۔
”اس رسالہ میں انجیل کے بارہ ضروری مضامین کا ذکر کیا گیا ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔“

اس رسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اس امر کو جانچیں اور تحقیقات کریں کہ جو بیان ان کتابوں میں مندرج ہے وہ تواریخی طور

پر قابل اعتبار ہے..... (ص ۱-۲)

(۲۹۱) تعلیم المسیح :- یعنی اناجیل اربعہ کے مطابق خداوند کی تعلیم کے خاص اصول،
مولفہ رائٹ ریورنڈ ڈاکٹر ڈارسی صاحب، لارڈ بشپ آف کلورہ۔ مترجمہ ڈاکٹر آئی۔ یو۔
ناصر صاحب۔ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور۔ سن ۱۹۵۷ء۔ ص ۱۴۸۔

”کفارہ کی نسبت ہمارے خداوند کی تعلیم کا خلاصہ

”ہمارے خداوند کی تعلیم میں کفارہ سے مراد اس نجات سے ہے جو انسان مسیح کی موت کے ذریعہ گناہ سے حاصل کرتا ہے۔ یہ گناہوں کی معافی جو مسیح کی موت اور خون بہانے سے ملتی ہے۔ یہ محبت کا اظہار ہے کیونکہ محبت اپنے آپ کو اس قربانی سے بڑھ کر ظاہر نہیں کر سکتی جس سے انسان اپنی جان اپنے دوستوں کے لئے قربان کر دیتا ہے یہ ہے جان کو کھونا تاکہ اس کو دوبارہ حاصل کیا جائے۔ یہ ہے گہروں کا دانہ جو مرنے کے بعد زمین میں گر جاتا ہے اور موت کے ذریعے بہت سا پھل لاتا ہے (یوحنا ۱۲: ۲۴)۔ یہ مسیح کی زندگی کے بھاری مدعا کی پوری تکمیل کے لئے ایک ضروری قدم ہے۔ وہ اس لئے ظاہر ہوا کہ ابلیس کے کاموں کو مٹائے (یوحنا ۳: ۸) اور راست باری اور محبت کی بادشاہت ہمیشہ کے لئے قائم کرے، اور یہ مدعا فقط کفار

ہی کے فدیے سے پورا ہو سکتا تھا۔“ (ص ۱۲۴)

(۳۰) تحقیق بائبل :- یعنی بائبل کس طرح پیدا ہوئی اور اس کی خاصیت کیا ہے،
جو اسکاٹ لینڈ کے نامور پروفیسر ڈاکٹر صاحب ڈی۔ ڈی کے اُن مشہور لکچروں سے تیار

علی بخش صاحب۔ نول کشور پریس، لاہور۔ ۱۹۰۹ء۔ ص ۱۶۰۔

”ہمد جدید کا بیان

”نئے ہمد نامہ کا بیان کرنے میں ہم دو باتوں کو یاد رکھیں۔

(الف) اس جلد میں ایک ہی مصنف کی ایک ہی تصنیف نہیں بلکہ مختلف مصنفوں کی مختلف تصنیفات ہیں، اور اس میں ایک ہی گواہ کی شہادت نہیں بلکہ بہت گواہوں کی، اور وہ الگ الگ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ مثلاً چاروں اناجیل مسیح کی زندگی کے علیحدہ علیحدہ بیان ہیں۔ ان کا باہمی مقابلہ کرنے سے واقعات کی صحت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح اگر اعمال کی کتاب کے بیانات کو پولوس رسول کے خطوں سے مقابلہ کریں تو ان کی پوری موافقت ظاہر ہوگی۔ یہ جلد نو مصنفوں کی تصنیفات کا مجموعہ ہے، لیکن تعلیمات کی بڑی بڑی باتوں میں وہ سب یکساں ہیں

(ب) الہام کا مسئلہ یہاں خاص طور پر زیر بحث نہیں، کیونکہ اگر بالفرض یہ کتابیں الہامی ثابت نہ ہوں، لیکن جن واقعات کا بیان ان میں قلم بند ہوا ہے وہ تواریخی طور پر ثابت ہو جائیں تو کبھی سچی دین قابل اقباط نہیں گاہے چنانچہ اگر مسیح کی زندگی ایسی ہی پاک گزری جیسا کہ چاروں انجیلوں میں مندرج ہے۔ اور وہ فی الواقعہ مردوں سے جی اٹھا تو اس کے ابنِ مائید ہونے کا دعویٰ کافی طور پر ثابت ہے۔ اس امر کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ سچی ہونے کے لئے ان واقعات پر ایمان لانا ضرور ہے نہ کہ کتابوں کے الہام پر، کیونکہ انسان کی نجات مسیح کی موت اور اس کے جی اٹھنے پر موقوف ہے نہ کہ کسی کتاب پر۔

لاہور۔ سنہ ۱۹۰۵ء۔ ص ۲۱۲۔

آفتاب اس از تمہید حمدا دل :-

”معنا میں کے اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ کئی عقیدے کے بارے میں جو شہادت انسان کے اخلاقی ذات یا طبیعت سے ملتی ہے اس کو ظاہر کرے اور اس میں ایسے لوگوں کے اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو اخلاق کے اعلیٰ فرض کو تو ملتے ہیں لیکن اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ کئی دین سے کوئی خاص مدد اخلاقی امور میں مل سکتی ہے۔ اس لئے مصنف نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ہم گو حق اور ناحق کی پہچان حاصل ہے، اور پھر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہچان یا حق و ناحق کی تمیز جو ہمیں حاصل ہے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ روحانی جہان اور شخص خدا کے ساتھ ہمارا رشتہ ہے اور ہم میں روحانی تقاضے پائے جاتے ہیں۔ سچیموں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ روحانی تقاضے سوائے کسی دین کے پورے نہیں ہو سکتے۔ ساتھ ہی مصنف ان تالیفوں کو دور کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے جو مسیحی تعلیم کے بارے میں پائی جاتی ہیں، اور وہ ظاہر کرتا ہے کہ مسیحی تعلیم انسانی تمیز اور تجربے کے مطابق ہے۔“

(۲۶) بریساہ کی سوانح شہری اور تعلیم :- از پادری ڈیلیو۔ ایم۔ رائبرن۔ ایم۔ اے

ترجمہ عبدالحمید خاں بی۔ اے۔ مطبوعہ مشعل پریس، کھرڑ۔ سنہ ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۲۲۔

(۲۷) بائبل کو کس طرح پڑھنا چاہیئے :- مصنف پادری آر۔ اے ٹوری صاحب۔

ترجمہ پادری طالب الدین صاحب۔ پنجاب ریڈیو بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ نعیم بخش ایڈم پریس، فیروز پور شہر۔ سنہ ۱۹۶۰ء۔ ص ۱۲۸۔

(۲۸) عہد جدید کی کتابیں :- مصنف پادری۔ ایچ۔ جی۔ گریے صاحب و پادری۔ بیچ

ایل۔ جرمی صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ اتحاد پریس، لاہور۔
شعبہ ۱۹۳۳ء ص ۳۵۶۔

یہ افسانہ انجیل کی ایک کہانی پر مبنی ہے۔

(۲۰) قیامت مسیح: ”لو لکھا ہاردا“۔ مولفہ پادری مٹھا کر داس ایم۔ اے پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ شعبہ ۱۹۳۲ء ص ۱۱۸۔

اس کتاب کا اصل موضوع یہ ہے کہ ”خداوند مسیح کا مردوں سے جی اٹھنا اس کی الوہیت اور خدا کا بیٹا ہونے کا ثبوت ہے۔“

(۲۱) حقوقی و فرائضی نسواں: مصنفہ پادری جے۔ ایچ۔ آر بسن صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ شعبہ ۱۹۳۵ء ص ۶۴۔

(۲۲) دعائیں اور مناجاتیں: ”خلوتی اور خانگی عبادت کے لئے“ مترجمہ پادری ولیم سچن صاحب۔ شائع کردہ نارنگھ انڈیا کر سچین ٹریکیٹ اینڈ بک سوسائٹی، الہ آباد مشن پریس الہ آباد۔ شعبہ ۱۹۳۵ء ص ۱۰۴۔

اس کتاب میں سال کے ہر ہفتے کے لئے علیحدہ علیحدہ دعائیں اور مناجاتیں درج ہیں۔

(۲۳) بہترین مسیحی گھر: مصنفہ مسٹر ایف۔ ڈی۔ وارث۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ شعبہ ۱۹۳۳ء ص ۹۶۔

(۲۴) مشنری پیشوا: مترجمہ جے۔ آر چیمبر صاحب۔ شائع کردہ کر سچین لٹریچر سوسائٹی، الہ آباد۔ شعبہ ۱۹۳۳ء ص ۲۴۸۔

اس میں قدون اولیٰ کے مسیحی مبلغین کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

(۲۵) مسیحی دین اور اخلاق: مصنفہ پادری ہنری دیس صاحب۔ مترجمہ پادری جے۔ علی بخش صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ مفید عام پریس

کتاب میں انجیل کے واقعات ڈرامے کے طرز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی ترتیب
مطابق ہے۔ ڈرامے میں مکالمے نہیں ہیں صرف تعارف دکھائے گئے ہیں مثلاً۔

”پہلا ایکٹ

”پُر امید آغاز

”کوئی نئی بات بات ہم نے نہ کی ہے

اس مرتبہ مسیح کی پیدائش کا ذکر نہیں کرتا بلکہ کہہ دیتا ہے کہ مسیح کو تا اور مسیح کا انجیل
دیتا ہے۔ مگر ابتدا میں اس کی انجیل کو پڑھنے والوں کی امیدوں میں
میں حدیث لبنان پیدا ہو جاتا ہے کہ کچھ واقعہ ہونے کو ہے تپاچی
میں معمول کے واقعات سے بالکل نمایاں ہے۔

پہلا نظارہ بر لب یردن

نقیب اور کردار اعلیٰ

اس مرتبہ مسیح کی انجیل کی ابتدائی آیات میں یہ اشارہ دیا جاتا ہے
کہ شاہی جلوس گزر رہا ہے اس جلوس کا مقدم شیش لیونا پتسمہ
والا پہلے گزر چکا ہے۔ پس اس سے یقین ہوتا ہے کہ نائیک کا
اعلیٰ بہت دھچکے نہیں ہے۔ جلد ہی وہ سامنے آئے گا اور یسوع
اس سے اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ وہ از حد سادہ لباس میں
ہے اور اپنے ہی نقیب کا مطیع نظر آتا ہے۔ وہ اسے پتسمہ دیتا
گمراہ نظارہ کا اختتام لیں ہوتا ہے کہ آسمان سے غیر معمولی قوت
ماہر ہوتا ہے۔ ایک الہی آواز سنائی دیتی ہے جو یسوع کے

میں اسلان کرتی ہے ”یہ خدا کا بیٹا ہے“ (ص ۸-۹)

محرور: ”یا مسیح موعود کی داستان“ تصنیف لیو ویلیس صاحب۔ مترجمہ۔ ۱۹۱۱ء

کو دیکھ رہے ہیں۔ صاحب موصوف نے ان کی مخالفت کا خاکہ کھینچنے کے بعد مدلل اور عام فہم طور پر دکھایا ہے کہ مسیح کے پیرو کیوں اب بھی اس کے لئے جان دینے کو تیار ہیں۔“ (ص۔ ۵)

(۱۴) مسیح کے خاص دوست :- مصنفہ پادری جے آر، ملر صاحب۔ مترجمہ پادری رلیا رام صاحب۔ پنجاب ریلیجنس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ مفید عام پریس، لاہور۔ ۱۹۰۶ء۔ ص ۱۴۴۔

(۱۵) حیات و خطوط لپولوس :- مولفہ پادری جے پیٹر سن اسمائتھ صاحب۔ مترجمہ پادری طالب الدین صاحب۔ پنجاب ریلیجنس بک سوسائٹی پریس، لاہور ۱۹۳۹ء۔ ص ۳۸۔

(۱۶) صلیب دلانے والے :- مولفہ پادری ڈبلیو۔ ایم۔ رائبرن صاحب ایم۔ اے مترجمہ عبد المجید خاں بی۔ اے۔ مشعل پریس، کھڑا ضلع ابنالہ۔ ۱۹۴۵ء۔ ص ۸۲۔

(۱۷) بارہ ضروری سوالات مسیح کے بارے میں :- مصنفہ پادری سی۔ ای میک کارٹنی صاحب۔ مترجمہ ڈاکٹر آئی۔ یو۔ ناصر صاحب۔ مرکز کائنات پریس، لاہور۔ ۱۹۲۷ء۔ ص ۲۴۔

یہ سوالات حسب ذیل ہیں۔ اُن کے جوابات تفصیل کے ساتھ ایک ایک باب میں دئے گئے ہیں :-

(۱) کیا مسیح کنواری مریم سے پیدا ہوا۔ (۲) کیا مسیح نے نبوت کو پورا کیا (۳) کیا مسیح کی تعلیم اصلی تھی۔ (۴) کیا مسیح نے معجزے دکھائے (۵) کیا مسیح ابن اللہ تھا (۶) کیا مسیح ہمارے گناہوں کے لئے مر گیا۔ (۷) کیا مسیح مردوں سے جی اٹھا۔ (۸) کیا مسیح آسمان پر صعود کر گیا (۹) کیا مسیح پھر آئے گا۔ (۱۰) کیا یسوع مسیح اور پولوس کی تعلیم میں اختلاف ہے۔ (۱۱) کیا کوئی دوسرا یسوع ہو سکتا ہے۔ (۱۲) کیا مسیح کے نئے مخالف پیدا ہو گئے ہیں۔

(۱۸) دینا کاسیب سے بڑا ناٹک :- مصنفہ پادری ای۔ سی۔ ڈیکوک صاحب۔ مترجمہ نتھانیل نورما ہی و عبد المجید خاں۔ مشن پریس کھڑا، ضلع ابنالہ۔ ۱۹۴۱ء۔ ص ۷۲۔

(۱۰) حل مشکلات :- یعنی خدا اور دنیا کی نسبت، مسیحی مذہب کی رائے، حصہ اول۔
 (JAMES ORR) مترجمہ یادری طالب الدین۔ نول کشور
 پریس، لاہور۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۲۰۰۔

(۱۱) یسوع مسیح کا احوال :- مولفہ نہری کارٹیکر صاحب شائع کردہ پنجاب ریلیجس
 بک سوسائٹی، لاہور۔ ۱۹۰۹ء۔ ص ۱۹۸۔

” اس کتاب کا ہر ایک لفظ پاک نوشتوں سے لیا گیا ہے۔ مسیح کی زندگی
 اور موت کا احوال بھی بلا تغیر اور بدل چاروں انجیلوں سے اقتباس
 کیا ہے۔ مختلف حوادث و تمثیلات وغیرہ جیسا کہ ہر ایک رسول نے
 بیان کیا ہے۔ تاریخ و ارتجیع کی گئی ہے۔ “ (پیش لفظ)

(۱۲) یسوع مسیح کی گرفتاری اور موت :- مولفہ ڈاکٹر جیمس اسٹاکر صاحب شائع
 کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، میفد عام پریس، لاہور۔ ۱۹۰۵ء۔ ص ۳۰۸۔

(۱۳) زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ :- مصنفہ ڈاکٹر آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل صاحب۔ مترجمہ
 یادری طالب الدین صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور۔ ۱۹۱۲ء۔ ص ۲۳۲۔
 اقتباس از دیباچہ مترجم :-

” اس علم اور ایجاد کے زمانہ میں وہ لوگ جو مسیح کو نہیں جانتے۔ تعجب کرتے
 ہیں کہ عیسائی باوجود سائنس کی روشنی کے اس بیسویں صدی میں بھی
 ان باتوں کو مانتے چلے آتے ہیں جو ان لوگوں کے زعم میں بازنچہ طفلان
 سے بڑھ کر نہیں۔ آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل صاحب، ال، ال، ڈی نے اپنی
 کتاب ” زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ “ کے دیباچہ میں مختصر طور پر ان حقائق
 کی کیفیت رقم کی ہے۔ جو موجودہ زمانہ میں مذہب عیسوی پر کئے گئے ہیں
 ان کے ملاحظہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیحیت کے مخالف کس نظر سے اس

اس کی سچائی کا یقین بہتر ہے ایمانداروں نے اپنے تجربہ سے حاصل

کیا ہے (ص ۱۷۳)

(۷) آئینہ دل :- شائع کردہ پنجاب ریجنس بک سوسائٹی۔ مطبوعہ مشن پریس، لویانہ ۱۸۹۹ء۔ ص ۶۰۔ یہ ایک مصور کتاب ہے جس میں انسان کی تصویر بنا کر اس کے اندر مختلف جانوروں کی شکلیں دکھائی ہیں اور انسان کے مختلف جذبات کو ایک ایک جانور سے تشبیہ دے کر ان کی تشریح کی ہے۔ مثلاً :-

”دل کے داہنے بازو کے اوپر کی طرف پہلا جانور خوش رنگ مور ہے جو اپنے چمکتے ہوئے پرد بال کو اٹھائے ہوئے غور سے اکڑتا اور اترتا ہوا دوسرے جانوروں کو خود پسندی اور گھنٹ سے دیکھ رہا اور نفرت کرتا ہے۔ یہ پرندہ انسانی غور کا ایک نشان ہے۔ مور کے نیچے لومڑی ہے۔ جب کہ اس کا کام اپنے زور سے نہیں ہو سکتا تو طرح طرح مکر و فریب کے پھندے لگاتی اور حیلہ سازی کے دام بچھاتی ہے، کس واسطے کہ یہ دوسرے جانوروں کی نسبت دغا بازی میں بڑی استاد اور فریبیوں کی پیشوا ہے۔“ (ص ۶)

(۸) مسیح کا نمونہ :- مولفہ ڈاکٹر اسٹاکر صاحبہ۔ میفد عام پریس، لاہور ۱۹۰۵ء۔ ص ۳۸۔ اس کتاب میں حضرت مسیح کی تعلیمات سے قطع نظر کے صرف آپ کی عملی زندگی کا بیان ہے، اور اسی کو نمونے کے طور پر تقلید کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ مترجم کا نام درج نہیں۔

(۹) مسیح کی پیروی :- شائع کردہ پنجاب ریجنس بک سوسائٹی، لاہور ۱۹۰۵ء۔ ص ۳۴۔

یہ تاس اے کپس کی مشہور کتاب (IMITATION OF CHRIST) کا ترجمہ ہے۔ مترجم کا نام نہیں لکھا۔

کہ وہ سوتی ہے، پر نزدیک سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ روتی ہے..... (۲۱) (۲۱)
 تذکرۃ المؤمنین: حصہ اول، مسند زکریاؑ، ص ۱۲۲۔

اس کتاب میں پہلے تین صدیوں کے مسیحیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔
 (۵) تذکرۃ المؤمنین: حصہ دوم، مسند زکریاؑ، ص ۱۲۲۔
 مراجع مشن پریس، لودیائیہ، بار اول، ۱۹۸۱ء، ص ۲۷۱۔

(۶) مسیحی کی خوشوقت زندگی کا بھید: مسند مینا اسمتہ، ترجمہ بابولونس سنگھ
 مشن پریس، الہ آباد، ۱۹۸۱ء، ص ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳۔

”مسیح کے ساتھ یکتائی حاصل کرنے کا بیان“

”ایمانداروں کی روح کے ساتھ خدا کے جتنے سلوک ہیں ان کا یہی مطلب ہے کہ اس کو اپنے ساتھ ایک کر لے تاکہ ہمارے خداوند کی وہ دنیا پوری ہو کہ وہ سب ایک ہوں جیسے کہ تو اے باپ مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں، کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ایک ہوں۔“.....
 میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ ایک میں کامل ہوں اور تاکہ دنیا جانے کہ تو نے مجھے بھیجا ہے اور انہیں پیار کیا ہے جیسا کہ تو نے مجھے پیار کیا ہے۔“

خدا نے دینا کے پہلے ہی یہ جلائی ارادہ کیا کہ ایمانداروں کی روحوں کو اپنے ساتھ ایک کر لے۔ یہ وہ سید ہے جو زمانہ در زمانہ اور پشت در پشت نبی آدم کی نظر سے چھپا ہوا تھا اور مسیح کے مجسم ہونے ہونے کے باعث سے پورا ہو گیا۔ یہ کلام میں کھول دیا گیا ہے۔ اور

پیاسے سے پیس تو باطنی پیاس اور دلی بھوکھ کو دفع کر کے ابدی حیات اور حقیقی نیک نیتی کے مالک ہو جاویں مگر وہ شخص جو اپنی دلی بیماری سے سے غافل اور باطنی بھوکھ پیاس سے بے خبر ہو کہ تہودگی میں اوقات صرف اور خواب غفلت میں عمر ضائع کرتا ہے سو ہرگز نجات و حیات کی دوا کا متلاشی اور روحانی غذا کا طالب نہیں ہے، اور ایسے آدمی سے وہ آب حیات پوشیدہ اور آسمان کے دروازوں کی کنجیاں ناپید ہیں...”
(ص ۴۳-۴۴)

(۳) سحرگاہ در انگلستان :- مطبوعہ مشن پریس، لودیانہ۔ ۱۸۷۷ء۔ مصنف کا نام درج نہیں چلی تھیں۔ ص ۸۸۔ رومن رسم الخط۔
اس مختصر کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ انگلستان میں مسیحیت کا آغاز کیونکر ہوا۔ اس کی عبارت بہت سلیس اور مقفی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:-

”جس جگہ اب انگلستان کے عالی شان شہر نظر آتے ہیں اور وہاں قسم قسم کے غلے اور میوے پائے جاتے ہیں۔ سترہ سو برس ہوا ہے کہ وہاں بجز جنگل اور کانٹوں کے کچھ نشان نہ تھا۔ اور سوا گھاس کی جھونپڑیوں کے کوئی مکان نہ تھا۔ اور جہاں اب صوبہ کنٹ ہے وہاں بھی ایک دیرانہ تھا۔ اس میں بڑے بڑے پتھروں کا بنا ہوا ایک بت خانہ تھا۔ اور ایک بڑا بت جو لکڑی کا گھڑا ہوا تھا وہ اس بت خانہ میں کھڑا ہوا تھا قریب اس کے ایک قبرستان تھا۔ اس میں ایک تازی قبر کا نشان تھا۔ وہاں اموجن نام ایک لڑکی، بھیڑ کے چمڑے کا لباس، بال کتدے پر بھرے ہوئے، اداس، ایک سنہری بازو بند بازو سے بندھا ہوا، اور ڈھال کو سر کے نیچے دھرا ہوا، دور سے دریافت ہوتا تھا۔

(۱۹) "خروج کی کتاب کے مضامین کا مجموعہ بطور سوال و جواب"۔ مصنفہ پادری جے۔ لوکس صاحب۔ مطبوعہ پنجاب ریجنس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۸ء۔ ص ۱۵۷۔

پادری لوکس صاحب نے اپنے عام طرز تفسیر کے مطابق اس کتاب کے دیباچے میں بھی سوال و جواب کا التزام رکھا ہے۔

متفرق کتابیں

(۱) مسیحی مطبوعات میں سب سے قدیم کتاب جو میری نظر سے گزری وہ "صلوٰۃ الجماعت کی کتاب" ہے۔ یہ ۱۸۲۰ء میں چرچ مشن پریس کلکتہ میں ۴۴، ۴۵ صفحات پر چھپی تھی۔ اس کے چند اقتباسات "عقائد دین" کے ذیل میں اس باب کے شروع میں دئے جا چکے ہیں جن سے زبان کا انداز معلوم ہوتا ہے۔ سرورق کے ذیلی عنوان میں انگریزی فقرہ (TRANSLATED INTO HINDUSTANI) کا ترجمہ زبان اردو میں مترجم ہوئی "کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مترجم کے نزدیک ہندوستانی اور اردو ایک ہی زبان کے دو نام ہیں اس کتاب میں عقائد کے علاوہ کلیسا کے رسوم و دستور، صبح و شام کی نماز کے احکام اور مختلف اوقات کی دعائیں درج ہیں۔

(۲) کتاب طریق الحیات۔ مطبوعہ امریکن پریسیڈنٹ مشن پریس، لودیانا۔ ۱۸۶۷ء۔ ص ۳۱۴۔ ٹائپ نستعلیق۔ اس میں حضرت مسیحؑ کی تعلیمات اور ان کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ضمناً دوسرے مذاہب سے مقابلہ کے عیسائی مذہب کی برتری ثابت کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے مولف کا نام درج نہیں۔ نمونہ عبارت حسب ذیل ہے:-

"عیسیٰ مسیح کی نجات ایک دوا ہے کہ رحیم و کریم خدا نے اپنی بے انتہا

رحمت کے دواخانہ سے عنایت فرمائی ہے تاکہ وہ لوگ جو باطنی بیماری میں پھنسے ہیں۔ اپنے دلی دکھ درد سے صحت و شفا پادیں، اور آب حیات کا چشمہ اور ہمیشہ کی زندگی کا ایک ایسا درخت ہے کہ اگر ہلاکی کے جھگڑ کے

نظموں کا ایک مجموعہ پایا جاتا ہے۔ عہد عتیق کی باقی کتابوں میں خدا انسان
بے متکلم ہے۔ لیکن زبور کی کتاب میں انسان خدا سے متکلم ہے، اور اپنے
دلی خیالات و جذبات کو خدا کے سامنے ظاہر کرتا ہے۔ زبور کی کتاب میں
یہ دکھلایا گیا ہے کہ اخلاقی شرع انسانی رفتار و گفتار کی رہنما ہے اس
لئے عبادت کی ریت و رسوم کو اس نے خیر مقدم کہا اور ہمیکل میں خدا کے
حضور میں حاضر ہونے پر خوشی کا اظہار کیا۔.....“ (ص ۳)

(۱۲) ”عبرانیوں کے نام کے خطوط کی تفسیر بطور سوال و جواب“۔ مصنف پادری جے۔
جے لوکس صاحب۔ مطبوعہ پنجاب پبلشنگ سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۳۱ء۔ ص ۶۸۷۔
(۱۳) ”کرتھیوں کے نام مقدس پولوس کے دوسرے خط کی تفسیر“ مصنف پادری اسٹور
کراپتھ ویٹ صاحب۔ مترجمہ مسٹر بہاری لال رلیارام۔ شائع کردہ کرسچین نالج سوسائٹی
لاہور۔ مطبوعہ مسیحی پریس۔ لاہور۔ ۱۹۲۶ء۔ ص ۳۰۱۔

(۱۴) ”تفسیر نامہ رسول پولوس بنام فلپیان“۔ از پادری ٹی۔ ڈاکر صاحب۔ کرسچین
نالج سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ پنجاب پبلشنگ سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۳۲ء۔ ص ۲۷۲۔
(۱۵) ”تھسلینکیوں کو پولوس رسول کے پہلے خط کی تفسیر“۔ از پادری جے۔ جے
لوکس صاحب۔ مطبوعہ مشن پریس، الہ آباد۔ ۱۹۲۵ء۔ ص ۲۰۷۔
(۱۶) ”تھسلینکیوں کے دوسرے خط کی تفسیر“ از پادری جے جے لوکس صاحب۔ مطبوعہ
مشن پریس، الہ آباد۔ ۱۹۲۷ء۔ ص ۱۷۸۔

(۱۷) ”یعقوب رسول کے خط عام کی تفسیر“۔ از پادری جے۔ ایچ۔ آرلین صاحب
ایم۔ اے۔ ایم۔ ڈی۔ مطبوعہ پنجاب پبلشنگ سوسائٹی پریس لاہور۔ ۱۹۳۳ء۔ ص ۱۲۰۔
(۱۸) ”پولوس رسول کے خط بنام افسیوں کی تفسیر“۔ مصنف ڈاکٹر ایچ۔ آرلین صاحب
ایم۔ اے۔ ایم۔ ڈی۔ مطبوعہ شری بال کنڈ ایسٹم پریس، لاہور۔ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۴۴۔

ب۔ اس لئے کہ وہ ہم کو خدا کے قریب پہنچاتا ہے۔ اُس کی قربانی سے ہم کو خدا کی نزدیکی اور قربت حاصل ہوتی ہے۔

ج۔ اس لئے کہ وہ ازل سے خدا کے قریب تھا۔

د۔ اس لئے کہ وہ کل بنی آدم کے لئے قربان ہوا۔ (ص ۳)

(۸) ”پیدائش کی کتاب کی تفسیر“ :- از پادری کینن سیل۔ مترجمہ مٹرائی۔ جوزف۔ شائع کردہ کریسچن ناچ سوسائٹی، پنجاب۔ ستمہ طباعت درج نہیں۔ مطبوعہ درکٹوریہ پریس، ٹہالہ۔ ص ۱۹۴۔

(۹) ”تفسیر مرقس“ :- مصنفہ پادری جے۔ علی بخش۔ مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۸ء۔ ص ۳۵۶۔

(۱۰) ”تفسیر متی“ :- مصنفہ پادری ڈاکٹر لیو۔ اسٹینٹن صاحب، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ مترجمہ پادری طالب الدین صاحب۔ شائع کردہ کریسچن ناچ سوسائٹی، انارکلی، لاہور۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۸ء۔ ص ۸۰۰۔

(۱۱) ”تفسیر زبور“ :- از پادری جے۔ علی بخش صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ستمہ درج نہیں۔ ص ۵۵۲۔

اقتباس از دیباچہ :-

”زبور کی کتاب نظم میں لکھی گئی۔ یہ نظم اس قسم کی ہے جو باجے پر گائی اور بجائی جاتی تھی۔ جس میں دل کے گہرے جذبات کا اظہار ہوتا تھا، جیسے داخستہ ریختہ و غزل وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اور اس قسم کی نظم قدیم زمانہ سے مروج ہے، اور عبرانی نظم و نثر اسی قسم کی ہے۔ قدیم اسرائیل میں شاعرانہ یا ناطک کی طرز کی نظم کا رواج نہ تھا۔ چونکہ عہد عتیق بنی اسرائیل کی دینی تاریخ ہے، اسی طرح زبور کی کتاب دینی نظم کی کتاب ہے۔ اس میں ایسی

- (۶) ”اعمال کی تفسیر“ سرورق غائب۔ نسخہ قدیم۔ بڑی تقطیع۔ ص ۶۳۳۔
- (۷) ”اجبار کی کتاب کی تفسیر“ بطور سوال و جواب۔ مصنفہ پادری جے۔ جے۔ لوکس
مطبوعہ مفید عام پریس، لاہور۔ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۸۷۔
- دیباچے میں لکھتے ہیں:-

”بہترے مسیحی اجبار کی کتاب پڑھنے سے کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے کہ جن قربانیوں کا بیان اس میں پایا جاتا ہے ان کے معنی وہ نہیں سمجھتے اگر وہ ایک ایک قربانی سے مسیح کی تصویر کھینچ سکتے تو پڑھنے سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔ یہ ساری قربانیاں مسیح کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ اس کی پیش نشانیاں ہیں۔ وہ آئندہ کی اچھی چیزوں کی پھرچھائیاں ہیں۔ وہ آسمانی چیزوں کی تقلید ہیں.....“

تفسیر کا ایک ٹکڑا حسب ذیل ہے۔

”سوال ۸۔ لفظ قربانی کے معنی بتاؤ۔

جواب۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ قربان، جو کچھ خدا کے قریب لایا جاتا ہے، اور اس قریب لائے جانے کے فعل کو قربانی کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ حکم تھا کہ کوئی خدا کے حضور خالی ہاتھ نہ آئے (خروج ۲۳: ۱۵)، اور نیز جس چیز کے ذریعے سے گنہگار انسان خدا کے قریب سلامتی سے پہنچے وہ بھی قربانی کہلاتی ہے۔ اور اس کتاب میں ان چیزوں کا بیان پایا جاتا ہے جن کے وسیلے سے بنی اسرائیل خدا کے غمے کے اندر جانے پاتے تھے اور جن چیزوں کے ذریعے سے خدا کے قریب پہنچتے تھے۔

سوال ۹۔ مسیح کیوں حقیقی قربانی گنا جاتا ہے؟

جواب ۱۔ اس لئے کہ وہ جسمِ بوسے کے ہم سمجھوں کے قریب آیا۔

تیسرا باب

۱۰ سے ۱۔ لنگڑے آدمی کا شفا پانا

۱۔ پطرس اور یوحنا دعا کے وقت یعنی تیسرے پہر ہیکل کو جا رہے تھے۔
پطرس اور یوحنا۔ رسولوں میں یہ سرکردہ اشخاص تھے۔ اپنی سرگرمی اور
محبت کے باعث مشہور تھے۔ وہ گہرے درست اور ہم خدمت رہے تھے۔
لوقا ۱۰: ۲۲ + ۸: ۱۰ + یوحنا ۳: ۳ و ۴۔ اس کے علاوہ ان کا اکٹھا ذکر
۴: ۱۳ + ۸: ۱۴ میں آتا ہے۔

دعا کے وقت :- یہودیوں میں تین اوقات کی نماز کا دستور تھا جس کی
بنیاد غالباً زبور ۵۵: ۱۷ اور دانیال ۶: ۱۰ پر تھی۔ یہ اوقات تھے
تیسرا گھنٹہ (۲: ۱۵)۔ چھٹا گھنٹہ (۱۰: ۹) اور نواں گھنٹہ۔ یہ ہمارے لئے
کیسا اچھا نمونہ ہے کہ فضل کے مقررہ وسائل کو بڑی سرگرمی اور پابندی
سے استعمال کریں۔ اہل مشرق ان مقررہ اوقات نماز سے بچنے کی تلقین
ہیں۔ اہل زردشت کی طرح اہل اسلام ہر روز پانچ مقررہ اوقات پر نماز
ادا کرتے ہیں، اور اہل ہندو طلوع اور غروب آفتاب کے وقت اپنی پوجا
پاٹ کرتے ہیں۔

تیسرے پہر :- یا نواں گھنٹہ آج کل کے تین بجے دن کے قریب تھا
(۲: ۱۵ کی تشریح دیکھو) دوپہر اور غروب آفتاب کے مابین کبھی شاید دن
کی روشنی کے گھٹنے بڑھنے کے مطابق، آگے پیچھے ہو گا۔ یہ تیسرا پہر ہیکل میں
شام کی قربانی چڑھانے کا وقت تھا۔ نئے عہد نامہ میں اس نوے گھنٹے
یا تیسرے پہر کی طرف کئی اشارے پائے جاتے ہیں۔..... ” (ص ۱۴۴)

داسے ۸ آئیک) کلمہ کے ختم ہونے کا بیان ہے۔ اس آیت کا مضمون بہت ہی گہرا ہے۔
 اگسٹین صاحب کہتے ہیں کہ یوحنا جس کا لقب رعد کا فرزند ہے (مرقس ۳-۱۸) اپنی انجیل
 گرج کے ساتھ شروع کرتا ہے۔

اس آیت میں تین جملے ہیں۔ پہلا جملہ (ابتدا میں کلمہ تھا)۔ لفظ "تھا" تینوں جملوں میں ہی
 اور اس پر زور ہے۔ ادنیٰ زور آیت ۳ کے لفظ "ہوئیں" کے مقابلے میں ہے۔ یعنی کلمہ موجود
 تھا۔ ازل سے اور سب چیزیں معدوم تھیں، لیکن کلمہ نے ان کو معدوم سے موجود کر دیا
 (۵۸-۸)۔ کلمہ کہتا ہے کہ پیشتر اس کے کہ ابراہیم ہوں میں ہوں (ابتدا)۔ یہ موجودات کی
 ابتدا کا ذکر ہے۔ کیونکہ وجود ازل کے لئے ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔ رسول کا مطلب یہ ہے
 کہ ابتدا و خلقت کے پر لی طرف یعنی موجودگی زمانہ سے پہلے کلمہ تھا جو خالق کل کائنات
 کا ہے۔

(ف ۱) خدا کے لئے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اور ہر چیز کے لئے جو اللہ کے سوا ہے ابتدا
 ہے۔ جن لوگوں نے وہ زندگی پائی ہے جو اللہ میں ہے وہ ابد تک اس کے ساتھ زندہ رہیں
 گے، اور یہی حیات ابدی ہے جو یسوع آدمیوں کو بخشتا ہے....." (ص ۵)
 (۳) تفسیر انجیل :- سر ورق غائب۔ ص ۶۴۳

اس کتاب کے پہلے چار صفحات میں "عدم تحریف کلام الہی" کی متعدد دلیلیں دی ہیں
 اس کے بعد متی کی انجیل سے تفسیر شروع کی ہے۔

(۴) "تفسیر کتاب یوحنا عارف کامرکا شفق" مولفہ پادری، ای۔ ایچ۔ ایم۔ واکر صاحب
 شائع کردہ کریمین نالج سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۱۴ء۔ ص ۴۱۲۔

(۵) تفسیر کتاب رسولوں کے اعمال، مولفہ پادری ٹی۔ واکر صاحب، ایم۔ اے
 شائع کردہ کریمین نالج سوسائٹی، انارکلی، لاہور۔ مطبوعہ رفاہ عام اسپتیم پریس، لاہور
 ۱۹۲۳ء ص ۷۰۔

اور جس کے حاشیے پر اصل انجیل بھی درج ہے۔ یہ ترجمہ لندن میں چھپا تھا۔ اس کی نسبت دتاسی اپنے گیارہویں خطبہ مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۷۱ء میں لکھتا ہے:-

”برطانیہ اور ممالک غیر کی انجیل نے انجیل کا جو دل پذیر ترجمہ گزشتہ سال شائع کیا اسے یقیناً اردو زبان کی چوٹی کی کتابوں میں سمجھا جائے۔ یہ ترجمہ اس لئے اور کئی مددہ اور معتبر ہے کہ ایک مشہور ہندوستانی فاضل نے اس کام میں ہاتھ بٹایا ہے۔“

بائبل اور اسکے مختلف حصوں کی تفسیریں مسیحی مبلغین نے بائبل اور اس کے مختلف حصوں کے ترجموں کے

علاوہ ان کی تفسیریں بھی اردو زبان میں کثرت سے لکھی ہیں۔ ان میں سے انیسویں تفسیریں جن کو دیکھنے کا مجھے موقع ملا حسب ذیل ہیں:-

(۱) ”ترجمہ مزامیر یا شرح و تفسیر“ تالیف پادری یوسف آون۔ نارنگھ انڈیا پریکٹس سوسائٹی کی مدد سے مرزا پور کے یتیموں کے چھاپہ خانہ میں ۱۸۷۱ء میں چھپائی گئی۔ ۵۲۴
رسم الخط اردو من۔

(۲) ”تفسیر انجیل یوحنا ملقب بہ منتہی الافکار“ ۳۳ کتاب کو عام فائدہ کے لئے پادری رائبرٹ کلاک، ایم۔ اے، سکریٹری چرچ مشن سوسائٹی پنجاب و سندھ نے اردو پادری مولوی غلام الدین لاہور، ڈی، ڈی نے امرت سر میں مل کے تھنیف کیا، اور گورنمنٹ نالج سوسائٹی کے لئے امریکن مشن پریس، لودیانا، میں پادری سی۔ بی۔ نیوٹن صاحب کے اہتمام سے چھپی۔ ۱۸۸۵ء۔ دفعہ اول۔ ص ۵۰۴۔

تفسیر کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

”(۱)۔ ابتدا میں کلمہ تھا، اور کلمہ خدا کے ساتھ تھا، اور کلمہ خدا تھا۔“

۱۷ خطبات گارماں دتاسی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن ۱۹۳۵ء ص ۳۱۳

(۱۸) زیورہ۔ شائع کردہ پنجاب ریلیجیوس بک سوسائٹی، لاہور۔ بار دوم ۱۹۰۴ء
ص ۱۲۹۔

(۱۹) پیرانا عہد نامہ :- یہ نسخہ ناقص ہے۔ زیورہ کی کتاب سے شروع ہو کر آخر
تک چلا جاتا ہے۔ شروع کے (۶۸۴) صفحے اس جلد میں نہیں ہیں۔ آخری صفحے کا نمبر (۱۱۲۳)
ہے۔ ٹائپ۔ مطبع وستہ طباعت لا معلوم۔

(۲۰) نیبل کی تعلیل :- مترجمہ زیورنڈجے۔ ایف۔ المان (REV. J. F.)
(ULMANN) شائع کردہ مکتوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ۔ طبع اول
۱۸۸۶ء۔ ص ۳۸۶۔

”مسیح ایک جنم کے اندھے کو بینائی دیتا ہے“

”پھر اس نے جاتے ہوئے ایک شخص کو جو جنم کا اندھا تھا دیکھا اور اس
کے شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ اے ربی گناہ کس نے کیا، اس
شخص نے یا اس کے ماں باپ نے کہ یہ اندھا پیدا ہوا۔ عیسیٰ نے
جواب دیا۔ نہ تو اس شخص نے گناہ کیا اور نہ اس کے ماں باپ نے
لیکن یوں ہوا تاکہ خدا کے کام اس میں ظاہر ہوں۔ یہ کہہ کے اس نے
زمین پر تھوک کا اور تھوک سے مٹی گوندھی اور وہ مٹی اس اندھے کی
آنکھوں پر لپیپ کی، اور اس سے کہا کہ جا اور سلوآم کے حوض میں
(جس کا ترجمہ بھیجا ہوا ہے) نہا۔ تب وہ جا کے نہایا اور بینا ہو کے
آیا۔“ (ص ۱۷۳)

(۲۱) توریت، انجیل، اور ان کے بعض حصوں کے یہ بیس ترجمے وہ ہیں جو مجھے
مختلف کتب خانوں میں مل سکے۔ ان کے علاوہ ایک ترجمے کا ذکر گارساں دتاسی نے
اپنے خطبات میں کیا ہے۔ یہ پادری ماتھر کا ترجمہ انجیل ہے جو رومن رسم الخط میں ہے۔

ملا کی تک مندرج ہیں۔ بمطالع امریکن مشن لودیانا، واسطے نارٹھ انڈیا بیئبل سوسائٹی کے ہاتھام یادری ویری صاحب چھاپی گئی۔ ۱۸۷۲ء۔

(۱۶) توریت مقدس :- سرورق عائب۔ طباعت قدیم۔ لمیتو۔ ص ۳۰۶۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ دنیا کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرا بنی اسرائیل کے یسوع کے ساتھ کنعاں میں داخل ہونے کے بیان سے۔ اور تیسرا یہودہ کے بادشاہ حزقیہ کے عمل سے شروع ہو کر یہودیوں کی سیر کے باقی احوال پر ختم ہوتا ہے۔

(۱۷) متی کی انجیل :- شائع کردہ برٹش اینڈ نارن بائبل سوسائٹی، لاہور۔ ص ۶۲۔

پریس کا نام اور سند طباعت درج نہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس مضمون اور عبارت دونوں کے لحاظ سے قابل توجہ ہے۔

”یسوع شریعت کو پورا کرنے اور کرانے والا۔

”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا بنیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ نبیوں نے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا۔ اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راست بازی فقیہوں اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔“ (ص ۸)

ویری صاحب چھاپی گئی۔ ۱۸۷۹ء۔ ص ۵۴۹۔

مقدس ، باب دہم ، کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے :-
 ” پھر وہاں سے اٹھ کر سیردن کے پار یہودیہ کی سرحدوں میں آیا ، اور لوگ
 اُس پاس پھر جمع ہوئے ۔ اور وہ اپنے دستور کے موافق پھر انھیں تعلیم
 کئے لگا ۔ اور فریسیوں نے اُس پاس اُکے امتحان کی راہ سے اس سے
 پوچھا ۔ کیا رواج ہے کہ مرد جو رو کو طلاق دے ۔ اُس نے انھیں جواب میں
 کہا کہ موسیٰ نے تمھیں کیا حکم دیا ہے ۔ دے لوے موسیٰ نے تو اجازت دی
 ہے کہ طلاق نامہ لکھ کے طلاق دیں ۔ تب یسوع نے جواب دیا اور انھیں
 کہا ۔ اس نے تمھاری سخت دلی کے سبب سے تمھارے لئے یہ حکم
 لکھا ۔ لیکن خلقت کی ابتداء سے تو خدا نے انھیں ایک نہرا اور ایک مادہ
 بنایا ۔ اس سبب سے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی جورو سے
 ملا رہے گا ، اور وہ دونوں ایک تن ہوں گے ۔ سو وہ اب دو تن
 نہیں بلکہ ایک تن ہیں ۔ پس جسے خدا نے جوڑا ہے آدمی جدا نہ کرے ۔
 اور گھر میں ہو کے اس کے شاگردوں نے اس سے اس بات کی بابت
 پوچھا ۔ اس نے انھیں کہا جو کوئی جو رو کو چھوڑے اور دوسری سے
 بیاہ کرے تو اس کی نسبت زنا کرتا ہے ۔ اور اگر جو رو اپنے شوہر کو چھوڑے
 اور دوسرے سے بیاہی جائے تو وہ بھی زنا کرتی ہے “ (ص ۹۷)

(۱۴) کتاب مقدس : پرانا عہد نامہ ۔ جلد اول ۔ یعنی جس میں سب کتابیں پیدائش
 سے لیکر آستر تک مندرج ہیں ۔ بمطبع امریکن مشن ، لودیانا ، واسطے نار تھ انڈیا میبل ،
 سو سیٹھ کے باہتمام پادری ویری صاحب چھاپی گئی ۔ ۱۸۷۳ء ۔
 (۱۵) کتاب مقدس : پرانا عہد نامہ ۔ جلد دوم ۔ یعنی جس میں سب کتابیں ایوب سے

خدا سب کچھ پیدا کر چکا تب اس نے اپنے سارے کاموں پر نظر کر کے دیکھا کہ بہت اچھے ہیں۔

اسی طرح خدا چھ دن میں آسمان و زمین اور ان کی ساری آبادی کامل کر کے ساتویں دن فالغ ہوا۔ اور اس نے اس دن کو مبارک اور مقدس ٹھہرا کر آرام کے واسطے مقرر کیا، اس لئے کہ اس نے اپنے سب کاموں سے جو کرنا تھا فراغت پائی۔ (ص ۱-۳)

(۸) کتاب عہد جدید۔ ”یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل۔ یونانی زبان سے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کی گئی۔ اور شہر لندن میں ولیم ڈالٹس کے مطبع میں چھاپی گئی۔ ۱۸۶۶ء یسوعی“ ص ۵۱۱۔ ٹائپ نسخہ۔

ترجمے کی ”ہندوستانی زبان“ دہی ہے جس کے نمونے اوپر گزرے۔
(۹) زبور کی کتاب۔ ”اس کا ترجمہ عربی زبان سے زبان اردو میں ہوا۔ بریلی۔ امریکن متھو دست مشن پریس میں پادری و صاحب کے اہتمام سے چھپی۔ ۱۸۶۵ء“ ص ۱۷۵۔

”تیسری زبور“

”ان لوگوں کا امن و چین جن کی حفاظت خدا کرتا ہے۔“

”اے خداوند، دے جو مجھے دکھ دیتے ہیں کیا ہی بڑھ گئے ہیں۔ دے بہت ہیں کہ جو میری مخالفت پر اٹھتے ہیں۔ بہتیرے میری جان کی بابت کہتے ہیں کہ خدا سے اب اس کی نجات نہیں۔ صلا۔ پر تو اے خداوند میرے لئے سپر ہے۔ تو میری شوکت اور میرا سرفراز کرنے والا ہے۔ میں نے خداوند کی طرف اپنی آواز بلند کی اور اس نے میری دعا اپنے کوہ مقدس پر سے سن لی۔ صلا۔ میں لیٹ گیا اور سو رہا۔ میں جاگ اٹھا۔ کیونکہ خداوند میرا حافظ ہے۔“

شمار اور پیمانے اور تول سے کر لیا۔ سو خدا نے آسمان و زمین کو چھ دن میں بنایا۔

دنیا خالی اور دیران تھی اور گہراؤں کے اوپر اندھیرا تھا تب خدا نے کہا کہ اجالا ہوئے اور اجالا ہو گیا۔ اور خدا نے اجالے کو اندھیرے سے جدا کر کے اجالے کو دن اور اندھیرے کو رات کہا۔ اسی طرح پہلی رات اور اور پہلا دن ہوا۔ دوسرے دن خدا نے وہ پھیلاؤ بنایا جو زمین کے چاروں طرف ہے، اور اس نے پانیوں میں ایسی جدا کی کہ کچھ پانی پھیلاؤ کے اوپر اور کچھ نیچے رہ گیا۔ اور اس نے پھیلاؤ کو آسمان کہا۔ تیسرے دن خدا نے زمین کے اوپر پانیوں کو زمین سے جدا کیا اور گھاس اور نباتات اور پھل دار درخت زمین سے اُگائے جو تھے دن خدا نے روشنی دینے والی چیزوں کو جن سے زمین پر نشانیاں، وقت، موسم، دن، مہینے اور برس ظاہر ہو رہے بنایا۔ سو اس نے ایک بڑی روشنی دن کے لئے اور ایک چھوٹی روشنی رات کے لئے بنائی اور ستاروں کو بھی (سیارے) بنایا۔ پانچویں دن خدا نے مچھلیوں اور طرح طرح کے جانوروں کو چھپانی میں رہتے ہیں اور رنگہ رنگ پرندوں کو جو ہوا میں اڑتے ہیں بنایا۔ اور ان کو برکت بخشی۔ چھٹے دن خدا نے ان سب جانوروں کو جو زمین پر چلتے ہیں نوع نوح پیدا کیا، اور اسی دن اس نے آدمی کو بھی یہ کہہ کے بنایا کہ ہم اُسے اپنی صورت پر بنادیں کہ وہ دیرانی مچھلیوں اور آسمانی پرندوں اور سب جانوروں اور ساری دنیا پر سرداری کرے۔ سو خدا نے آدمی کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور نر و مادہ بنایا، اور ان کو برکت دی کہ کہا کہ بڑھو اور پھیل جاؤ اور دنیا کو آباد اور اپنا تاج ابدار کرو اور جب

تک۔ ص ۲۵۷۔ ٹائپ نستعلیق۔

سرورق غائب اس لئے مطبع اور سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔

(۶) کتاب مقدس: ”یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل جو مٹھی، نارک، لوک اور یوحنا سے لکھی گئی تھی اور رسولوں کے ائصال اردو زبان میں“۔ مطبوعہ باپتست مشن پریس ملکہتہ ۱۸۴۹ء۔ ص ۴۱۳۔

یہ ترجمہ باپتست مشنریوں کا کیا ہوا ہے۔ سرورق کی انگریزی عبارت میں بجائے اردو کے ”ہندوستانی“ لکھا ہے۔ (THE FOUR GOSPELS AND THE

ACTS IN HINDUSTANI) اسی ”ہندوستانی“ کو ترجمہ کے ذیلی عنوان میں ”اردو زبان“ لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ کرنے والے ہندوستانی اور اردو کو ایک ہی زبان سمجھتے تھے۔

(۷) مقدس کتاب کا احوال: از ریورنڈ ٹی۔ ہورنلے۔ (REV T. HOERNLE) مطبوعہ آرفن پریس، مرزا پور۔ ۱۸۵۹ء ص ۲۸۰۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر بارتھ (REV DR. BARTH) کی کتاب (SCRIPTURE HISTORY) کے جرمن نسخے سے کیا گیا ہے۔ ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

دنیا کی پیدائش

مسیح سے ۴۰۰۴ برس آگے

”خدا نے اپنے کلام سے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ اُس کے پیدا کرنے سے پہلے خدا کے سوا کچھ نہ تھا۔ خدا ہی قدیم و قادر ہے۔ جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ اس نے نہ چاہا کہ آسمان و زمین اور ان کی سب خشمیتیں ایک ہی بار دکھلائی دیں بلکہ رفتہ رفتہ ظاہر و تیار ہو دیں۔ کیونکہ اس نے پہلے ہی سب کا بندوبست

انھیں اکٹھا کر کے یہ حکم کیا کہ یہ دشالم سے باہر نہ جاؤ بلکہ جو وعدہ باپ نے
کیا جس کا ذکر تم مجھ سے سن چکے ہو اس کا انتظار کرو کہ بھیجی نے تو پانی
میں غوطہ دلایا پر تم کو تھوڑے دنوں کے بعد روح قدس میں غوطہ
دلانے جاؤ گے۔ (ص ۳۵۰)

۱۸۴۲ء میں اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن بائپتسٹ مشن پریس کلکتہ میں چھپا۔
(۲) ہمارے خداوند یسوع مسیح کا نیا و شیعہ۔ مطبوعہ بائبل پریس، کلکتہ ۱۸۴۲ء
ٹائپ نسخہ۔ ص ۵۵۳۔

اس ترجمہ کی زبان بہ نسبت سابق ترجمہ کے جس کا اقتباس اوپر دیا گیا ہے۔
زیادہ صاف ہے۔

(۳) کتاب القدس۔ جلد اول۔ پیدائش سے آستر تک۔ مطبوعہ بائبل پریس
کلکتہ ۱۸۴۲ء۔ ٹائپ۔ نسخہ۔ ص ۱۰۱۲۔ ترجمہ کا نمونہ یہ ہے :-

» ابتدا میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ اور زمین ویران اور
سنان تھی اور گہراؤ کے اوپر لندھیرا تھا۔ اور خدا کی روح پانی پر جنبش
کرتی تھی۔ اور خدا نے کہا کہ اجالا ہو اور اجالا ہو گیا۔ اور خدا نے اجالے
کو دیکھا کہ اچھا ہے۔ اور خدا نے اجالے کو اندھیرے سے جدا کیا۔ اور
خدا نے اجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا۔ سو شام اور
صبح پہلا دن ہوا۔ (ص ۱)

(۴) کتاب القدس۔ جلد ثانی۔ ایوب سے ملاکی تک۔ مطبوعہ ایشیاٹک پریس
کلکتہ ۱۸۴۳ء۔ ٹائپ۔ نسخہ۔ ص ۷۴۴۔

(۵) کتاب مقدس۔ دھوئیں میں۔ پہلا حصہ پیدائش کی کتاب سے استثنائاً
تک۔ ص ۳۰۶۔ دوسرا ٹون کے بیٹے یسوع کی کتاب سے سلاطین کی دوسری کتاب

فورٹ ولیم کالج کے دوسرے ہندوستانی فاضلوں کا کیا ہوا۔ نظر ثانی از ولیم نپٹر مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۰ء۔

(۶) سیرام پور کے مشنریوں کا ترجمہ انجیل ہندوستانی زبان میں۔ مطبوعہ سیرام پور۔
گریسن لکھتا ہے کہ اس کی زبان زیادہ تر سہجی ہے۔

(۷) انجیل کا ترجمہ یونانی زبان سے ہندوستانی زبان میں۔ از ریلورنڈ مارٹن (REV.)

(H. MARTIN) مطبوعہ سیرام پور، ۱۸۱۹ء۔ یہی ترجمہ لندن میں ۱۸۱۹ء میں چھپا۔

کتاب مقدس اور اس کے مختلف حصوں کے ترجمے جن کی فہرست گریسن کی کتاب سے اخذ کر کے اوپر نقل کی گئی ہے مجھے دستیاب نہیں ہوئے۔ جو تراجم مل سکے وہ حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے اکثر کے اقتباسات بھی درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے مضمون کے علاوہ زبان پر بھی کافی روشنی پڑے گی۔

(۱) ”کتاب مقدس کا آخری حصہ، یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل جو متھی،

مارک، لوک اور یوحنا سے لکھی گئی تھی اور رسولوں کے اعمال اور نصیحت

و نبوت کے خطوط۔ یونانی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ کلکتہ

انگریزی اور امریکی کی دینی مجلس کی مدد سے باپتسٹ مشن چھاپا خانے

میں چھاپا کیا گیا۔ ۱۸۳۹ء یسوعی“ ٹائپ نسخہ۔ ص ۸۲۲۔

”رسولوں کے اعمال“ کا ایک اقتباس مندرجہ ذیل ہے:-

”اے بھائیو، میں پہلی کتاب میں بیان کر چکا ان سب کاموں اور نصیحتوں

کو جو یسوع کرتا رہا اس وقت تک کہ وہ روح قدس سے اپنے برگزیدہ

رسولوں کو حکم دے کے اوپر اٹھایا گیا، جن کے نزدیک اس نے بعد اپنے

مرنے کے اپنے تئیں بہت سی دلیلوں سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس

دن تک انھیں دکھائی دے کے خدا کی بادشاہت کی باتیں کہتا رہا اور

توریت اور انجیل کے اردو ترجمے | غیر مسلم مذاہب میں سے سب سے زیادہ مسیحی مبلغین نے

کیا ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے وسط ہی سے انھوں نے توریت اور انجیل کے ترجمے شائع کرنا شروع کر دئے تھے۔ ان ابتدائی تراجم کی فہرست گریسن (GRIERSON) نے اپنی مشہور کتاب "ہندوستان کا لسانی جائزہ" جلد نہم میں دی ہے۔ اس فہرست میں ان تراجم کے علاوہ جو ہندوستانی زبان یعنی اردو میں کئے گئے ہیں، ہندی، ہندی اور یقینی زبانوں کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ یہاں صرف ان کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں جو اردو میں ترجمہ ہوئی تھیں۔ انگریز اور یورپین مصنفین ہندوستانی زبان سے عموماً اردو زبان مراد لیتے تھے۔ ہندی ان کے نزدیک ایک مختلف زبان تھی۔ چنانچہ گریسن کی اس فہرست سے بھی اس کی صراحت ہوتی ہے۔

(۱) کتاب پیدائش کے پہلے چار بابوں کا ترجمہ ہندوستانی میں۔ از بنجن شولٹز۔ (BENJ. SCHULTZE) مطبوعہ ہال (HALLE) ۱۷۴۵ء۔

(۲) ترجمہ کتاب دانیال۔ از شولٹز۔ مطبوعہ ہال ۱۷۴۸ء۔

(۳) کتاب لوقا کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں۔ از شولٹز ۱۷۴۹ء۔ طبع ثانی ۱۷۵۰ء۔

(۴) بنجن شولٹز نے کتاب مقدس کے مندرجہ ذیل حصوں کے ترجمے بھی ہندوستانی زبان میں کئے تھے جو ہال سے شائع ہوئے :-

رسولوں کے اعمال ۱۷۴۹ء۔ یعقوب کا خط ۱۷۵۰ء مرقس کی انجیل ۱۷۵۰ء

یوحنا کی انجیل ۱۷۵۰ء۔ مکاشفہ یوحنا ۱۷۵۰ء۔ نیا عہد نامہ ۱۷۵۰ء

(۵) یسوع مسیح کے نئے عہد نامہ کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں مرزا محمد فرحت اور

LINGUISTIC SURVEY OF INDIA BY B.A. GRIERSON

VOL. IX. CALCUTTA. PP. 40-41,

پھاٹکوں کے اندر ہو۔ کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو اُن میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔

(۵) تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا ہے دیتا ہے دراز ہو۔

(۶) تو خونِ مت کر۔

(۷) تو زنا مت کر۔

(۸) تو چوری مت کر۔

(۹) تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے۔

(۱۰) تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر۔ تو اپنے پڑوسی کی جو رو اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔“

”رسولوں کا عقیدہ“

”میں ایمان رکھتا ہوں خدا قادر مطلق باپ پر جو آسمان و زمین کا خالق ہے اور یسوع مسیح پر جو اس کا اکو تا بیٹا اور ہمارا خداوند ہے۔ وہ روح القدس کی قدرت سے پیٹ میں پڑا۔ کنواری مریم سے پیدا ہوا۔ پینتیس بیلاطس کے عہد میں دکھ اٹھایا۔ مصلوب ہوا۔ مر گیا اور دفن ہوا۔ عالم ارواح میں اُتر گیا۔ تیسرے روز مردوں سے جی اُٹھا۔ آسمان پر چڑھ گیا، اور خدا قادر مطلق باپ کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔“

میں ایمان رکھتا ہوں روح القدس پر، پاک کیتھلیک کلیسیا پر، مقدسوں کی شرکت، گناہوں کی معافی، بدن کی قیامت، اور ابدی زندگی پر۔ آمین“

ان حکموں کی رد سے جب ہم انہیں پورے طور پر سمجھیں تو تمام نبی آدم خدا کے قصور دار ٹھہرتے ہیں۔ مگر بائبل میں بھی ذکر ہے کہ آدمیوں کو گناہ سے چھڑانے کے لئے ہمارے خدا نے اپنے عزیز بیٹے یسوع مسیح کو بھیجا اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کو پاک بنانے کے لئے خدا اپنی پاک روح بھی بھیجتا ہے۔ ان باتوں یعنی انجیل کی تعلیم کا خلاصہ یہی کلیسیا دیا جاتا ہے کے عقیدے میں مندرج ہے۔ پس یہ عقیدہ اور دس حکم یہاں چھپ گئے ہیں تاکہ محقق لوگ آسانی سے معلوم کر سکیں کہ مسیحی دین کا خلاصہ کیا ہے....."

خدا کے دس حکم

(۱) میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو۔

(۲) تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیر خدا ہوں اور باپ دادوں کی بدکاریاں ان کی اولاد پر جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں تیسری اور چوتھی پشت تک پہنچاتا ہوں، اور ان میں سے ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔

(۳) تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ مت لے۔ کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔

(۴) تو سبت کا دن پاک رکھنے کے لئے یاد رکھ۔ چھ دن تک تو محنت کر کے سارے کام کا ج کر۔ لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے۔ اس میں کچھ کام نہ کر، نہ تو نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی۔ نہ تیرے مویشی اور نہ تیرا مسافر جو تیرے

وہاں جب تک کہ روزِ آخر کو آدمیوں کے محاسبے کے لئے پھر آئے بیٹھا ہے۔“

(۵)

”روح القدس کے بیان میں“

”روح القدس باپ اور بیٹے سے نکلتا ہے۔ ایک ہی ماہیت اور مرتبہ اور جلال باپ اور بیٹے کے ساتھ رکھتا ہے، اور حق اور قدیم خدا ہے۔“

.....
مندرجہ بالا عقائد پیرولٹنڈنٹ چرچ کے ہیں۔ کیتھولک چرچ کی طرف سے دین
مسیحی کے اصول مختصر طور پر یوں بیان کئے گئے ہیں :-
”مسیحی دین کے مختصر اصول“

دیباچہ

”رب الافواج تم سے کہتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی اور نوکر اپنے آقا کی
تعظیم کرتا ہے۔ پیر اگر میں باپ ہوں تو میری عزت کہاں ہے۔ اور آقا
ہوں تو میرا خوف کہاں ہے؟“ (ملا کی نبی کا قول)

”بے شک خدا ہمارا مالک ہے۔ مگر کیا ہم اُسے اپنا باپ بھی کہہ سکتے
ہیں؟ کیا وہ ہم کو ایسی ہی شفقت اور محبت اور ہمدردی کی نظر سے
دیکھتا ہے۔ جیسے باپ اپنے بیٹوں کو؟۔ البتہ۔ اس نے خود ایسا فرمایا
ہے، بلکہ باپ کے نام سے اپنے لئے دعا مانگنی سکھا ئی یہ دعا جو خداوند
مسیح کی زبانی سکھا ئی گئی۔ بائبل شریف (یعنی کتاب مقدس) میں
پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ خدا ہمارا مالک بھی ہے۔ اس لئے اسی کتاب
میں اس کے دس احکام بھی پائے جاتے ہیں جو موسیٰ کے معرفت اُترے

لے مسیحی دین کے مختصر اصول، مطبعہ الانارہند پریس، لاہور، یہ چار صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے۔

(۲)

”بیان میں کلمہ یعنی خدا کے یٹے کے جو کہ الحق انسان بنا“

”یٹیا جو کلمہ باپ کا ہے اور ازل سے باپ سے ظاہر ہوا بعینہ قدیم خدا کی اور ایک ہی ماہیت باپ کی سے ہے۔ اس پر نے ماہیت بشری کو تبرک کے لئے یٹے میں اس کی ذات سے اپنے پر لیا۔ سو اب بالکل مکمل دونوں ماہیت یعنی الٰہیت اور انسانیت باہم ایک شخص میں مزوج ہوئیں (جو کہ ہرگز علیحدہ نہ ہوں گی) کہ جن کا ایک مسیح ہوا، عین خدا اور عین انسان۔ فی الحقیقت اس نے رنج اٹھایا اور صلیب پر کھینچا گیا اور مر گیا اور مدفون ہوا تاکہ ہم کو باپ سے پھر ملائے اور نہ فقط گناہ جہنمی کے لئے بلکہ آدمیوں کے اعمال کے گناہ کے لئے بھی قسربان ہوا“

(۳)

”مسیح کے عالم ارواح میں جانے کے بیان میں“

”جیسے کہ مسیح ہمارے لئے مہا اور مدفون ہوا۔ ایسے ہی اعتقاد فرض ہے کہ وہ عالم ارواح میں گیا“

(۴)

مسیح کے حشر کے بیان میں

”مسیح مرنے کے بعد صدمہ تا پھر اٹھا اور پھر اپنے قالب میں گوشت اور استخوان اور دوسری چیزوں کے ساتھ جو انسان کی عین ماہیت سے متعلق ہیں در آیا، اور اسی شکل پر اس نے عرش پر صعود کیا، اور

عیسائی مذہب

عیسائی مذہب کے عقائد ”صلوات الجماعت کی کتاب“ (مطبوعہ چرچ مشن پریس، کلکتہ، ۱۸۲۶ء) میں تصریح کے ساتھ ۳۹ دفعات میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ عقائد کلیسائے انگلستان و آئرستان کے مطابق ہیں، جیسا کہ ان کی تمہید میں لکھا ہے :-

”عقائد جس پر کہ دونوں جگہوں کے اساتذہ اور اسقف الاساتذہ اور سارے علمائے دین اس مجلس میں جو کہ ۱۵۶۳ء میں لندن میں جمی تھی متفق ہوئے کہ آراء کے اختلاف کو دور کریں اور دین صادق میں اتفاق پیدا کریں“

ان میں سے بعض عقائد حسب ذیل ہیں :-

(۱)

”ایمان تثلیث مقدس کے بیان میں“

”ایک ہی حق خدا ہے۔ وہ قدیم ہے، اور وہ بے جسم اور اجزا اور ہوا و حرص کے، ساتھ اتمترار و حکمت و نکوئی غیر متناہی کے ہے۔ وہ خالق اور حافظ سب مری اور غیر مری چیزوں کا ہے۔ اور اس وحدت الوہیت میں تین فرد ایک ہی ماہیت و قدرت و قدامت کے ہیں، یعنی باپ اور

جس میں سیاسیات کو کوئی دخل نہیں۔ یہ رسوں خواب غفلت میں سوئے
 والے سکھ آج ست گورو کے حکم سے بیدار ہو رہے ہیں، اور اپنی
 دھارمک کمزوریوں کو ایک روحانی انقلاب کی صورت میں بسرعت
 تمام بدل رہے ہیں۔“

(۲۵) تاریخ دربار صاحب امرت سر: مرتبہ سردار ادھم سنگھ۔ خادم التعلیم
 ایسٹم پریس، لاہور۔ ۱۹۲۲ء۔ ص ۱۱۸۔

”اس کتاب میں دربار صاحب کے مفصل تاریخی حالات، عمارت کی خوبی
 مصالحہ کی تفصیل، طلائی اور نقرئی جوڑیاں، مندر کی گلکاری، اور قیمتی
 پتھروں کے تاریخی حالات بڑی کوشش سے سردار ادھم سنگھ صاحب
 نے لکھے ہیں۔“

شکر یہ ہم ایسے محسن کا ادا کیوں کر کریں
جاں کو صدقے، دل کو قرباں، سر کو ہم بے سر کریں
نوں سے ہو نور پھیلا اک جہاں میں چار سو
ہو الف سے اس احکا ذکر جاری کو بہ کو
نوں سے ہے نامرادوں کی برائی آرزو
کاف سے کامل ہو ذات نیک طینت نیک خو

ہے بزرگی کا نشان ناناک کے اک اک حرف میں

دونوں عالم کی بڑائی بھر گئی اس ظرف میں (ص ۱۵)

(۱۹) ناناک پر کاش :- مولفہ گورکھ سنگھ - مطبع آفتاب پنجاب - لاہور - ۱۸۸۳ء
ص ۳۸۰ - اس کتاب میں گرو ناناک کی تعلیمات شرح مویط کے ساتھ بیان کی گئی ہیں
(۲۰) گوروارجن مہاراج کی سوانح عمری " جسے ایک گورو کے سکھ نے بڑی بھگتی
سے بنایا، " مطبوعہ نول کشور پریس، لاہور - ۱۹۰۳ء - ص ۷۸ -

(۲۱) سچا بلی دان :- شری گوردیتھ بہادر جی کی دھرم پر قربانی، " مرتبہ گوپال سنگھ
آنند پرکاش پریس، امرت سر - ۱۸۹۵ء - ص ۳۶ -

(۲۲) گورو گووند سنگھ جی کا جیون چرتر :- مرتبہ دولت رائے۔ رفاہ عام پریس،
لاہور، ۱۹۰۱ء - ص ۲۹۶ -

(۲۳) سوانح عمری شری گورو گووند سنگھ دہم بادشاہ :- مرتبہ مکھن سنگھ - پنجاب
پریس، لاہور - ص ۶۵ -

(۲۴) سکھوں کا روحانی انقلاب :- مولفہ لاجپت سنگھ - کیمپی پریس، لاہور - ۱۹۲۳ء - ص ۶
اس کتاب کا مقصد سکھوں میں مذہبی بیداری پیدا کرنا ہے۔ دیباچے
میں لکھتے ہیں :-

" دنیا کے مختلف ممالک میں آئے دن سیاسی انقلاب ہوتے رہتے ہیں
اور کشت و خون کے دریا بہہ نکلتے ہیں۔ مگر آج ہم تاریخ مہند کے جس جذبہ
روحانی انقلاب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ خالص مذہبی انقلاب ہے۔

مزد کیوں کرتے ہو۔ کیا مسجد کو قابو میں رکھ سکتے گے؟

ملا صاحب :- میری مسجد کون اٹھالے جائے گا؟

گورو صاحب داگور کا نام لیکر مسجد پر سوار ہو گئے اور اس کو شہر کا میل کی چاروں طرف دوڑایا۔ یہ تماشا دیکھ کر سب لوگ حیران ہو گئے۔ اتنے میں قاضی صاحب بھی آگئے۔ دیکھا کہ مسجد دوڑ رہی ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے دل میں کہا۔ یا خدا، یہ تو کوئی بیڑا دیا ہے، یا کوئی اہل کلمات پیر ہے یا اس زمانہ کا پیغمبر ہے۔ پھر تو سب لوگوں کو ساتھ لیکر قاضی صاحب نے دست بستہ عرض کی۔ اے اللہ کے ولی، اُس خدا کے لئے جس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ مسجد کو کھڑا کرو۔ گورو صاحب نے مسجد کو چلنے سے ٹھہرایا۔ ہندو اور مسلمان سب آپ کے پاؤں پر گر پڑے۔

گورو صاحب نے مسلمانوں کو بایاں پاؤں اور ہندوؤں کو دایاں پاؤں پوجنے کی ہدایت کی۔ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر گورو صاحب کی پوجا کرنے لگے.....“ (ص ۸۵-۱۵۸۴)

تقریباً ساری کتاب اسی طرح کی راہیوں سے پُر ہے۔

(۱۸) گورونانک درشن :- از پنڈی داس قمر۔ مطبوعہ لکشمی آرٹ اسٹیم پریس، راولپنڈی ۱۹۲۲ء۔ ص ۱۱۲۔

یہ گورونانک کی منظوم سوانح عمری ہے۔ شاعرانہ نکتہ سنجی کے لئے اشعار ذیل ملاحظہ ہو

گورونانک درشن

گاف سے گلزار وحدت کا گل کیٹا ہے تو داو سے وحدت پرستی کے لئے آیا ہے تو
رے سے رہبر گمراہوں کا اے گورو بایا ہو تو داو سے وصل خدا کا راستہ سیدھا ہے تو

میں تری ذات کو دیکھتا ہوں جو نور ہے اور گنہگاروں کو ظلمت کدہ سے نکالنے والا ہے۔ پیرا نہ نے اس لذت کو جل کر پایا۔ مجھے تیرے حسن کی ہضیا بتا رہی ہے کہ میری جائے تسکین اگر کوئی ہے تو تو ہے۔
 وحدت کا مزہ تب آتا ہے جب دل کثرت کے راز سے آگاہ ہو۔ میری نگاہ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا نظارہ دیکھ رہی ہے اور یہ سرور ہے کہ عالموں کو ورثہ میں نہیں آتا۔

میں صرف الفت کے حقیقی معنی جاننے کا طالب ہوں جس کا سرچشمہ تو ہے۔ تو مجھے اپنی الفت عنایت کر۔ اپنی تبارگی دے کہ میرا دل ہمیشہ تیرے سجدہ میں پڑا رہے۔“

(۱۷) جنم ساکھی، بھائی بالادالی۔ مترجمہ بھائی دیارام عاکف۔ آزاد ہند پریس لاہور۔ بار سویم ۱۹۹۲ء بکرمی۔ ص ۷۷

یہ گرو نانک کی ضخیم سوانح عمری ہے جسے ان کے جانشین گرو انگد نے گرو نانک کے ایک رفیق بھائی بالاسے معلومات حاصل کر کے قلم بند کرایا تھا۔ سکھوں میں یہ کتاب نہایت مقبول ہے۔ لیکن اس میں جس قسم کی روایتیں درج ہیں۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔

”کابل کی مسجد“

”کابل کی مسجد میں جا بیٹھے۔ ملاں نے کہا تم ہندو نظر آتے ہو اور یہ مسجد قاضی صاحب کی ہے۔

گورو صاحب :- تو پوچھ کیا ہوا۔ ہم تو اسی میں بیٹھیں گے۔

وہ ملاں ضد اور تعصب سے گورو صاحب کو اٹھانا چاہتا تھا، لیکن آپ نہ اٹھتے تھے۔ آخر کار گورو صاحب نے فرمایا۔ ”ملاں جی، اس قدر

ہوتی ہے۔ اس کی طبیعت جو پہلے عیش کی طرت جاتی تھی، اب عاقبت کے خیال میں محو رہتی ہے۔ جہاں آگے کوئی گناہ کرتا اور اپنے ضمیر کا خون کر دینا معمولی بات تھی، اب اُسے اس سے ڈرانے لگتا ہے۔ جہاں آگے رات دن عیش و عشرت اور بے فکری میں گزارتا تھا، اب موت کا سامنا کرنے لگا۔ گویا زندگی کی رفتار کا رخ پلٹ جاتا ہے۔“

(ص ۳۷، ۳۸)

(۱۴) دھرم پیار :- از جواہر سنگھ کپور۔ مطبع اسلامی، لاہور۔ ۱۸۹۹ء۔ ص ۱۱۸۔
یہ سنگھ مذہب کی تعلیمات پر ایک لکچر ہے۔ جو بھائی جواہر سنگھ کپور نے سری گورد سنگھ سجھا، فیروز پور، کے سالانہ اعلان منعقدہ اپریل ۱۸۹۹ء میں پڑھا تھا۔
(۱۵) پوتھی شبدناویں محل :- از سوامی تپا سنگھ۔ مطبوعہ ہندوستان پریس لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۴۔

عبارت میں ہندی کے الفاظ زیادہ ہیں۔ گو ساتھ ساتھ عربی فارسی کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔

(۱۶) پچھول پٹاری اردو :- مصنفہ بابا برج بلب سنگھ بیدی مفید عام پریس لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۸۰۔

یہ مختصر کتاب عارفانہ مضامین پر مشتمل ہے جو نظم و نشر دونوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ نظم کا حصہ زیادہ ہے، ”وحدت اور کثرت“ کے زیر عنوان بیدی صاحب لکھتے ہیں :-
”پردانہ ذات کا عاشق ہے، صفات کا نہیں ہے، کیونکہ نور ذات ہے، صفات نہیں۔ صفت گرمی اور سردی ہے اور نور میں یہ دونوں طاقتیں ہیں۔ مگر نور دونوں میں نور ہے، خواہ سورج میں گرم ہے اور چاند میں ٹھنڈا۔“

اس کتاب میں سکھ مت کی تعلیمات پر مختصر مضامین ہیں۔ مثلاً:-
 ”انسان کی پوجا و سمرن“

”جیسا کہ خالصہ دھرم میں پیغمبروں اور اقداروں کی پوجا بالکل نہیں ہے بلکہ ایک ہی مالک حقیقی کی پرستش جائز ہے، ایسا ہی کسی انسان کی پوجا بھی واجب نہیں ہے۔ چنانچہ گوردوارجن جی مہاراج فرماتے ہیں (عبارت گورکھی)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے پرما تم کا جس کا کبھی ناش نہیں ہوتا ہے اور جو غیر فانی ہے، دل میں دھارن کرنا چاہئے۔ آدمی کے فانی پاؤں کو نہیں پوجنا چاہئے، یا اس کا سمرن نہیں کرنا چاہئے اور سب سے بڑھ کر پریم بھی اسی پرش کے ساتھ کرنا چاہئے جو ہمیشہ اٹل ہے اور ایک رس ہے۔“ (ص ۱۹)

(۱۳) سکھ مت کی تعلیم کا سلسلہ :- از کمزور دلچیت سنگھ سرورق غائب من ۱۶
 ”اخلاق“ کے عنوان سے لکھتے ہیں :-

”زہر کی مانند چیزوں میں کیوں لگ رہا ہے۔ ذرا کھی دان سے (اداس نہیں ہوتا۔ سری گرو صاحب فرماتے ہیں۔ اے من ہری کو بچ (تا کہ) جم کی پھانسی نہ پڑے۔“

سری گرو صاحب دینا دی عیش، نفسانی بھوگ، اور دنیا کی ترقی وغیرہ کو انسان کے لئے زہر کی مانند خیال کرتے ہیں۔ ان باتوں کا شروع میں کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان جوانی کے عیش بھوگ لیتا ہے، دینا دی ترقی کے لئے جدوجہد کر لیتا ہے، جوش جوانی میں ہر قسم کے گناہ و ثواب کر لیتا ہے، کبھی اس کے بعد کسی مدد کے گورنر اور بوڑھے کے قریب آجانے سے اسے آخرت کی فکر

نہیں رہتی، بلکہ ایک طرح یزید پس گیا ان روپ ہو جاتا ہے۔ ایسا لفظ
منہ سے پھر نہیں نکلتا کہ میں نہیں جانتا۔ مافا اس میں پس جانا ہی
ہو جاتا ہے۔ اور من سے منہ پر چوٹیں نہیں کھاتا اور کسی کی طرف سے
شرمندہ نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں کسی طرح کی خواہش یا ترشنا
باقی نہیں رہتی جو انسان کو نیچا دکھانے والی ہوتی ہے اور اس کو
سب طرف سے کمی میں رکھتی ہے۔ (ص ۲۰-۲۱)

(۸) پوٹھی سکھ متی صاحب: ترجمہ و شرح از سوامی مترسین جی، مطبوعہ پریم بلاس
پریس، گوجرانوالہ سترہ درج نہیں، ص ۲۰۰۔ ذوق پر یہ عبارت درج ہے :-
"یہ ٹیکا، جواری رسالہ پریم بلاس میں کئی سال سے مسلسل مضمون کے
طور پر شائع ہوتا تھا۔"

عبارت کا طرز وہی ہے جو ترجمہ کی شرح جپ جی کا ہے۔

(۹) آساد کی وار: ترجمہ و شرح از سوامی مترسین جی۔ گردنہ اسٹیم پریس لاہور
۱۹۲۵ء۔ ص ۱۵۸۔

یہ رسالہ پریم بلاس بابت نومبر ۱۹۲۲ء لغایت ستمبر ۱۹۲۵ء کے نمبروں کا مجموعہ
ہے جس میں آساد کی وار کی شرح چھپی ہے۔

(۱۰) پوٹھی اونکار: ترجمہ و شرح از سوامی مترسین جی۔ کرشنا اسٹیم پریس،
گوجرانوالہ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۱۰۔

(۱۱) پوٹھی رداس: ترجمہ و شرح از سوامی مترسین جی۔ گردنہ اسٹیم پریس
لاہور۔ ۱۹۲۳ء۔ ص ۱۲۸۔

(۱۲) مضامین خالصہ و صرم پر مصنفہ بھائی دیاسنگھ۔ ۱۸۸۹ء مطبع کا نام درج
نہیں، ص ۱۵۸۔

ہیں، اور بحث مباحثہ میں وقت رائسکاں کھوتے ہیں، پتھر پوجتے ہیں، لگلا
کی طرح سمدھ لگاتے ہیں، منہ سے ایسا جھوٹ بولتے ہیں کہ لوہے کو
زیور کی طرح ثابت کر دیتے ہیں۔ گاتیری فتر کو تین وقت (صبح، دوپہر
شام) پجار کرتے اور پڑھتے ہیں۔ گلے میں موٹے دانوں کی مالا پہنتے ہیں
اور ماتھے پر تلک لگاتے ہیں۔ دودھوتیاں رکھتے ہیں اور پوجا کے
وقت پیشانی پر کپڑا ڈالتے ہیں۔ لیکن جو فی الاصل برہمن کے فرائض
کو جانتا ہے۔ اس کے نزدیک بالیقین یہ حرکات و افعال سب
بے فائدہ محض ہیں۔ گورو صاحب فرماتے ہیں کہ ٹھیک عمل تو یہ ہے
کہ دلی یقین سے نام الہی کا ورد کرے۔ لیکن سوائے ہادی برحق

کے راستہ نہیں پاسکتا۔ (ص ۴۴۰)

پوختی جی سٹیک اور پوختی سکھ منی سٹیک مترجمہ بھائی دیارام عاف
علیحدہ جلدوں میں بھی ہندوستان پریس، لاہور اور نول کشور پریس، لاہور سے شائع
ہوئی ہیں۔

(۷۱) شری جی صاحب سٹیک :- ٹیکاسوامی مترسین جی رام متر ہندوستان
پریس لاہور۔ بارچہارم ۱۹۲۲ء (کاتب نے سنہ کا ایک ہندسہ سہوا چھوڑ دیا ہے)
ص ۱۱۹ -

اس شرح کی زبان میں ہندی الفاظ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً پڑی سے کی شرح
یوں لکھی ہے :-

”من کہنے سے من اور بدھی سرت یا گیان والی ہو جاوے۔ یعنی من اور
بدھی میں روشنی اور پیرکاش آجاتا ہے۔ من سے سب جگت اپنی سدھ
یا اپنے گیان میں آجاتا ہے مطلب یہ کہ پھر اپنے میں مورکھتیا یا بنجری

یعنی کوئی اس کا دشمن نہیں۔ اکال مورت، یعنی ہمیشہ زندہ، تہا ہے

اجونی سے بھنگ، یعنی جنم مرن سے رہت ہے۔“ (ص ۴۰-۵)

(۶) پوتھی پنج گرتھی :- ترجمہ و شرح از بھائی دیارام عاکف، مترجم جنم ساکھی اردو۔
پریس کا نام اور سنہ طباعت درج نہیں۔ ص ۴۶۴۔

اس مجموعے میں گرتھ صاحب کے مندرجہ ذیل حصے شامل ہیں :-

(۱) جپ جی۔ (۲) رہ راس۔ (۳) اونکار۔ (۴) سدھ گوسٹ۔ (۵) آئند۔

(۶) یادون اکھری (۷) سکھ مئی (۸) آسادی وار۔

نمونے کے طور پر اونکار اور آسادی وار کا ایک ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا

ہے جس سے ترجمے کی زبان اور کتاب کی شرح کا اندازہ ہو جائے گا۔

اونکار :- ارتھ - نام تھا کہ ایک جو ہر بے بہا ہے۔ اس کا جپ کرنا خلاصہ کلام

ہے اور یہی نفع ہے جو مرص وہا اور غور بڑا ہے۔ مدح اور مذمت کرنا

بے اعتباری ہے۔ نفس امارہ کا گرفتار جو ٹھک ہے۔ وہ دل کا اندھا

یہ قوت اور گنوار ہے، آدمی دنیا میں نفع کمانے کے لئے آیا ہے

لیکن افسوس کہ وہ مزدور ہو کر ٹھکوں سے ٹھگ لیا گیا ہے۔ یقین

سرایہ ہے۔ اور نام الہی کا وہ نفع ہے۔ گورو صاحب فرماتے ہیں

کہ سچے پات شاہ کے حضور سچی عزت اسی طریقے سے حاصل ہو سکتی ہے“

(ص ۹۹-۱۰۰)

آسادی وار :- آسا ایک راگ ہے جو صبح کے وقت گایا جاتا ہے۔ یہ کلام

اس راگ میں گایا جاتا ہے“

محلہ ۱

”ارتھ - برہمن پستک (پوتھیاں) پڑھتے ہیں، سندھیا کرتے

پشیمان ہو۔

شرح۔ یعنی جو شخص خداوند کی قدرت کا حال بیان کرے گا۔ آخر عاجز ہو کر پشیمان ہوگا، یا ان کے من کی کیفیت کے بیان کرنے سے قاصر رہ کر نادام ہوگا۔

کتھاں دریں رہ فرس رائدہ اند بہ لایحییٰ از تک فروماندہ اند
نہ ہر جائے مرکب توں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

(ص ۴۰-۹۱)

(۵۱) جب جی صاحب سٹیک :- از منی سنگھ۔ سرورق غائب
شرح کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے۔

”جب سری گورو نانک دیو جی کا گ بھنڈ سے بحث مباحثہ کر کے سُمیر پہاڑ پر گوز کو ناٹھ کے مکان تشریف لائے تو اس جگہ سدھان نے کہا کہ آپ کون ہیں اور اس جگہ کس طرح آئے ہیں، تو گورو نانک دیو جی نے فرمایا۔

ایک اونکار..... نانک ہو سی بھی سچ

ارتھ یعنی ترجمہ

ایک اونکار جس کو برہم کہتے ہیں، جب اس نے چاہا کہ میں ایک سے ایک یعنی بہت ہو جاؤں تو اس وقت مایا پیدا ہوئی۔ اس مایا سے تین دیوتے پیدا ہوئے تو پھر سدھوں نے کہا۔

سوال سدھان :- اس اکال پورکھ کا نام کیا ہے ؟

جواب گورو صاحب :- ہمت نام یعنی اس کا نام سچ ہے۔ کرتار پورکھ اس دنیا کا پیدا کرنے والا ہے۔ نہ بھو، اس کو کسی کا ڈر نہیں۔ نہ ویز

زیادہ ہذا کذب، کم راستی لگی پھیلنے گسر ہی اور کجی

کیا ترک جیب دھرم سنسار نے تو ناک کو بھیجا نرکار نے
مہاراج حامی شرع متیں شہنشاہ ملت، شہنشاہ دیا
امام الرسل، قدوة الانبیا شفیع الامم، زبدۃ الاصقیا
سر سردراں، سر در مقبالاں شہر عارفان، مرشد کمالاں (۱۱-۱۲)

”پلڑی دو از دہم“

”طالب حق نے سوال کیا کہ جس پاک نام کے سنتے میں اس قدر فوائد
میں تو اس کے ماننے یعنی اس پر یقین کرنے کے فوائد تو بے شمار ہی
ہوں گے۔ اس کے جواب میں گوردی فرماتے ہیں سہ
منے کی گت کہی نہ جائے۔۔۔ جس کو میں نے دل میں مانا ہے
اس کی قدرت بیان نہیں ہو سکتی۔

شرح :- یعنی خداوند پاک کی قدرت اور ماہیت بیان نہیں
ہو سکتی، کیونکہ وہ لا انتہا ہے اور بیان کرنے والا محدود۔ سہ

نہ براہِ ج ذاتش پرد مرغ دہم نہ در ذیل و صفش رسد دست فہم
نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد نہ فکر ت بغور عفا تش رسد
دریں درطہ کشتی فرد شد ہزار کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار
یا اس طرح معنی ہو سکتے ہیں کہ سر دل کی کیفیت تو وہ ہے جو اوپر
بیان ہوئی، من کی کیفیت اس سے ٹیرہ کر ہے کہ جس کا پورا پورا حال
بیان ہو نامحال ہے۔ یعنی اس میں سر دل سے بڑھ کر فوائد ہیں۔

بت کو کئے پیچھے چھپائے۔۔۔ اگر کوئی اس کو بیان کرے تو آخر

ترجمے اور تشریح کا نمونہ یہ ہے :-

”پوڑی ۱۔ قیاس سے وہ عقل میں نہیں آسکتا اگرچہ لاکھ بار ہی قیاس کیا جائے، اور خاموشی سے اس کی اصلیت کو نہیں پہچانا جاتا۔ اگرچہ آنکھ موند کر چپ ہو کر برابر بیٹھ رہیں جس طرح خواہش مند کی خواہش نہیں مٹتی اگرچہ ساتوں پوڑیوں کی حشمت کی بہار باندھیں، ہزار ہا دانائیاں بلکہ لاکھ ہا بھی ہوں مگر پیشتر کی شناخت میں ایک بھی مدد نہیں کر سکتی۔ پھر خدا کی تحقیق میں ہم کیسے سچے ہو سکتے ہیں اور کس طرح دروغ یعنی گمان کی دیوار کو توڑ سکتے ہیں۔ اس لئے ہم یہی کہتے

ہیں کہ جو اس کے حکم ہیں اور اس کی مرضی ہے اس میں ہم کو چلنا چاہئے“ (ص ۵)

(۳) جب پرمارتھ :- مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ مترجم کا نام اور سنہ طباعت درج نہیں۔ نسخہ بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ ص ۳۲۔ متن کی ہر سطر کے نیچے اردو ترجمہ لکھا گیا ہے۔

(۴) جب جی صاحب مشرح :- سر ورق اور آخری ورق غائب۔ اس لئے مترجم کا نام، مطبع اور سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ”مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات“ کے آخری اور ”نعت سری گورونانک جی“ کے پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم و تاسیح کا تخلص مشرقی ہے۔ مناجات کے خاتمے پر کہتا ہے :-

مرا انجام ہو باخیر و خوبی دعا ہر دم یہی ہے مشرقی کہ

مترجم کو نظم و نثر دونوں پر قدرت حاصل ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے :-

”در نعت سری گورونانک جی نرنکاری، مقبول بارگاہ باری

پس از حمد داراے لوح و قلم کرے مشرقی نعت نانک رقم

ضلالت پہ جب سب نے باندھی مکر لگے پوجنے لوگ شمس و قمر

کے آخری لفظ واسطے تعظیم بزرگ عبارت کے لگایا گیا ہے، اور اکثر
 سکھ لوگ تصنیفات گرو صاحب کے سبب سے چپ جی صاحب کہتے
 ہیں۔ یہ چپ جی تصنیف گرو نانک صاحب کی ہے جو پہلے وقتوں میں
 ان کی تصنیف ہوئی ہے۔ اور پوٹری نام ایک منزل کا ہے جس کا وزن
 ایک علیحدہ طور پر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان پوٹریوں کے پڑھنے
 سے آدمی پر مشرک درگاہ میں پہنچ سکتا ہے۔ یعنی یہ درگاہ باری تعالیٰ
 کی میٹھی ہے۔ اس میں عبارت نظم پوٹری نام سے ہے۔ زبان پرانی
 ہندی ہے اور عربی و سنسکرت رلی ملی ہے، اور بہت سے لفظ مختلف
 اپنے ڈھنگ پر مصنف نے تحریر کئے ہیں۔ اکثر ایسی عبارتوں کا پہلے
 زابدوں میں صرف ونحو کے قاعدے پر کچھ خیال نہیں کیا جاتا تھا، یہ
 سبب اس کے کہ ذات پاک میں ہر وقت محو رہتے تھے جس وقت
 گرو نانک صاحب چاہتے تھے تصنیف کر لیتے تھے۔ جیسا کہ مختلف وقتوں
 میں سوال کرنے سے جواب دیتے تھے اس کو گرو صاحب کے چیلے لکھ
 چھوڑتے تھے۔ گرو انگد جو جانشین گرو صاحب کا تھا۔ اس نے گرو صاحب
 موصوف کی تصنیفوں سے منتخب کر کے انتالیس پوٹریں ایک جگہ لکھیں
 اور بعدہ چالیسواں ایک شلوک اس میں درج کیا۔ سوال و جواب
 سدا صدوں کا دھرم میں کراتی ہیں کہ جن کو آئندہ کا کمال حال واضح
 ہوتا ہے اور جو وہ چاہتے ہیں سو کر سکتے ہیں) سلسلہ دار بنا کر پوٹریوں
 میں قائم کیا، اور ان پوٹریوں کو مردانہ زبان کا تھا اور بجاتا تھا، اور
 ان میں مطلب خدا کو واحد جاننا اور مالک جاننا اور بے انت جاننا ہی
 اور ان کا مدعا گمراہ دنیا کو عبادت کا سیدھا راستہ بتلانے کا تھا۔ (۳۰)

ہیں :-

(۱) ”سری اوگرنتھ کا ترجمہ اردو زبان میں اس ترتیب سے کہ اول اسل شلوک فارسی خط میں اور پھر اس کی شرح اردو زبان میں“ از منشی برج محل مطبوعہ گیان پریس گوجرانوالہ۔ ص ۴۴۔ اسنہ درج نہیں۔ نسخہ قدیم۔

یہ گرنتھ کے ابتدائی حصے کا ترجمہ ہے۔ ممکن ہے اس سلسلے کی دوسری جلدیں بھی چھپی ہوں مگر وہ دستیاب نہیں ہوئیں۔ اس میں جپ جی، کا جو گرد ناک کی تصنیف ہے، ترجمہ اس طرح کیا ہے :-

”ایک اونکار نام کرتار پورکھ زنجیر بریر کال مورتا اجونی سے پن

گور پرشاد

واحد مطلق یا مظہر صفات ثلاثہ یا مہمن حق یا فاعل کل وہی ذات پاک ہے جو خوف اور عداوت اور موت اور محدث سے پاک اور خیم اور مرن یعنی تناسخ اور آؤگون سے آزاد اور مظہر رحمت مرشدی ہے۔

جپ

آد سچ جوگ آد سچ ہے بھی

سچ ناک ہو سی بھی سچ

ورد کر کہ ازل میں بھی حق تھا اور عالم سخی سے پہلے بھی حق تھا ادھاب

بھی وہی حق ہے اور اے ناک آئندہ بھی وہی حق ہوگا۔“

(۲) عطر روحانی۔ ترجمہ جپ جی صاحب۔ از سرور اعظم سنگھ۔ مطبوعہ گیان پریس گوجرانوالہ۔ ص ۴۰۔ دیباچہ کا ایک اقتباس جس سے کتاب پر روشنی پڑتی

ہے حسب ذیل ہے :-

”جپ لفظ ہندی ہے کہ جس کے معنی یاد کرنا پریشہر کا ہے جپ لفظ

گنہگاروں کو وہ غمزدیاں و صاف کردیتا۔ یہ بالکلاس کے چیلنج بھی اپنے منانداروں کی
نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہستی اعلیٰ سے دعا و مناجات کا ذکر
گزشتہ میں مشنل سے نہیں لکھا ہے ایک گروہ سے دعا اور مناجات کی تاکید اکثر پائی
جاتی ہے۔

سکھ گرو جبر بند مرتبے کے مری تھے اس کا نتیجہ قدرتا یہ ہوا کہ انھیں خدائی کا
رتبہ دے دیا گیا۔ گرو نانک تو اپنا ذکر بہت اٹکسار کے ساتھ کرتے تھے۔ اور اپنے تئیں
جہاں اور تمام گنہگاروں سے ادنیٰ ہونے کا اقرار کرتے تھے، لیکن ان کے جانشینوں
نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اپنے پیروں کی ذلیل خوشامد سے گرو کی ہستی اور تہا اعلیٰ
کو ایک قرار دینا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کو خدائی کا وہ منصب دے دیا گیا جو
شاید ہی کہیں سنا بھی گیا ہو۔ جان و مال اور عزت و آبرو گرو پاس طرح قربان کر دی
گئی کہ اس سے ہمارے انسانی احساس کو سختی سے بے ہوش کیا ہے۔ سکھ قوم کی اخلاقی
ترقی کے لئے یہ بڑی خوش نصیبی کی بات تھی کہ دوسرے گرو گوند سنگھ کے بعد گرو کا
عہدہ ختم کر دیا گیا۔

سکھوں کی مذہبی کتابیں | سکھوں نے اپنی مذہبی کتابیں جو اردو میں ترجمہ
یا تالیف کی ہیں ان کی زبان بھی یہی ہے جسے

آج صرف مسلمانوں کی زبان کہا جاتا ہے۔ سکھ مذہب کی مقدس کتاب گرنٹھ صاحب
ہے۔ اس کا پورا ترجمہ تو اردو میں اب تک نہیں ہوا ہے، لیکن اس کے اہم حصوں کے
متعدد اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ کتب خانوں میں جو ترجمہ مجھے مل سکے وہ حسین علی
ملہ ترجمہ آدمی گرنٹھ (انگریزی) از ڈاکٹر ارشد طرمپ۔ مطبعہ لندن، ۱۹۵۷ء میں

ہری کے نام کا ورد چونکہ نجات حاصل کرنے کا بظاہر ایک نہایت آسان ذریعہ ہے اس لئے بسکھ گروؤں نے اس خیال سے کہ وہ خود غیر ضروری نہ سمجھ لئے جائیں۔ یہ قید لگا دیا کہ یہ نام صرف گرو کی تلقین سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اور جو شخص بغیر گرو کی تلقین کے اس کا ورد شروع کر دے گا وہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ ہری کا نام صرف سچے گرو سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اور گرو اس نام کی تلقین صرف انھیں لوگوں کو کرتا ہے جن کی پیشانی پر ابتدا ہی سے یہ مساوات لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ نجات عالم گیر نہیں بلکہ محض منتخب اشخاص تک محدود ہے۔ ان کا انتخاب نیک کاموں کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ ہری کی مرضی پر ہوتا ہے، جس کے اہم اصولوں کا اشارہ گرنٹھ میں کہیں نہیں کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ منتخب لوگوں کی نجات بھی مکمل کی مدت میں آجاتی ہے۔ کہیں کہیں یہ چیز بہت صاف افطوں میں ظاہر کر دی گئی ہے۔ گرو ارجن کہتے ہیں: "اگر مالک کی مرضی ہو تو آدمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اگر مالک چاہتا ہے تو پتھر کو صلیب بنا دیتا ہے۔ اگر مالک کی مرضی ہو تو وہ گنہگار کو رہائی دیتا ہے۔ وہ ہی خود مل کر رہتا ہے۔ وہی خود بارش ہوتا ہے۔ اندرونی حاکم مکمل تماشہ کرتا رہتا ہے اور وسوسہ دیتا رہتا ہے۔ جو کام اس کو پسند ہوتا ہے اسے کرا دیتا ہے۔"

گرنٹھ گرو کی تعریف و توصیف سے پُر ہے۔ گرو ہی کامل نجات کے لئے واحد اور بے خطر رہتا ہے۔ وہ ہری اور نوع انسانی کے درمیان ایک شفیع کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر خدا کے دربار میں کوئی بھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے چیلے کو بے چون و چرا گرو کے احکام کی تعمیل کرنی چاہئے اور اپنے جسم و روح کو اس کا مطیع و فرمانبردار بنا دینا چاہئے، کیونکہ اس کی نجات تمام تر گرو کے رحم و کرم پر موقوف ہے جو کچھ بھی گرو کہتا ہے۔ ہری اس کی تصدیق و توثیق کرتا ہے۔ جسے گرو ملا دے وہی ہری سے ملا رہتا ہے۔ گرو نجات دلانے کی اتنی وسیع قدرت رکھتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ بڑے بڑے

ہندوؤں کی طرح مسکیوں کے نزدیک بھی سب سے بڑی برائی ہے، اور اہم ترین مسئلہ یہی ہے کہ اس سے نجات کیونکر حاصل کی جائے۔ ہندو یا سکھ کا نصب العین جنت نہیں ہے، کیونکہ وہاں وہ ہمیشہ نہیں رہنے پائے گا۔ اس کا نصب العین جیسا کہ بھگتوں اور ان کے پیرو سکھ گروؤں نے سمجھایا ہے، یہ ہے کہ روح شیشیہ نور میں تبدیل اور انفرادی وجود مکمل طور پر فنا ہو جائے۔

ہستی اعلیٰ کے متعلق سکھ گروؤں کے ہمہ اوستی عقائد میں اگر کوئی شبہ ممکن ہے تو وہ ان کے عقیدہ نردان سے زائل ہو جائے گا۔ جب کسی شیشی خدا کا عقیدہ نہیں ہے تو انسان اس سے شخصی رفاقت کا حوصلہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اس جوہر مطلق میں تحلیل ہو کر غائب ہو جائے۔ اسی لئے ہم گرتھہ میں کسی آئندہ زندگی کی مسرتوں کا ذکر نہیں پاتے کیونکہ جنت کا وجود تو تسلیم کیا جاتا ہے، تاہم اسے کوئی پسندیدہ شے نہیں سمجھا جاتا۔ روح کے غیر فانی ہونے کی تعلیم صرف اسی حد تک دی جاتی ہے جس حد تک عقیدہ تناسخ کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ لیکن روح جب اپنے اعلیٰ ترین متمدد کو حاصل کر لیتی ہے تو پھر اس کا ذکر نہیں آتا کیونکہ اب وہ بہ حیثیت ایک انفرادی روح کے باقی نہیں رہتی۔

دینا اور اس کی لذتوں کو ترک کر دینا، پانی کے مقدس گھاٹوں پر غسل کرنا خیرات دینا، یہ سب باتیں نیک کاموں میں شمار کی جاتی ہیں، مگر کامل نجات کے لئے کسی طرح کافی نہیں، کیونکہ ان میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ انانیت کو دور کر سکیں یہ مقصد صرف ہری کے نام سے حاصل ہو سکتا ہے جو معجزانہ طور پر گناہ کی تمام آلائشوں کو دھو دیتا ہے، آداگون سے نجات دلاتا ہے، اور ہری سے پھر ملا دیتا ہے ہری کا نام نفع انسانی کے درد کی ایک عالمگیر دوا ہے۔ جو اس نام کا درد رکھتا ہے وہ ایک لمحے میں نجات حاصل کر لیتا ہے۔

گزشتہ میں بعض مقامات پر تحقیق کو صاف لفظوں میں توسیع کرا گیا ہے۔ گزرا جن کہتے ہیں:-
 ”وہ خود ہی ایک ہے اور خود ہی متعدد ہے“ پھر کہتے ہیں:- ”اسی مالک سے تمام چیزیں پیدا
 ہوئی ہیں۔ وہ چاہتا ہے تو توہین کر دیتا ہے اور چاہتا ہے تو ایک ہی شکل میں رہتا ہے“
 ہر جگہ اور ہر شے میں وہ ایک جاری و ساری ہے۔ یہ تو مایا ہے جسے اس قادر مطلق نے
 تمام کائنات میں پھیلا رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوقات اپنے آپ کو انفرادی ہستیاں
 خیال کرتی ہیں۔ دنیا حقیقت میں اس ہستی مطلق کے کیسے سے زیادہ نہیں جو اپنے کو
 حسب خواہش کشادہ یا تنگ کرتی رہتی ہے۔ ہر ہی قائم کرتا ہے اور منہدم کرتا ہے
 زندہ کرتا ہے اور فنا کرتا ہے۔ اس نے دنیاؤں کی ایک غیر محدود تعداد پیدا کی ہے جو
 کھلونے کی طرح ظاہر اور غائب ہوتی رہتی ہیں۔

ہستی مطلق کی یہ تعریف تمام وحدت الوجود دیتی ہے۔ گزشتہ میں وحدت الوجود
 کی دو قسمیں ملتی ہیں، ایک لطیف اور دوسری غیر لطیف غیر لطیف قسم کی وحدت الوجود
 کے لحاظ سے ہستی مطلق اور کائنات کی تمام اشیاء ایک ہی وجود رکھتی ہیں یہ کائنات
 اپنی مختلف شکلوں میں اسی ایک کی توسیع ہے۔ برخلاف اس کے لطیف قسم کی
 وحدت الوجود ہستی مطلق اور غیر مطلق اشیاء کے درمیان امتیاز قائم کرتی ہے۔ اور اس
 کی سرحد خیا پرستی کے عقیدے سے مل جاتی ہے۔ گو خدا اپنی ہی ذات سے تمام اشیاء
 کو پیدا کرتا رہتا ہے۔ تاہم اس کا وجود مخلوقات سے علیحدہ اور جداگانہ رہتا ہے
 اور وہ مایا سے آلودہ نہیں ہوتا، جس طرح کنول کا پھول تاناب میں رہنے کے باوجود
 پانی سے مینہ رہتا ہے۔

ہر روح کے متعلق سکھوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جسم انسانی میں داخل ہونے سے
 پہلے وجود کی چوراسی لاکھ قسموں سے وہ زچکی ہوتی ہے۔ اسی لئے انسانی وجود اتنا
 قیمتی خیال کیا جاتا ہے۔ آخری نجات اسی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ تناسخ ارواح

ہوئے ملتے ہیں۔ تمام بنیادی اور میں وہ اس زمانے کے عام مہند و فلسفے کی پیروی کرتے تھے، خصوصاً اپنے پیش رو کبیر کی۔ چنانچہ کبیر کے دھروں کی ایک بڑی تعداد گرتھ میں شامل کر لی گئی ہے۔ کبیر کے علاوہ دوسرے مشہور بھگتوں کا کلام بھی گرتھ میں شامل ہے جو اصول و عقائد گردناتک نے بیان کر دئے تھے، بعد کے گردوں نے انہی کو بغیر کسی انحراف یا تبادز کے قبول کر لیا، اور گردارتن نے جب گرتھ کو مرتب کر دیا تو ان اصول و عقائد پر کبھی شک شبہ نہیں کیا گیا اور گرتھ ایک متورس الہامی کتاب سمجھی جانے لگی۔ دسویں گرد گوند سنگھ نے بہت سی باتوں میں پھر مہند و دھرم کی طرف رجوع کیا، کیونکہ وہ دھکا کے خاص پرستار تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ قادر مطلق کی وحدت کے بھی بیشہ قائل رہے، اور جو بدعتیں انہوں نے جاری کیں ان کا تعلق عقائد سے اتنا نہ تھا جتنا عملی زندگی سے تھا۔

گردناتک کے عقیدے کی بنیادی چیز ہستی الٰہی کی وحدت تھی، گوان سے بہت پہلے مہندوں کے اکثر فلسفیانہ نظاموں میں یہ تخیل پیش کیا جا چکا تھا اور اسے بھگتوں خصوصاً کبیر نے مقبول عام بنا دیا تھا اس ہستی الٰہی کے مختلف نام ہیں۔ رجسب کے سبب ریشیتو فرقے کے نظام تسمیہ کے مطابق ہیں (مثلاً برہم، پریشور، ہری، رام، گوند راجہ) فی الحقیقت اسی ہستی کا ہے۔ یہ غیر مخلوق ہے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں زمانہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ ابدی ہے، اس میں تمام نعمات موجود ہیں۔ باوجود اس کے یہ صفات سے معرا بھی ہے۔ اسی وجہ سے اس تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہ ہستی غیر مرئی ہے۔ دیوتاؤں کیلئے بھی ناقابل فہم اور ناقابل بیان ہے۔ یہ تمام چیزوں کی اصل اور بنیاد ہے۔ یہ وہ حشرِ شیم ہے جس سے سب جاری ہوئے ہیں۔ یہ علت العلل ہے۔ اس معنی میں اس کو خالق کہتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس نام سے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ کوئی شے عدم سے وجود میں لائی گئی ہے جب اس ہستی مطلق کو خالق کہا جاتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہی توسیع کے ذریعے کثرت اشکال میں ظاہر ہوتی ہے اسی لئے

مثلاً گائےیں تقدیس الہی کے وجود کے قائل ہیں۔ گائے کو مار ڈالنا ان کے نزدیک قبیح ترین جرم ہے، اور اس کی سزا موت سے کم نہیں۔ یہ عقیدت گرتھ کے کسی حکم کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد مسلمانوں کے ذبیحہ گائے کی مخالفت ہے۔ علاوہ بریں وہ ہندوؤں کے آداگون کے عقیدے کو بھی پوری طرح تسلیم کرتے ہیں، اور ان کا اعتقاد ہے کہ جو دکنی ۲۰ لاکھ شکلیں ہیں جن سے تمام رعوں کو اپنے اصلی سرچھٹے تک پہنچنے سے پہلے گزرنا پڑتا ہے۔

ایک اور خاص خصوصیت اس مذہب کی یہ ہے کہ اس میں گرو کی شخصیت کو غیر معمولی برگزیدگی حاصل ہے۔ ہر معاملے میں، خواہ اس کا تعلق خدا سے ہو خواہ انسان سے گرو کا قول قانون کا حکم رکھتا ہے۔ سکھیا چیلانے کا طریقہ یہ ہے کہ گرو ایک قسم کے شریعت سے جیسے وہ دودھارے خنجر سے ہلا کر متحرک بناتا ہے اس کو پتہ سمہ دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ چیلے کو ہری کے نام کی تلقین ایک مخصوص عبارت میں کرتا ہے، اور اس تلقین کا اثر صرف گرو کی زبان سے ادا ہونے پر موقوف سمجھا جاتا ہے۔ وہ چیلے کو حکم دیتا ہے کہ ہری کے نام کا درد ہمیشہ جاری رکھے، ہری کی صفات حسنہ سے کبھی غافل نہ ہو، اور اس وقت تک چین نہ لے جب تک اپنی ہستی کو ہری کی ہستی میں فنا نہ کر دے۔

ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ (DR. ERNEST TRUMPP) نے اپنے انگریزی ترجمہ گرتھ میں جو فاضلانہ تہیدی مقالات لکھے ہیں ان میں سے تیسرے مقالہ ”سکھوں کے مذہب کا خاکہ“ کے بعض حصوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

گرو نانک خود کو نئی مستقل مفکر نہ تھے، اور نہ انھوں نے علمی اصولوں پر کوئی نظام فلسفہ ترتیب دیا۔ وہ اپنے خیالات غیر مرتب طور پر پیش کرتے تھے جو گرتھ میں جابجا بکھرے۔ سکھ مذہب سے متعلق یہ تمام معلومات پیر دنیسے مونیر دلیس کی کتاب ”سہن وستان کی مذہبی فکر اور زندگی“، صفحہ ۱۶۲ لغایت صفحہ ۱۷۳ سے ماخوذ ہیں۔

مورداں کو غیر، اور پندرہ بیسٹ یا پندرہ درج تھاں ہیں۔ یہ بیسٹاں گردوں کی درج میں
 قصیدے لکھنے پر مامور تھے۔ اور ان کے یہ قصیدے بھی گرنٹھ میں شامل کر دئے گئے ہیں۔
 گرنٹھ کی زبان قایم پنجاب سے زیادہ قدیم ہندی سے اتنی چلتی ہے۔ سکھ گردوں نے
 ان زبان کو نابا اس وجہ سے اختیار کیا تھا کہ اس کے ذریعے سے وہ تمام ہندو قوم کو اپنا
 پیلا بھائی سمجھ سکیں گے۔ گرنٹھ کا رسم الخط اگر مٹھی بت۔

سکھ مت کی بنیاد ایک زبردست مذہبی اصناف پر قائم کی گئی تھی۔ لیکن فی حقیقت
 یہ امتلائی شریک و تشنویت یا برہمنیت سے بہت کم مختلف تھی۔ گرنٹھ خدا کی وحدانیت کا
 اعلان کرتی ہے۔ مگر اس کے اندر ذاتِ ابد کی تہ تک پہنچنے کے بعد یہ بات معلوم ہوتی
 ہے کہ یہ وحدت ہمہ اوستی خیالات پر مبنی ہے۔ خدا ایک ہی ہے، لیکن وہ اپنے کو ہر جگہ اور
 ہر چیز میں ظاہر کرتا ہے۔ گرنٹھ کے مختلف مقامات سے واضح ہوتا ہے کہ سکھوں نے
 قادر مطلق کے لئے ویشنو، ہری، کرشنن، رام، اور گوندک نام قبول کئے ہیں، اور
 ان مختلف بزرگ شخصیتوں کو جو ان ناموں کی سمجھی ہیں خدا کے واحد کے مظاہر ماننے کے
 لئے تیار رہا۔ وہ بت پرستی کو ممنوع قرار دینے پر غور کرتے ہیں، مگر انھوں نے خود اپنی مذہبی
 کتاب (گرنٹھ) کو ایک بت کی حیثیت سے رکھی ہے۔ اس کی پرستش حقیقتہً وہ اسی طرح
 کرتے ہیں۔ جیسے ہند اپنے بتوں کی رائے بے سمجھتا ہے، آراستہ کرتے ہیں، پنکھا
 بھلتے ہیں، رات کو بستر پر سلاتے ہیں، اور اس کے ساتھ بہت کچھ ویسا ہی کرتا کرتے
 ہیں۔ جیسا کرشن کے بتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سکھ مت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جنگ مذہب کا ایک ضروری جز
 بنادی گئی ہے۔ اس مذہبی اصول سے عقیدت ظاہر کرنے کے لئے سکھ اپنے گردوں کے
 اسلحہ کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ مذہباً ہندوؤں سے مختلف ہونے کے باوجود وہ ہندو رسم و
 رواج کے بھی پابند ہیں، بلکہ ادھام پرستی میں وہ عام ہندوؤں سے بھی بڑے ہوئے ہیں۔

میں جنگ جوئی کا جوش پیدا کرنا تھا۔ انھوں نے عہد اُصلح کے بجائے جنگ کو ایک مذہبی فریضہ قرار دیا۔

گوند سنگھ مذہبی پیشوا سے بڑھ کر ایک فوجی سردار تھے۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ لڑائیوں میں گزرا۔ لیکن اورنگ زیب کے مقابلے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ مجبور ہو کر وہ مالوہ چلے گئے اور وہاں اپنے لئے ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائی۔ جس کو دمرہ کہتے ہیں۔ یہ مقام بھی سکھ قوم کا مرجع بن گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہرننگ زیب کی وفات پر گوند سنگھ نے اس کے جانشین بہادر شاہ کی عنایت حاصل کر لی تھی۔ اور دکن میں ایک فوجی دستے کی سرداری بھی انھیں بادشاہ کی طرف سے مل گئی تھی۔ مگر وہاں کسی پٹھان نے جس سے ان کی ذاتی نزاع تھی۔

انھیں قتل کرنے کی کوشش میں بُری طرح زخمی کر دیا، اور چند روز کے بعد انہی زخموں کے صدمے سے نادیر کے مقام پر شہداء میں ان کی وفات ہو گئی۔ گوند سنگھ نے اپنا جانشین مقرر کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن وہ خوب جانتے تھے کہ سکھ مت کو ایک مستقل مذہب کی حیثیت سے قائم رکھنے کے لئے اقتدار کی ایک موجود علامت ضروری ہے۔ چنانچہ انھوں نے گرنٹھ کو ایک طرح کا مستقل مذہبی گرد قرار دیا، اور اسے ایک شخصیت دے کر ”گرنٹھ صاحب“ کے نام سے موسوم کیا۔ انھوں نے ہدایت کی کہ ”میرے بعد تم لوگ ہر جگہ گرنٹھ صاحب کو اپنا گرو سمجھو۔ جو کچھ بھی تم پوچھو گے اس کا جواب وہ دیں گے۔“

گرنٹھ کے دو حصے ہیں۔ ’آدی گرنٹھ‘، یا پہلی کتاب، جس کا احترام عام طور پر کیا جاتا ہے اور دسویں گرز کا گرنٹھ، جو سکھوں کے تشددِ طبیعت میں زیادہ مقبول ہے۔ آدی گرنٹھ میں کم از کم پینتیس مختلف اشخاص کے منظوم اقوال اور مقولات درج ہیں۔ ان میں پہلے چھ گرد یعنی گرد ناک، گرد انگد، گرد امرا داس، گرد رام داس، گرد ارجن، اور گروتیخ بہادر بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ چودہ جگت ہیں، مثلاً رامانند، کبیر، پدپا، رومی داس، دھنا، نام دیو،

واقعہ یہ ہے کہ گوند سنگھ ہی نے سکھوں کو ایک جنگجو قوم بنایا۔ اگر پہلے گردوناک سکھ مت کے بانی تھے تو دوسویں گردو، گوند سنگھ، سکھ قومیت کی بنیاد ڈالنے والے تھے۔ ان سے پہلے دوسرے مصلحوں نے بھی مذہبی حیثیت سے ذات پات کی تفریق مٹانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گوند سنگھ نے اس تفریق کی خرابیوں کو خالص سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا۔ ان کے خیال میں ہندوؤں پر مسلمانوں اور دوسرے فاتحوں کا غلبہ زیادہ تر اسی تفریق کی پیدا کی ہوئی نا اتفاقی کا نتیجہ تھا۔ اسی لئے انھوں نے اس باب میں ہندوؤں کے شدید تعصبات کے باوجود سکھ فرقے کے تمام افراد میں کامل معاشرتی مساوات کا اعلان کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور تدریس بھی اپنے پیروؤں کو ایک علیحدہ قوم بنانے کی غرض سے اختیار کیں۔ مثلاً سکھوں کو اپنے نام میں ”سنگھ“ کے لفظ کا اضافہ کرنے کا حکم دیا جس کے معنی شیر کے ہیں، اور سر پر لمبے بال رکھنا، ہمیشہ تلوار یا مندرے رہنا، تمباکو سے پرہیز کرنا، اور بجائے دھوتی کے جانگھیا پہننا ان کے لئے ضروری قرار دیا۔ ان کا نام خالص رکھا، یعنی گردو کی مخصوص ملکیت، اور سکھ مت میں داخل ہونے کے لئے پستے کی قسم کی ایک رسم مقرر کی جس کو ”پاہل“ کہتے ہیں۔ اس رسم کی ادائیگی کے وقت سکھ یعنی چیلے کو حلف لینا پڑتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے جو مذہبی حقوق سے محروم کر دئے گئے ہیں میل جول نہ رکھے گا، بت پرستی سے پرہیز کرے گا، گردو کے سوا کسی کے سامنے سر نہ جھکائے گا اور کبھی دشمن کو پیٹھ نہ دکھائے گا۔

گوند سنگھ نے ایک دوسرا گرنٹھ بھی تصنیف کیا جسے دسویں گردو کا گرنٹھ کہتے ہیں، اور جو پہلے گرنٹھ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا۔ گردوناک اور ان کے جانشینوں کے اقوال و احکام جو گردو راجن نے مرتب کئے تھے۔ زیادہ تر حلم و انکسار اور امن و صلح کی تلقینات پر مشتمل تھے۔ گردو گوند نے اپنے ضمیمے میں آدی گرنٹھ کی مذہبی تعلیمات کی تو پیروی کی، لیکن ان کے علاوہ ایسے اقوال و احکام بھی شامل کر دئے جن کا مقصد سکھوں

گرد ارجن نے سکھوں کو متحد رکھنے کے لئے ایک کتاب اور کسی قسم کی منظم حکومت کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ گرتھ کی تدوین انھیں سے منسوب کی جاتی ہے۔ انھوں نے مختلف مقامات کے سکھوں سے ٹیکس وصول کرنے کا ایک باقاعدہ نظام بھی قائم کیا۔ انھیں کی سرکردگی میں امرت سرکاتالاب اور مندر سکھوں کا مقدس مرکز بن گیا۔ وہ پہلے سکھ گرد تھے جنھوں نے دنیوی اقتدار اور مذہبی پیشوائی دونوں کو اپنا لقب العین قرار دیا۔ چھٹے، ساتویں اور آٹھویں گرد کی زندگی کو ئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ نویں گرد تیغ بہادر کی سرگرمیوں نے اورنگ زیب کو اپنی طرف متوجہ کیا، اور اُس نے تیغ بہادر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ تیغ بہادر جب قید کی زندگی سے عاجز آگئے اور رہائی کی امید باقی نہ رہی تو انھوں نے ایک ساتھی قیدی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ مگر اس واقعے سے سکھوں کی سیاسی تحریک بجائے دبنے کے اور ترقی کرنے لگی۔ تیغ بہادر کی موت نے سکھوں کی تاریخ کا ایک نیا باب کھول دیا۔ اب سکھ ایک جنگجو قوم بن گئے۔

تیغ بہادر کے لڑکے گووند سنگھ جو دسویں گرد کی حیثیت سے گدی پر بیٹھے اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لئے بچپن سے تھے۔ انھوں نے مغل سلطنت کو مٹا کر اس کی جگہ ایک مستقل سکھ حکومت قائم کرنے کا منصوبہ سوچا۔ ان کی ولادت اور تربیت پٹنہ میں ہوئی تھی، اور وہ ہندو مذہب کے توہمات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ چنانچہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اپنے پیشروں کے اصول سے انحراف کے درگاہ دیوی کو منانے کی بھی کوشش کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یرسمنوں نے اُن سے کہا تھا کہ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوگا جب اپنے بیٹے کی بھینٹ چڑھا لی جائے۔ گووند سنگھ اس کے لئے بھی تیار ہو گئے، لیکن لڑکے کی ماں کسی طرح راہتی نہ ہوئی۔ مجبوراً اس کے بجائے ایک دوسرے سکھ کو درگاہ دیوی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

گوند و غیرہ سے پکار سکتے ہیں، لیکن اُس کا خاص نام ہری (وشنو) ہے۔ یہ حاکم مطلق کائنات کو عدم سے نہیں پیدا کرتا، بلکہ خود اپنی ذات سے نکال کر وجود میں لاتا ہے۔ یہ اسی کے جوہر کی ایک طرح کی توسیع ہے جو اس کے ”کھیل“ کے لئے واقع ہوتی ہے۔

گردناٹک کی وفات ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔ مرتے وقت انھوں نے اپنا جانشین، لڑکے کے بجائے، اپنے ایک شاگرد لہنا کو بنایا۔ جس کا نام اس کی خدمت کے صلے میں انگد رکھ دیا گیا تھا، کیونکہ اس نے اپنے انک، دھیم کو آقا کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ گرد انگد بالکل ناخواندہ تھے، گو کہا یہ جاتا ہے کہ انھیں نے گورکھی خط ایجاد کیا جس میں سکھوں کی مذہبی کتاب گرنٹھ لکھی گئی۔ انگد نے گرد کی گدی پر اپنا جانشین امر داس کو بنایا، اور اسی طرح یکے بعد دیگرے سات گرد اور نامزد کئے گئے۔ یہی دس سکھ مت کے خاص گرد ہیں۔ بقیہ سات کے نام یہ ہیں:۔ رام داس، ارجن، ہرگوند ہر رائے، کرشن، تیغ بہادر اور گوند سنگھ۔

سکھوں میں سیاسی اتحاد کا جذبہ سب سے پہلے رام داس نے پیدا کیا جو چوتھے گرد تھے۔ وہ خود ایک سیدھے سادے آدمی تھے۔ لیکن دولت کی قدر اور تنظیم کے فائدے کو سمجھتے تھے۔ ان کی خوش اخلاقی سے اکثر لوگ ان سے وابستہ ہوتے گئے اور ان کو نذریں دینے لگے۔ اس آمدنی سے انھوں نے امرت سر کا تالاب خرید لیا اور اس کا مشہور مندر تعمیر کرایا جو بعد میں تمام سکھ قوم کا مرکز اتحاد بن گیا۔ رام داس اپنے پیروؤں کو جو احکام دیتے تھے وہ نظم میں ہوا کرتے تھے۔ ان میں بہت سے احکام کو سابق گردوں خصوصاً گردناٹک کے اقوال کے ساتھ جمع کر کے ان کے لڑکے گرو ارجن نے جولہ ۱۵۸۰ء میں رام داس کی وفات پر ان کے جانشین ہوئے تھے۔ ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا۔ اُسی وقت سے گرد کی گدی باپ سے بیٹے کو ملنے لگی، اور پچھلے پانچ گردوں کی حیثیت معلم سے زیادہ فرمانروائی ہو گئی۔

سکھ مذہب

سکھ مت کے بانی گردنانک، لاہور کے قریب تلونڈی نام ایک موضع میں جو دریائے راوی کے کنارے واقع ہے ۱۶۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کی تعلیم زیادہ تر ان کے پیش رو مصلحوں کی تعلیمات پر مبنی تھی، خصوصاً کبیر کی جن کا حوالہ وہ برابر دیتے تھے۔ وہ دراصل ایک گرو یا معلم تھے اور ان کے پیرو سکھ یا شاگرد۔ لیکن وہ ایک مصلح بھی تھے، اور ان کا مقصد دوسرے ہندو مصلحوں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکے تھے یہ تھا کہ ہندو مذہب، بالخصوص شمالی ہند کے دیشن فرقتے سے ذات پات کی تفریق، توہمات اور بت پرستی کو دور کریں۔ تاہم یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے براہ راست ذات پات کی تفریق کو مٹانے کی کوشش کی انھوں نے صرف یہ کیا کہ ہر طبقے کے آدمیوں کو اپنے ابداع کی دعوت دی اور بتایا کہ خدا ذاتوں کا لحاظ نہیں کرتا۔

گردنانک ہندوستان کے اس حصے میں پیدا ہوئے تھے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ وہ اگرچہ اصلاً ہندو تھے تاہم مسلمانوں کا اثر اس حد تک قبول کر لیا تھا کہ بت پرستی کو برا کہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ توحید سے زیادہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا پریشور یعنی سرب کا مالک ہے۔ اُسے برہما یا دوسرے ناموں مثلاً

جاتا ہے، اور سامان دنیا کو نئے سے پُرانا اور پُرانے سے نیا بناتا جاتا ہے۔ اس کے پنجوں سے اُن گنت دھاگے الجھے ہوئے ہیں۔ یہ جانداروں کے رشتہ حیات ہیں جو پرداز کے ساتھ کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں جس کی حد آجاتی ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی کو موٹ کہتے ہیں جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے۔

رو میں ہے رخس عمر کہاں دیکھئے تھمے

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے نکاب میں

یہ بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے، اور لفظ انتقال کے معنی بھی نقل و حرکت کرنا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ دنیا ایک پُرشور سمندر ہے جس میں ہوا کے زور سے کہیں مینڈھا اچھل رہا ہے، کہیں بھنور پڑ رہا ہے، کہیں پانی پہاڑوں سے ٹکراتا ہے، اور کہیں یک رخا بہا چلا جاتا ہے۔ کسی جگہ فطری دل چسپیوں نے منظر کو حد سے زیادہ دل آویز بنا دیا ہے، اور کسی جگہ ناگہانی حادثوں نے وہ ڈراما اور ہولناک سین دکھایا ہے کہ جی دہلا جاتا ہے۔ دم بھر میں قطرے سے بھاپ، بھاپ سے بادل، بادل سے پانی، اور پانی سے دریا بن جاتا ہے۔ کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، چمن شاداب ہوتے ہیں، سبزے ہلکتے ہیں، پھول کھلتے ہیں جو نگاہوں کو سرور اور دلول کو تازہ کرتے ہیں یہی نیچر کی دلچسپیاں ہیں۔ جو ایک آلہ واحد میں اپنے اپنے حسن کے جلوے دکھا کر اُسی عالم میں محو ہو جاتی ہیں، یعنی چشم زدن میں ان کی ہیئت بدل جاتی ہے۔“

گورسم الخط فارسی ہے۔

(۲۴) گوشت مت کھاؤ :- مطبوعہ تہکاری اسٹیم پریس ۱۹۲۲ء۔ ص ۸۔
 (۲۵) زگرنتہ پروچن - مولفہ پنڈت چوتھ مل جی - رفاہ عام پریس، اگرہ ۱۹۹۳ء مکتبی
 ص ۲۵۵۔

یہ کتاب مذہبی اور اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس میں ہندی عبارت کے ساتھ اردو ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔

(۲۶) حسن اول :- جلد اول - مولفہ پنڈت جنیشور پرشاد مال دہلوی شائع کردہ
 ”دی سنٹرل جین پبلشنگ ہاؤس، آرہ“ مطبوعہ انڈین پریس، الہ آباد۔ ص ۲۵۸۔
 اس کتاب کا ذکر پیش نظر مقالے کے پہلے باب میں آچکا ہے مولف موصوف
 جین مذہب کے پیرو معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ کتاب ایک جین دارالاشاعت کی طرف
 سے شائع ہوئی ہے، گو اس میں جین مت کے علاوہ بدھ مت اور ہندو دھرم کے مذہبی
 فلسفیانہ اور اخلاقی مضامین کا خلاصہ بھی درج ہے۔ اس کے پہلے باب کا ایک اقتباس
 ذیل میں دیا جاتا ہے جو ”وقت“ کے عنوان سے ہے۔ یہ عبارت اس شخص کے قلم
 کی ہے جو مسلمان نہیں ہے، لیکن اردو کو اپنی ”مادری زبان“ کہتا ہے اور اس کی ترقی
 اور بہبودی کی کوشش کرنا ایک سعادت مند اولاد کی طرح ”اپنا“ فرض سمجھتا ہے۔

”وقت“

”غرض اس تغیرات کے سمندر میں کیا جاندار، کیا بیجان، ایک صورت
 پر کسی کو بھی قرار نہیں ہے۔ وقت ایک پرندہ ہے کہ برابر اڑا چلا جاتا
 ہے اور اس سرعت سے اڑتا ہے کہ نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، کان اس
 کے پروں کی سنسنہٹ سن نہیں سکتے۔ ہاں اس کی گردن میں ایک
 گھنٹی بندھی ہے جس کی آواز سے اپنی رفتار کا امتیاز اہل دنیا کو کرتا

(۱۷) جین کتھارتن مالا ” جس میں چار کتھا جین دھرم کے متعلق بطور اپڈیشن درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے یہ نتائج پیدا ہوتے ہیں کہ یہ سنسار مثل خواب ہے اور اس کا آرام نقش بر آب ہے۔ انسان کو موجودہ وقت غنیمت سمجھ کر دھرم میں اودم کرنا چاہئے۔ یہ جیو کا پرست میں مہائی ہوگا۔ سب سری بندری اپنی اغراض و مطالب کے ساتھ ہیں۔ سوائے دھرم کے اور کوئی جیو کے دکھ نازن کرنے والا نہیں۔“ مولفہ جنناداس۔ دیال اسسٹم پریس لاہور۔ ص ۱۲۸۔

(۱۸) جین مذہب کے بتیس سوتروں کا خلاصہ ” جس کو لالہ سمیر چند جین، اکاڈمنٹ محکمہ درس، پنجاب، نے واسطے افادہ اردو خواں جینی بھائیوں کے بتیس سوتروں کو دیکھ کر اپنالہ سے شائع کیا۔“

مطبوعہ کاشی ناتھ الکرٹک پریس، اپنالہ چھاوٹی۔ ۱۹۲۷ء۔ ص ۹۰۔

(۱۹) راز حقیقت۔ حصہ اول۔ مولفہ سوامی درگاداس جی۔ مطبوعہ ۱۹۳۳ء۔ ص ۱۶۸۔

اس میں جین مذہب کی تعلیمات سوال و جواب کے پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔

(۲۰) جیون چتر مہان سستی ۱۰۰۸ شری دروپتاجی مہاراج مع اصول دتوا جین دھرم

مولفہ امر ناتھ شرما۔ مطبوعہ پریم پریس، جموں۔ ۱۹۹۳ء۔ بکرمی۔ ص ۲۲۱۔

(۲۱) سوانح عمری شری شری بال برہمچاری شری امولک جی مہاراج۔ مرتبہ ماسٹر

بشمبر داس۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورس، دہلی۔ ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۳۶۔

(۲۲) رپورٹ جالندھر اجلاس سری جین سنگ، پنجاب۔ مطبوعہ پبلک اسسٹم

پریس، سیالکوٹ۔ ۱۹۲۶ء۔ ص ۳۲۸۔

(۲۳) جین رتن پرکاش۔ مصنفہ سوامی جین منی رتن جی۔ مطبوعہ آرمی نیوز پریس۔ لودھیانا

۱۹۶۹ء۔ بکرمی۔ ص ۳۲۔

اس رسالے میں ۲۷ بھجن ہیں جن کی زبان میں سنسکرت آمیز ہندی کا غلبہ ہے

کتاب کے شروع میں ”جین دھرم کے اصول“ بارہ دفعات میں بیان کئے گئے ہیں۔ پھر انھیں اصولوں کی شرح ہے۔ عبارت میں سنسکرت اور ہندی کی جو مصطلحات آئی ہیں ان میں سے اکثر کا اردو ترجمہ بھی مولف نے لکھ دیا ہے۔

(۱۴) شری آدشک سوتر اردو حصہ اول۔ مولفہ آتمارام جی، مترجمہ بابونورا تارام جینی۔ مطبوعہ کشن مشین پریس، جالندھر ۱۹۱۷ء۔ ص ۶۸۔

اس کتاب میں جین مذہب کے پیروں کے لئے عبادت کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۵) دیراگ پرکاش۔ مترجمہ لالہ جنناداس۔ مطبوعہ دیال ایٹم پریس، لاہور ۱۹۱۳ء۔ ص ۲۰۔

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں دیراگ کے تین قصے درج ہیں، دونوں میں اور تیسرا نظم میں۔

(۱۶) آئینہ ہمدردی۔ مولفہ پارس داس۔ مطبوعہ لکشمی پریس، دہلی ۱۹۱۶ء۔ تین حصوں میں۔ حصہ اول ص ۱۲۸ + ضمیمہ ص ۹۵۔ حصہ دوم ص ۲۸۔ حصہ سوم ص ۱۰۰ + ضمیمہ ص ۳۔

”اس رسالے کو خاکسار مولف نے تین حصوں پر منقسم کیا ہے۔

۱۔ ہمدردی، رحم دلی، گوشت خوری، دل آزاری اور ایذا رسانی کے متعلق بائیان مذاہب، شعراء، فضلا اور حکماء وغیرہ کے خیالات مع ایک ضخیم ضمیمہ کے۔

۲۔ پچاس کے قریب مشہور مشہور ہندو اور جین شاستروں کے تقریباً سوائین سوچیدہ چیدہ اشلوکوں کا ترجمہ۔

۳۔ گوشت خوری کے متعلق ڈاکٹروں کے خیالات و دیگر براہین عقلی مع ایک ضمیمہ۔“

بھجنوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، اس وجہ سے ہم نے یہ ٹرکیٹ ۲۰
اردو بھجنوں میں شائع کیا ہے.....“

(۱۱) جین دھرم کی قدامت و صداقت پر یورپین مؤرخین کی مدلل رائے :- مرتبہ لالہ
متھرا داس جینی۔ مطبوعہ پرکاش اسٹیٹم پریس، لاہور۔ ۱۹۱۸ء ص ۱۳۰۔
اس مختصر رسالے میں بعض یورپین مصنفین کی رایوں کے اقتباسات اردو
ترجمے کے ساتھ دئے گئے ہیں۔

(۱۲) جین تودرپن۔ مولفہ شری سوامی رتن چند جی۔ مطبوعہ بلالی اسٹیٹم پریس، ساہیوالہ
ضلع اہنالہ۔ ۱۹۱۶ء۔ ص ۵۰۸۔

اس کتاب میں جین مذہب کے تتو یعنی اصول و ضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے
ہیں عبارت میں عربی اور فارسی کے الفاظ سنسکرت اور ہندی کے لفظوں کے ساتھ ملے
جلیے۔ دیباچے کے مندرجہ ذیل اقتباس سے جینیوں میں اردو کی مقبولیت کا کچھ اندازہ
ہو سکتا ہے۔

”یہ کتاب ایسے اردو داں اصحاب کے لئے جو پر اُکرت بھاشا میں دسترس
نہیں رکھتے اور جین دھرم کے تتو کو جاننے کی دلی خواہش رکھتے ہیں۔
بڑی محنت اور کوشش سے تیار کروائی گئی ہے..... اس کتاب
میں جین دھرم کا تتو گمان نہایت سلیس اردو زبان میں اس خوبی سے
بیان کیا گیا ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر کے دکھایا ہے، گو کہیں
کہیں مناسب اردو الفاظ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ دقت بھی پیش آئی تاہم
دہاں بھی سلیس بھاشا کے الفاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔“

(۱۳) نو تہ :- یعنی جین فلاسفی، مولفہ لالہ نتھورام۔ شائع کردہ جین ٹرکیٹ سوسائٹی
اہنالہ شہر۔ ۱۹۲۱ء۔ ص ۹۲۔

کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ گھوری ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آرام طلب دکھانے
 پینے کے لو بھی ہیں۔ غرض کوئی کچھ کہتا ہے۔ اور کوئی کچھ۔ اب میں نے ان
 دفتروں کو مد نظر رکھ کر سوال و جواب کے طریقے میں حصہ اول لکھا ہے جس
 سے امید ہے کہ منصف مزاج دوست مہاتماؤں کے درشن و
 دیکھیاں سے میرے بیان کی آفائش کرتے ہوئے حصہ دوم و سوم
 لکھنے میں میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور اگر کوئی بات خلاف
 سدھانت یا غلط معلوم ہو تو معافی دیتے ہوئے اس سے مطلع کریں
 گے۔ ع۔ از خردان خطابہ رگاں عطا۔

(۹) انمول رتنوں کی کنجی۔ حصہ دوم۔ مولفہ جودھیا پرشاد۔ امپریل ایک ڈپو پریس
 دہلی۔ ۱۹۱۸ء۔ ص ۶۴۔

اس حصے میں مختلف اشخاص کے مضامین اور نظمیں ہیں۔ چنانچہ دھرم پر مہاتما گاندھی
 کے ایک لکچر کا اقتباس، اور جانوروں کی قربانی پر گاندھی جی اور مالوسی جی کے خیالات بھی نقل
 کئے گئے ہیں۔

(۱۰) شاہ راہ مکتی (ٹریکٹ ۳) جس کو شری مہادیر جین برادر ہڈ، گجراتوالہ، نے
 جین قوم کے فائدے کے لئے شائع کیا، مطبوعہ لال ایسٹم پریس، لاہور ۱۹۲۰ء ص ۸۲۔
 یہ ۴۶ پجوں کا مجموعہ ہے جو اردو رسم الخط میں شائع کیا گیا ہے۔ تاکہ جین مذہب کے
 ”عام بھائی“ پڑھ سکیں۔ دیباچہ نگار لکھتا ہے:-

”یہ سبھا ہر طرح سے جین قوم کی ترقی میں کوشش کر رہی ہے، جس کی
 طرف سے پیشتر بھی دو ٹریکٹ بنام پارس و شری نیم نکل چکے ہیں۔ اب
 سبھانے یہ دچار کر کے کہ ہماری قوم میں زیادہ تر بھجن ہندی بھاشا
 ہی میں شائع ہوئے ہیں جس کو کہ عام بھائی نہیں پڑھ سکتے اور اردو

جین متر منڈل، دہلی۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۵ء۔ ص ۶۴۔ جین متر منڈل
ریکٹ ۳۔

اس کتاب کا پہلا حصہ مصنف نے ۳۵ سال قبل شائع کیا تھا۔
”اس میں دلائل عقلی سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ خدایا ایشور دینا کا پیدا
کرنے والا یا انتظام کرنے والا نہیں ہے بلکہ سب کام خاصیت اشیاء
سے ہی ہو رہا ہے.....“

حصہ دوم میں کرم اور کرموں کے پھل پر عقلی دلائل سے بحث کی گئی ہے۔

(۷) لطف روحانی عرف آتمک آئندہ مولفہ ماسٹر بشمیر داس۔ مطبوعہ بیتاب
پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۳ء۔ ص ۵۲۔

اس رسالے میں روحانی زندگی حاصل کرنے کے طریقے آسان اور سلیجی ہوئی
عبارت میں بیان کئے گئے ہیں، اور کہیں کہیں مطلب کی تشریح کے لئے تمثیلی حکایتیں
نقل کی گئی ہیں۔

(۸) انمول رتنوں کی کنجی، حصاول، یعنی چارتر جین سنا تن سادھو مٹی راج
اور شر اوک سمپادک، مولفہ اجدھیہا پرشاد۔ اپریل نیٹیو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء ص ۷۲
”باعث تحریر“ کے زیر عنوان بابو اجدھیہا پرشاد لکھتے ہیں:-

”ناظرین، چونکہ عرصے سے جین سادھو مہاراج کے چارتراردو زبان
میں لکھنے کی ضرورت میں خود میرے دوست اس وجہ سے محسوس کر رہے
تھے کہ بہت سے مقامات پر مثلاً لکھنؤ و کانپور والہ آباد وغیرہ وغیرہ
مقامات پر چند وجوہات سے ایسے مہاتما نہیں بہار کرتے اور وہاں
کی عام زبان اردو ہے۔ علاوہ ازیں پنجاب ویلو، پی وغیرہ کے ملکوں میں
بھی بہت سے نادائق بھائی قسم قسم کے اتہام، شکوک و بدگمانیاں

یہ بابو رکھب داس جین کا دوسرا رسالہ ہے جس میں انھوں نے اس الزام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ جین مذہب میں خدا کا وجود تسلیم نہیں کیا جاتا۔ البتہ ان کے نزدیک ”پر ماتما میں کرتا ہرتا کی صفت کا نہ ہونا بہ دلائل ثابت“ ہے۔

(۵) جین رتن مالابہ۔ مولفہ لالہ کیوٹرا مل۔ شائع کردہ جین دھرم پر چارک سبھا، راولپنڈی۔ مطبع چودھویں صدیءء راولپنڈی۔ ۱۹۳۰ء۔ ص ۹۲۔

اس کتاب میں جین مت کے اصول اور تعلیمات سوال و جواب کے طریقے سے بیان کی گئی ہیں۔ مولف نے سوال کے لئے پرسن اور جواب کے لئے اُتر کے سنسکرت الفاظ استعمال کئے ہیں، لیکن عبارت میں عربی اور فارسی کے الفاظ خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔ پانچویں باب کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے :-

” پرسن ۔ جین دھرم میں ایشور کی نسبت کیا خیال ہے۔

اُتر ۔ ہم نجات شدہ کو ایشور مانتے ہیں۔

پرسن ۔ اگر مانتے ہو تو ایشور کو کس روپ سے مانتے ہو۔

اُتر ۔ کیا نجات شدہ کا بھی کوئی روپ ہے۔ کوئی نہیں۔ مگر ہاں، اگر

آپ کا یہی اشارہ کرتا کی طرف ہو تو ہم ایشور کو کرتا نہیں مانتے۔

پرسن ۔ جین دھرم میں آتما اور پر ماتما کا کیا فرق ہے۔

اُتر ۔ آتما کہتے ہیں کرم سہت جیو کو۔ پر ماتما کہتے ہیں کرم بہت جیو۔

(یعنی نجات شدہ) کو۔

پرسن ۔ آتما کا جسم کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

اُتر ۔ جس طرح آپ کا تعلق اپنی خاص جگہ یا مکان سے ہے، اسی

طرح ہے۔ “ (ص ۶۷)

(۶) گیان سورج اُدے :- حصہ دوم، مصنفہ بابو سورج بھان صاحب دیگل، پرکاشک

لالہ سمیر چند جین کی طرح لالہ سوہن لال جینی بھی اردو کے مقبول عام ہونے کی شہادت اپنی کتاب کے دیباچے میں دیتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اردو کے مقابلے میں دیوناگری جاننے والوں کی قلت تعداد کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

”کئی برسوں سے میرے متر (دوست) و دیگر اجباب نے مجھ کو برا لکھتے کیا کہ جین دھرم کو کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ سمجھتا ہے۔ اگر اس بارے میں تم ایک کتاب بنا دو تو بہت اچھا ہوگا، کیونکہ سچ جن تو گن کے گرا ہی اور ست کے متلاشی ہوتے ہیں۔ سودہ تو ضرور ہی اس ست دھرم کو پا کر نیک بنتی اور نیک اعمال سے اپنے جنم کو سچھل کریں گے..... مگر آج کل اردو کی زیادہ تر پرورتی ہو رہی ہے۔ دیوناگری سے تو بہت تھوڑے واقف ہیں، زیادہ نہیں۔ اس لئے کتاب اردو ہی میں تحریر ہو تو بہت اچھا ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک پڑھ سکے گا.....“

اس کتاب میں جین مذہب کی تعلیمات سوال و جواب میں بیان کی گئی ہیں۔ شروع میں شلوک درج کر کے ان کا اردو ترجمہ اور شرح لکھی ہے۔ عبارت میں سنسکرت اور بھاشا کی مصطلحات کے ساتھ عربی اور فارسی کے الفاظ بے تکلف استعمال کئے گئے ہیں۔

(۳) جین کریم فلاسفی :- مولفہ بابو رکھب داس جین۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۹۳۲ء ص ۳۲۔

اس مختصر رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں سنسکرت کی فلسفیانہ اصطلاحات کثرت سے لائی گئی ہیں۔ لیکن مولف نے ساتھ ساتھ ان کا اردو ترجمہ بھی تو سین میں لکھ دیا ہے۔

(۴) جین دھرم دیر ماتما :- مولفہ بابو رکھب داس جین۔ مطبوعہ ہندوستانی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۹۳۳ء۔ ص ۸۴

ورعایت اور بالکل صحیح ہوگی، کیونکہ نہ تو جھوٹ بول کر اسے کسی سے کچھ لینا ہے اور نہ سچ بولنے سے اس کو کسی کا ڈر ہے۔ نہ اس کو کسی کی رعایت منظور ہے اور نہ اسے کسی سے کراہ ہے۔

جن مت کو ہی عام گفتگو میں جین مت بھی کہتے ہیں۔ لفظ ”جین“ کے معنی ”جن“ میں اعتقاد رکھنے والے شخص کے ہیں۔ لہذا جین مت کے معنی یہ دنیا کیا ہے، کس طرح بنی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سوالات کی نسبت بلا رو رعایت کہنے والے شخص کی رائے کے ہوئے۔ ایسا شخص ایک ہی نہیں ہوا، بلکہ دنیا میں قدیم سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ لہذا جین مت بھی قدیمی مذہب ہے۔ موجودہ کلیپ میں یہ مت شری رشبھ دیو جی نے چلایا ہے۔ نوٹ :- یہاں یہ بتلادینا ضروری ہے کہ عوام کا یہ خیال کہ جین مذہب کے بانی شری مہا بیر سوامی یا بھگوان پارک ناتھ جی تھے غلط ہے۔ یہ ہر دو بزرگ ہستیاں جین دھرم کے چوبیسویں و تیسویں ریفارمر تھے (یہ رشبھ دیو جی کون تھے۔ ان کی بابت میں اس وقت صرف اتنا بتلاتا ہوں کہ یہ وہی مہا پرش ہیں جن کو ہندو برہما، وشنو، مہیش کے نام سے پکارتے ہیں، اور مسلمان و عیسائی بابا آدم بتلاتے ہیں۔ انھوں نے جو اُپدیش دیا وہی جین مت کے نام سے موسوم ہے۔ جین مت شے کے ہر پہلو پر غور کرنے کی وجہ سے ایک انت مت کہلاتا ہے۔ دیگر تمام مذاہب کے خیالات اس میں مشتمل ہیں اس لئے یہی مذہب یونیورسل مذہب ہو سکتا ہے“ (ص ۶-۷)

(۲) سناتن جین درشن پرکاش :- مولفہ لالہ سوہن لال جینی۔ مطبع نرفکاری

نہان میں لکھا جائے۔ اسی خیال سے میں نے سلسلہ میں ایک کتاب
 جین پرکاش، ۱۹۶۷ء میں شاہراہ نجات اور سلسلہ میں دھرم کے
 دس لکشن و خلاصہ مذہب تام کے دو ٹریکٹ اردو زبان میں لکھے
 تھے۔ اسی سلسلے میں اب یہ کتاب جین مت سار ہے۔ اس میں جو
 کچھ درج ہے وہ مستند جین شاستروں سے اخذ کیا گیا ہے۔۔۔۔
 ۔۔۔۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب زمانہ حال کی ایک بڑی ضرورت
 کو پورا کرے گی اور اردو خوان جین بھائیوں اور دیگر حق پسندوں
 کے واسطے ایک بڑی کارآمد چیز ہوگی۔“ (ص ۵)

اس کے بعد جین مذہب کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں:-

جین مت دو لفظوں جن، اور مت سے مرکب ہے۔ ایسا شخص
 جس نے راگ دولش کو جیت لیا، یا یوں کہو، جس کی نہ کسی سے دوستی
 ہے نہ دشمنی، جو نہ کسی مرغوب طبع دنیاوی شے کے حاصل کرنے کی
 رغبت رکھتا ہے اور نہ ناگوار طبع شے کو دور کرنے کی خواہش۔ ایسے
 شخص کے لئے دنیا میں کوئی شے مرغوب یا غیر مرغوب نہیں ہے۔ وہ
 ہر شے کو اس کی اصلیت کے لحاظ سے دیکھتا اور جانتا ہے۔ اور
 جن کہلاتا ہے۔ راگ (یعنی محبت)، دولش (یعنی نفرت)، اگیان (یعنی
 جہالت) سے پیدا ہوتے ہیں۔ کرو دھ (غصہ)، مان (غور)، مایا (فتر)،
 لوبھ (طمع)، ہنسا، جھوٹ، چوری، زنا، پرہیز، دوا، ہوس، جذبات
 حیوانی و خواہشات نفسانی ہیں۔ لہذا جن مت کے معنی ہیں ایسے
 شخص کی رائے جس میں نہ تو اگیان ہے اور نہ وہ کسی سے دوستی و دشمنی
 کے جذبات سے مرغوب ہے۔ پھر ایسا شخص جو کچھ کہے گا وہ بات بلاؤ

بدھ مذہب کے عقیدوں سے ملتے جلتے ہیں، مثلاً یہ عقیدہ کہ سابق زندگی کے اعمال کے مطابق اسی دنیا میں دوبارہ جنم لینا پڑتا ہے۔

جین مذہب کی کتابیں | جین مذہب کی جو کتابیں اردو میں مجھے مل سکیں اُن کی فہرست حسب ذیل ہے۔ اُن کے اقتباسات سے اس مذہب کے عقائد اور اصول پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) جین مت سار: مولفہ لالہ سمیر چند جین، شائع کردہ جین متر منڈل، دہلی مطبوعہ گیتا پرنٹنگ درکس، دہلی ۱۹۳۷ء ص ۳۹۲۔

اس کتاب کی تہمید میں لالہ سمیر چند نے اردو کی عام مقبولیت کا اعتراف جن واضح الفاظ میں کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہیں۔ لکھتے ہیں:-

”اگرچہ جین مذہب ہندوستان کا ایک قدیم مذہب ہے، مگر اس کے عقائد و مسائل کا حال عام لوگوں پر اچھی طرح روشن نہیں ہے۔ عام لوگ تو رہے درکنار، خود بہت سے جینی بھی اپنے آبائی دھرم سے ناواقف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے مستند شاستر پر اُکرت و سنسکرت زبان میں ہیں جن کا آج کل رواج نہیں رہا اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے اٹھارہویں صدی ہجری میں جین مت کے مشہور پیڈتوں، ٹوڈل جی سداسکھ جی، دولت رام جی وغیرہ نے بہت سے گرنتھوں کا ہماری زبان میں ترجمہ کیا جن کو پڑھ کر بہت سے بھائیوں نے فائدہ اٹھایا اور اب تک اٹھارہویں ہیں۔ مگر آج کل وہ بھائیوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے اس وقت سلسلہ مذہب کو جاری رکھنے کے واسطے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے مذہبی اصول و تقاضا کو واقفیت عام کے لئے مروجہ

ہر عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ انفرادی روح کے روح نگلی میں ضم ہو جانے کے قائل نہیں ہیں۔ بقصہ یہ ہے کہ اُن کے یہاں کسی اعلیٰ الوہیت کا تصور نہیں پایا جاتا۔ نرمان کی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے جن مدارج سے گزرنا پڑتا ہے وہ یہ ہیں: صحیح ادراک اور واضح علم جس کے بعد فوق الفطرت علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ معرفت نگلی کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

اس مذہب کے پیروؤں کے لئے ضروری ہے کہ فیاضی، نرمی، پارسائی، اور اپنے تصور میں پر غم گین ہونے کی عادت ڈالیں، اور جانوروں بلکہ پودوں کے ساتھ بھی رحم دلی کا بڑا کریں۔ یہ لوگ جانداروں کو تکلیف پہنچانے سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تمام جانوروں، یہاں تک کہ پودوں میں بھی روح موجود ہے۔ وہ بیمار جانوروں کے لئے شفا خانے قائم کرتے ہیں۔ برسات کے موسم میں یا غروب آفتاب کے بعد کھلی جگہ میں کھانا نہیں کھاتے کہ کبھی یا کھڑا کھڑا منہ میں نہ چلا جائے، پانی کو تین مرتبہ چھان کر پیتے ہیں، اور اس خطرے سے کہ کوئی کیڑا منہ میں نہ چلا جائے ہوا کے رخ کے خلاف نہیں چلتے جو لوگ ان میں زیادہ متشدد ہیں وہ کیڑوں کے خیال سے عبادت کے اوقات میں منہ پر ایک کپڑا ڈال لیتے ہیں۔

جینی دراصل نہ ویدوں کو مانتے ہیں اور نہ دیوی دیوتاؤں کو۔ وہ ذات پات کی تفریق کے بھی قائل نہیں۔ لیکن عملاً وہ بہت کچھ ذات کے قوانین کے پابند ہیں، اور ایک حد تک بہت سے ہندو دیوتاؤں اور دیویوں سے بھی عقیدت رکھتے ہیں خود اپنے مذہب کی بہت سی نیک اور نیکیت روجوں پر بھی اُن کا اعتقاد ہے جن معاملات میں ویدوں سے ان کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، ان میں ویدوں کو مستند سمجھتے ہیں۔ عیالی کی خصوصیت صرف اُن کے ”دگمبر“ جو گیل تک محدود ہے، اور وہ بھی جنس کھانے کے قوانین جینیوں کا دوسرا فرقہ ”سوترا مبر“ سفید کپڑے پہنتا ہے۔ ان کے ہاں کسی جانور کی قربانی نہیں ہوتی اور اخلاقی پابندیاں سختی سے سرتی جاتی ہیں۔ ان کے بہت سے عقائد ہندو اور

جین مذہب

کچھ زمانہ پہلے تک جین مذہب ہندو دھرم کا ایک فرقہ سمجھا جاتا تھا اور اس کے وجود کی مدت ایک ہزار سال سے زیادہ نہیں خیال کی جاتی تھی۔ لیکن اہل تحقیق نے اب یہ ثابت کر دیا ہے کہ جین مذہب کم سے کم اتنا ہی قدیم ہے جتنا ہندو مذہب۔ اس تحقیق کو پروفیسر جکوبی (JACOBI) کی تائید حاصل ہے۔

دردھان یا مہابیر جن کو عام طور پر جین مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے ایک چھتری راجہ کے گھر بھیسارہ کے مقام پر جو صوبہ بہار میں ٹپنہ سے ستائیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ۵۹۹ء قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ اٹھائیس سال خانگی زندگی میں گزارنے کے بعد اپنی بیوی بچی، اور بھائی بہن کو چھوڑ کر انھوں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی اور جنگلوں میں چلے گئے۔ وہاں انھوں نے دنیا کے دکھ اور مصیبت اور ان سے رہائی پانے کے طریقوں پر غور کرنا شروع کیا اور چودہ سال کی ریاضت کے بعد محسوس کیا کہ انسانی مصائب کا سما حل ہو گیا چنانچہ جو معرفت انھوں نے اس مدت میں حاصل کی تھی اس سے دوسروں کو مستفید کرنے کے لئے انھوں نے شمالی ہند کا زورہ شروع کیا۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا سلسلہ ۵۵۴ء ق م سے ۵۲۴ء ق م تک جاری رہا۔ شمالی ہند میں تیس سال تک جین دھرم کا پرچار کرنے کے بعد انھوں نے ۵۲۴ء قبل مسیح میں پادا پوری کے مقام پر وفات پائی۔ جدید تحقیق سے

اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔

سچے علم کے حاصل کرنے کے لئے نیچر نے ہی جو طریقے رکھے ہیں
 انھیں کے ٹھیک جاننے اور انھیں کے مطابق چلنے کی ضرورت ہے۔ انھیں
 لچھڑ کر اور ان کے خلاف جن جن انسانوں نے نریت اپنی قوتِ ماہمہ
 کے ذریعے جتنی اور جس قسم کی کہانیاں اور جتنی اور جس قسم کی مختلف
 باتیں گھڑ کر انسانی دنیا میں پھیلائی ہیں اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ان
 کا معتقد بنایا ہے۔ وہ سب بالکل تھوڑے ہیں۔“ (ص ۱-۲)

بلکہ یہ نیچر اپنے ان سب حصوں کے علاوہ اور بھی بہت آگے تک پھیلی ہوئی ہے۔ ہاں اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہے کہ جس کی ہم اپنی قوتِ داہمہ کے ذریعے بھی کوئی حد مقرر نہیں کر سکتے.....“ (ص ۳۹-۴۰)

”آؤ، اب ہم اپنی کھوج میں کچھ اور آگے بڑھیں۔ پہلے ہم یہ سوال کریں کہ یہ نیچر جو ہمارے چاروں طرف اربوں اور کھربوں میل سے بھی دور تک پھیلی ہوئی ہے اور جس میں چھوٹے اور بڑے قسم قسم کے بے تعداد غیر جاندار اور جاندار وجود موجود ہیں، اس کے ان سب وجودوں کی بناوٹ میں کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں، یعنی نیچر کے یہ سب قسم کے وجود یا جزو کس کس چیز سے بنے ہوئے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں ہم تمہیں بتانا چاہتے ہیں کہ نیچر میں اس کے جزو کی صورت میں جتنے وجود پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب، چاہے وہ غیر جاندار ہوں اور چاہے جاندار، صرف دو ہی قسم کی چیزوں سے بنے ہوئے ہیں، جن میں سے ایک قسم کی چیز کا نام جڑ یعنی مادہ ہے، اور دوسری قسم کی چیز کا نام شکستہ یعنی طاقت ہے۔ ساری نیچر کا مسالہ یہی دونوں چیزیں ہیں، اور ساری نیچر انہیں دو قسم کے مسالوں سے بنی ہوئی ہے۔“ (ص ۴۵)

(۲) دیوشاستر:- حصہ دوم۔ مطبوعہ مرکنٹائل پریس، لاہور۔ ۱۳۹۳ھ۔ ص ۱۴۱۔

”دیوشاستر کے پہلے حصے میں بتایا جا چکا ہے کہ صرف نیچر ہی حقیقی ہے۔ دہی ہمیشہ سچ تھی اور دہی ہمیشہ سچ رہتی ہے۔ نیچر کے سواے یا اس سے باہر کچھ بھی اور کوئی وجود بھی اور کوئی بات بھی سچ نہیں۔ اس لئے کسی بھی انسان کے لئے جس جس قسم کا اور جہاں جہاں تک سچا علم حاصل کرنا ممکن ہے اس سارے سچے علم کا یہی خزانہ نیچر اور صرف نیچر ہی ہے اور

اردو میں شائع ہوئی ہیں۔ کتب خانوں میں دیوشاستر کے علاوہ اس فرقے کی اور کوئی کتاب
 مجھے نہیں ملی۔ یہ کتاب دیوگرو کی تصنیف ہے اور اس میں دیو سماج کی تمام تعلیمات درج
 ہیں۔ پنڈت شیونرائن نے اسے ہندی میں لکھا تھا۔ بعد میں سماج کی طرف سے
 اس کا ترجمہ اردو میں کیا گیا۔ ذیل کے اقتباسات اردو ایڈیشن سے ماخوذ ہیں:-
 (۱) دیوشاستر:- پہلا حصہ ”مصنفہ بانی دیو دھرم“، مطبوعہ مکتبائیل پریس،
 لاہور۔ دوسرا ایڈیشن۔ ۱۹۳۱ء۔ ص ۱۳۴۔

پہلا باب

” ہم اور تم، اور ہمارے اور تمہارے رشتہ دار، اور ہمارے اور تمہارے
 سوائے ہر ایک ملک اور براعظم، اور ہر ایک قوم اور رنگ کے سب
 انسان، سب قسم کے حیوان یعنی چرپائے اور رینگنے والے
 کیڑے، مچھلیاں اور پرندے، سب قسم کے چھوٹے اور بڑے پہاڑ
 چھوٹے اور بڑے دریا، چھوٹے اور بڑے میدان اور کھڈے اور چھوٹے
 اور بڑے سمندر اور بحر، چھوٹے اور بڑے شہر اور گاؤں ہمارے گھر اور ہمارے
 گھروں کی سب چیزیں، ہماری یہ زمین، ہمارا سورج اور ہمارے
 سورج کے چاروں طرف گھومنے والے مختلف سیارے اور چاند
 جنہیں ہم سچ مانتے اور جانتے ہیں، وہ نیچر ہی کے چھوٹے چھوٹے جزو ہیں۔
 یہ سب لاکھوں چھوٹے اور بڑے جاندار اور غیر جاندار وجود اسی طرح
 نیچر کے وسیع وجود کے مختلف حصے ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاتھ پاؤں
 ناک، کان، ہماری ہڈیاں اور ہماری کھال اور ہمارے بال وغیرہ
 ہمارے جسم کے مختلف حصے ہیں نیچر کا یہ پھیلاؤ یہیں تک ختم نہیں ہوجاتا

اس کا نام 'دیو سماج' رکھا۔ خود اپنے لئے انھوں نے دیو گرد کا لقب اختیار کیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ "مجھ میں دیو جیون کا واس ہوا ہے، یعنی میں اعلیٰ ترین روحانی طاقتوں کا مصدر اور منبع ہوں،" دیو سماج کے ممبروں کے لئے سیوک کا لقب مقرر کیا گیا اور آٹھ چیزوں سے پرہیز کرنا ان کے لئے ضروری قرار پایا:-

(۱) ہر طرح کا نشہ (۲) گوشت خوری (۳) جوا (۴) چوری (۵) رشوت ستانی (۶) جلیانی، اور ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنا (۷) خیانت (۸) قتل بجا۔ دیو سماج اپنے ابتدائی دور میں ایک طرح کی برہمنو سماج ہی تھی، اور اس کے اندر بھی ہندو مذہب کی اصلاح کی وہی روح کام کر رہی تھی جو برہمنو سماج کی تحریک کا باعث ہوئی۔ لیکن بعد میں پنڈت شیونرائن نے مغرب کی مادہ پستی سے متاثر ہو کر خدا کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان کی مادیت صرف خدا کی ہستی اور اس کی پرستش سے انکار تک محدود رہی۔ بجائے خدا کے انھوں نے خود اپنی ذات کو پرستش کا مستحق قرار دیا۔ چنانچہ سیوکوں کے لئے دیو گرد کی پوجا لازمی ٹھہرائی گئی، اور دیو سماج کے مندروں میں ان کی مورتی کی پوجا علانیہ ہوتی ہے بلکہ

دیو سماج کی کتابیں | دیو سماج کی طرف سے اردو میں بہت سی کتابیں شائع کی گئی ہیں، مثلاً (۱) دیو شاستر، حصہ اول و دوم (۲) دیو

آتما کون ہیں (۳) انسانی دنیا میں ایک اور صرف ایک سچے معبود کا ظہور (۴) انسانی دنیا کے لئے بھگوان دیو آتما ایک اور صرف ایک سچے معبود کیوں ہیں (۵) انسانی دنیا کے واس میں دیو آتما کا ظہور (۶) دیو آتما کے سواے اور کوئی سچا معبود نہیں۔ (۷) شیخ فکیتوں کی غلامی سے نجات کی ضرورت۔

دیو سماج بک ڈپو، لاہور، کی فہرست میں چند اردو کتابوں کے نام بھی درج ہیں جو

(۶) دیو سماج

دیو سماج کے بانی پنڈت شیونہ رائے اپنی ہوتری کان پور کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سولہ سال کی عمر میں وہ رٹہ کی کالج میں داخل ہوئے اور اسیر کی کا امتحان پاس کر کے دیہی ملازم ہو گئے۔ رٹہ کی کالج میں پنڈت شیونہ رائے کے ایک استاد دیوانہ تھے جن کے اثر سے انھوں نے بت پرستی ترک کر دی۔ ۱۸۵۷ء میں جب ان کی عمر ۲۳ سال کی ہوئی تو وہ گورنمنٹ اسکول، لاہور میں ڈرائنگ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ اس وقت لاہور میں برہمنو سماج کا بٹرا زور تھا۔ چنانچہ پنڈت شیونہ رائے بھی اس کی اصلاحی تحریک سے متاثر ہو کر برہمنو ہو گئے، اور دو سال کے بعد سماج کے پرچارک بن گئے۔ اب انھوں نے اپنا نام بھی بدل دیا، اور بجائے شیونہ رائے کے سیتا نند رکھ لیا۔ چنانچہ اسی نام سے برہمنو سماج کے اصول و عقائد کی تبلیغ کے لئے انھوں نے اردو میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے بعض کا ذکر برہمنو سماج کی کتابوں کے سلسلے میں پہلے آچکا ہے۔ سماج کے پرچارک ہونے کے بعد انھوں نے اسکول کی ملازمت سے استعفا دے دیا اور سارا وقت دھرم کے کاموں میں صرف کر دیے گئے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سماج کے مجبوروں سے اختلاف رائے کی بنا پر انھوں نے برہمنو سماج سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور ۱۸۵۷ء میں ایک نئی سماج قائم کی اور

(۵) سنساری پدارتھ اور اندریوں کے بھوگوں کی چاہ فضول نہ اٹھاؤ
 اور نہ اُن کے واسطے فضول جتزم کرے، بلکہ جو بھوگ اور پدارتھ میسر
 آویں اُن میں بھی جس قدر مناسب ہووے احتیاط کے ساتھ برتاؤ کرے
 (۶) وقت ابھی اس کے بے ناکدہ خیال دنیا اور اس کے پدارتھوں اور
 بھوگوں کے نہ اٹھاوے۔ اور جو پرانی عادت کے موافق ایسی گناہوں
 میں پیرا ہووے تو اس کو جس قدر جلدی ہوئے وہ بڑھاوے،
 نہیں تو ابھی اس میں رس نہیں ملے گا۔

(۷) ست پرش را دھا سوامی دیال اور گورو کا کسی قدر خوف دل میں
 رکھے اور اُن کی پرستش میں اپنی بہتری سمجھے، اھ ناراضی میں نقصان
 پرارتھ اور سوارتھ کا، اور ان کے چرنوں میں دن دن پریت اور
 پریت بڑھانا رہے۔

(۸) جہاں تک ہو سکے کسی جیو سے برودھا اور ایرکھا دل میں نہ رکھے

..... (ص ۶۱-۶۲)

کو بطور دل بہلاؤ یا تفریح طبع ایک شغل بنا رکھا ہے، یہ مت نہ فائدہ مند ہے نہ ان کی سمجھ میں آوے گا۔“ (ص ۵)

۳۶۔ رادھا سوامی مت، دنیا کا عجیب و غریب مذہب :- مولفہ نندو سنگھ جیہ آبادی مطبوعہ نندے ماترم اسٹیٹم پریس، لاہور ۱۹۲۵ء - ص ۱۱۸۔

اس کتاب میں بھی رادھا سوامی مت کی تعلیمات سوال و جواب میں بیان کی گئی ہیں۔

۳۷۔ رادھا سوامی مت سندرش :- سرورق غائب تھا اس لئے مولف کا نام مطبع اور سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔ نسخہ قدیم ہے۔ کتاب کے تمام مضامین دفعتاً میں بیان کئے گئے ہیں عبارت کا نمونہ اور بعض تعلیمات حسب ذیل ہیں :-

”رادھا سوامی مت کے ابھیاسی کو ان سنجوں کی سنبھال رکھنا چاہیے۔
دفعہ ۱۲۹۔ جو کوئی رادھا سوامی مت میں شامل ہووے اور اس کے موافق ابھیاس شروع کرے اس کو یہ پنجم واسطے درستی سے کرنے ابھیاس شرت شبدا مارگ کے درکار ہیں :-

(۱) مانس اہار نہ کرے اور نہ کوئی نشے کی چیز پیوے یا کھاوے حقہ پینا نشے میں داخل نہیں۔

(۲) معمولی کھانے سے آہستہ آہستہ قریب چوتھائی حصہ کے کم کر دیوے اور بہت چکنے چپڑے اور سواہ کے بھوجن نہ کھاوے۔

(۳) سونے میں بھی کچھ کمی کرے، یعنی عام طور پر چھ گھنٹے سے زیادہ نہ سووے۔

(۴) سنساری لوگوں سے ضرورت کے موافق میل اور برتاؤ کرے ان سے زیادہ میل نہ رکھے اور بغیر ضرورت کے کسی سنساری معاملے میں دخل نہ دیوے۔

اور چونکہ انسان کے جسم و ذہن پر فناء، ساز و سامان زندگی و حالات
گرو و پیش کش کا بخاری اثر پڑتا ہے اس لئے رادھا سوامی مت
سکھاتا ہے کہ شوقین پیرانہ کتنی صرف اس قسم کی ستو گنی غذاؤں
کا استعمال روار کئے جو اس کے جسم و ذہن کو غیر ضروری و ناشائستہ
حرکات کے لئے مشتمل نہ کریں، اور ساز و سامان زندگی سے محض
حسب ضرورت یعنی کارج مাত্র واسطہ رکھے، اور اپنا وقت ایسے
مشغلوں و سنگ و ساتھ میں گزارے جو حصول مراد میں معاون
و مددگار ہوں۔“ (ص ۳-۵)

(۲) سنت مت کی دیگر رسم، یعنی سوال و جواب۔ مطبع ایجاد کشن، اگر ۱۹۵۵ء میں
اس رسالے میں سنت مت کی تعلیمات سوال و جواب کے پیرائے میں
بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً:-

”سوال۔ سنت مت یا رادھا سوامی پنتھ کس کو کہتے ہیں؟“

جواب:- سنت مت تمام روئے زمین کے مذہبوں کا بھر ہے تمام
علم و حکمت کا مجموعہ ہے، جس کو سنتوں یعنی فقرائے کامل نے
بے شمار تجربوں اور ابھیا س کے بعد ظاہر کیا ہے۔ یہی مت ہے جس
کے ذریعے سچے مالک رادھا سوامی کی پہچان اور ان کے ملنے کا
راستہ اور منزلوں کے بھید معلوم ہو کر سچی خوشی اور نجات حاصل ہو سکتی
ہے۔ یہ مت اور اس کا ابھیا س خاص کر ان لوگوں کے واسطے ہے
جن کو سچے مالک کے ملنے کا چاہ اور اپنے جیو کے لیان اور اودھار کی
فکر ہے۔ دنیاوی خواہشوں و مان پرائی چاہنے والوں کے واسطے و
نیتر جنوں نے مذہب کو اپنا روزگار بنا رکھا ہے یا مذہبی بحث و مباحثہ

۵۔ اسی وجہ سے رادھاسوامی مت میں خاص زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ انسان اپنی جسمانی، دماغی و روحانی تینوں قسم کی قوتوں کا بیدار کرنا زندگی کا نصب العین بنائے اور تباہی و تباہی کو بالائے طاق رکھ کر روانہ دارمنا سب تہذیبیں مکمل میں لادے۔

۶۔ یہ مسلم ہے کہ جسمانی و دماغی قوتیں بیدار کرنے کے لئے بہ نوازائید کو ادل کچھ عرصہ اپنے والدین سے مدد لینی پڑتی ہے۔ نراں بعد وہ درشت جسمانی اور علوم و فنون کے ماہران کی شاگردی اختیار کرتا ہے۔ اسی اصول پر رادھاسوامی مت سکھلاتا ہے کہ اپنی پوشیدہ روحانی قوتیں بیدار کرنے کے لئے بھی ہر انسان کو کسی کامل روحانی استاد کی جسے سنت مت کی اصطلاح میں سنت ست گورو کہا جاتا ہے شاگردی اختیار کرنی چاہئے۔

۷۔ مگر واضح ہو کہ سنت ست گورو سے مراد کسی ایسے شخص سے نہیں ہے جو روحانی قوتوں و منزلوں کے راز سے محض علمی واقفیت رکھتا ہو۔ بلکہ اس کامل پُرس سے ہے جس نے بذریعہ عمل اپنی روحانی قوتوں کو کلیتہً بیدار کر کے سچے مالک سے وصل حاصل کیا ہے، یا جس کو جہنم سے یہ پر مگتی حاصل ہے۔

۸۔ جب کوئی نوعر تحصیل علم کی غرض سے اسکول یا مکتب میں داخل ہوتا ہے تو ادل اسے بچپن کی آزادی چھوڑ کر اور قوی کی غیر ضروری حرکتیں روک کر پورے طور پر توجہ اپنے سبق میں دینی پڑتی ہے۔ اسی بنا پر اسی علم روحانی کے طالب کو دنیوی آزادی چھوڑ کر اور جہنم و من کی غیر ضروری حرکتیں روک کر اپنی توجہ روحانی نشا نے پر کیسے و قائم کرنی ہوتی ہے۔

۲۔ رادھا سوامی مرت سکھاتا ہے کہ انسان کے وجود میں تین جوہر موجود ہیں۔ اول کثیف مادہ جس سے انسان کا کثیف یعنی سستھول جسم بنتا ہے۔ دوم لطیف مادہ جو انسان کے من کا مسالہ ہے۔ اول قیسرے روح، یعنی سُرست جو انسان کے وجود کی جان ہے اور جس سے اُس کے من و جسم کی نشوونما ہوتی ہے۔ انسان کے جسم و من دونوں فانی یعنی ناشمان ہیں، لیکن روح غیر فانی ہے۔

۳۔ اور جیسے انسانی وجود کو رچنے و جان دینے والا اس کا آتما یعنی سُرست ہے ایسے ہی کُل کائنات یعنی سُرشٹی کو رچنے و جان دینے والا ایک "پریم آتما" ہے جس کو مالک کُل یا رادھا سوامی دیال کہتے ہیں۔ اور چونکہ تمام آتما اور پریم آتما یعنی سُرست و مالک کُل کا جوہر ایک ہی ہے اس لئے انسانی وجود کُل رچنا کا نمونہ تسلیم کیا جاتا ہے، اور رچنا کو عالم کبیر اور انسانی وجود کو عالم صغیر کہتے ہیں۔

۴۔ رادھا سوامی مرت بتلاتا ہے کہ مالک کُل نے آتماؤں کو سُرشٹی سے تعلق قائم کرنے اور جسم انسانی سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع دینے کی غرض سے اس جسم انسانی، کے اندر متعدد پوشیدہ قوتیں مقیم فرمائیں، اور نوع انسانی کو ان عطیوں اور ان کی منفعت سے آگاہ کرنے کے لئے انتظام فرمایا کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً ایسی پاک اور بیدار ارواح کا نزول ہو جو ان قوتوں کے راز، ان کے بیدار کسے کے طریق اور ان کے استعمال کے ڈھنگ سے بخوبی واقف ہوں، اور جنہیں وہ راز و سرور کو سمجھانے، ان قوتوں کو جگلانے، اور نوع انسانی کو ان سے مستفید کرانے کی توفیق حاصل ہو۔

ایک گاؤں مراری کے رہنے والے تھے، اور بجائے آگرہ کے انھوں نے وہیں کی سکونت اختیار کی۔

۱۹۱۴ء میں آگرہ سے کچھ فاصلے پر دیال باغ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور وہاں شیو دیال صاحب کی سادہ بنائی گئی۔ اس سے قبل کامتا پرشاد سرکار کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب گرد کی گدی پر صاحب جی مہاراج بیٹھے۔ انھوں نے تعلیمی اداروں کے علاوہ دیال باغ میں مختلف صنعت و حرفت کے کارخانے جاری کئے جو روز بروز ترقی کر رہے ہیں۔ یہ کارخانے افراد کی ملک نہیں ہیں بلکہ رادھا سوامی جماعت کے مشترکہ سرمائے سے قائم کئے گئے ہیں۔ دیال باغ میں جماعت کے سارے کام ایک بورڈ کے سپرد ہیں۔ یہاں سے سب سٹیکوں نے وہاں اپنے ذاتی مکانات بنوا کر بود و باش اختیار کر لی ہے۔ صاحب جی مہاراج کو حکومت کی طرف سے سرکار کا خطاب بھی ملا تھا۔ چند سال ہوئے اُن کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ گورچرن داس مہتا گرد مقرر کر دئے گئے یہ

اردو میں رادھا سوامی مت کی جو کتابیں مطالعے میں آئیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے

(۱) تیمار تھ پرکاش :- حصہ اول و دوم۔ مصنفہ صاحب جی مہاراج آئندہ روپ صاحب۔ شائع کردہ۔ رادھا سوامی مت سنگ سیچھا، دیال باغ، آگرہ مطبوعہ آرنی پریس، دیال باغ، آگرہ ۱۹۳۳ء۔ ص ۲۶۸۔

اس کتاب کے حصہ اول میں ”رادھا سوامی مت کی تعلیم“ اس طرح بیان کی گئی ہے :-

”۱۔ رادھا سوامی مت کی تعلیم نہایت سادہ و سہج ہے۔ لیکن اس دل کے لئے جو سچے مالک کی محبت سے خالی ہے اس کا سمجھنا محال بلکہ ناممکن ہے۔

۱۔ ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں، از پروفیسر ریتیم سنگھ، مطبوعہ امرت، لاہور، ۱۹۳۱ء۔ ص ۵۲-۵۴۔

۵) رادھا سوامی مت

رادھا سوامی مت کی بنیاد ۱۸۷۱ء میں ایک بزرگ شیو دیال صاحب نے آگرہ میں ٹالی۔ انھوں نے اپنا نام رادھا سوامی رکھا، اور اسی نسبت سے ان کے قائم کئے ہوئے مت کو رادھا سوامی مت کہتے ہیں۔ رادھا سوامی دراصل ہندوؤں میں ایشور کا ایک نام ہے۔ اس اعتبار سے رادھا سوامی مت کے معنی الہی مذہب کے ہیں۔ اس مت کے اصول مندرجہ ذیل اقتباسات سے معلوم ہوں گے جو اس فرقے کی اردو کتابوں سے ماخوذ ہیں:-

رادھا سوامی مت میں ایک زندہ گرو کے وجود پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے شیو دیال صاحب کا عقیدہ تھا کہ ایک زندہ مرشد کی تعلیم و تربیت کے بغیر نجات حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ ۱۸۷۱ء میں ان کے انتقال پر رائے بہادر سالک رام صاحب جو آگرہ میں پوسٹ ماسٹر جنرل رہ چکے تھے اور شیو دیال صاحب کے خاص مریدوں میں تھے۔ دھرم گرو مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں جب انھوں نے وفات پائی تو برہم شنکر مصر جو ۱۸۷۸ء میں رادھا سوامی مت میں داخل ہوئے تھے اور بنارس میں رہا کرتے تھے۔ تیسرے گرو منتخب ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں ان کے انتقال پر رادھا سوامیوں کی ایک شاخ بنارس میں قائم ہو گئی وہاں ان کا ایک عالی شان عبادت گاہ ہے جو رادھا سوامی باغ کے نام سے مشہور ہے۔ برہم شنکر مصر کے بعد چوتھے گرو کا متا پرشاد سرکار مقرر ہوئے۔ یہ ضلع غازی پور کے

(۳) اصول تھیوسوفی : مس ایگر کی کتاب (ELEMENTS OF THEOSOPHY) کا ترجمہ از منشی رامیشور پرشاد، پریسڈنٹ پریگ تھیوسوفیکل سوسائٹی۔ مطبوعہ نول کشور پریس، الہ آباد۔ ۱۹۲۰ء۔ ص ۹۱۔

ایک مقام کا اقتباس حسب ذیل ہے:-

”اس وقت مطالعہ تھیوسوفی سے ہمارا خاص مقصد یہ ہے کہ ایسے اول دریافت ہوں جن کے جاننے سے کم از کم زندگی کے چند اہم مسائل اخ ہو جائیں۔ ہمیں ہر وقت ایسے سوالات سے سامنا پڑتا ہے جن کا قابل اطمینان جواب بمشکل ملتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ہماری ہستی کی کیا عرض ہے؟ گناہ کا مفہوم کیا ہے؟ تکلیف کا فائدہ کیا ہے؟ آدمی کیا ہے اور اُسکی ترقی کی انتہا کہاں تک ہے؟ دنیاوی زندگی میں جو ظاہری انصاف نظر آتی ہیں ان کا سبب کیا ہے؟ اس کا باعث کیا ہے کہ بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی خواہش کے مطابق اُن کے پاس سب شے مہیا معلوم ہوتی ہیں، اور بعض تکلیف پر تکلیف اٹھاتے ہیں، گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہیں بد بختیوں میں عرق ہو جادیں گے۔ چونکہ انسان کی اُخوت کے برتاؤ کا ہر شخص اقرار کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آدمی آدمی، فرقہ فرقہ، قوم قوم، آپس میں جھگڑتی ہیں؟ وہ کون سا قانون ہے جو تمام زندہ مخلوق کی ہستی کا اساس ہے اور کل موجودات عالم پر جادہ حکمران ہے؟ یہ چند سوال ایسے ہیں جو ہر وقت پیش آتے ہیں اور خواستگار جواب ہوتے ہیں.....“ (ص ۱۶)

اس کتاب میں انہیں سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں پیدا ہوگا۔ تین خاص باتوں پر منحصر ہے، یعنی اس کی سابق زندگی کے اعمال، خواہشات اور خیالات پر۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ان اعمال، خواہشات اور خیالات کا اثر روح پر زمانہ قیام طبقہ ہوسن داہم میں کیا ہوتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اثر محض ان طبقات میں ہی محدود نہیں رہتا ہے نہ اُن ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔ بہت کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے، اور جو باقی رہ جاتا ہے اس کے لحاظ سے انسان کی آئندہ زندگی دنیوی کی حالت اور کیفیت قائم ہوتی ہے۔.....“ (ص ۱۷-۱۶)

اس بحث کے آخر میں مسز بسنٹ لکھتی ہیں :-

” قصہ کوتاہ یہ ہے کہ پیدائش اور موت کا یہ چکر ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، اور اس ہی چکر میں روح کو گھومنا پڑتا ہے، تاوقتیکہ وہ ترقی کر کے آگے نہ بڑھ سکے۔ مگر یہ خیال رہے کہ کسی شخص کو بھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔ یہ کسی کو بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ مجھے ہمیشہ ہی اس چکر میں گھومنا پڑے گا یا ہمیشہ ہی مرکز پیدا ہونے پڑے گا۔ ایک نہ ایک وقت ہر انسان اس چکر میں گھومتے گھومتے تھکتا ہے، اور اس سے نکلنے کی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ وقت آتا ہے تو ہر انسان اپنی نجات کے ذریعے تلاش کرنے لگتا ہے.....“ (ص ۲۰)

آداگون کا عقیدہ ہندو مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے۔ بھیسو سو فی نے بھی ایسے کلیتہ قبول کر لیا ہے، اور آداگون کے چکر سے نجات حاصل کرنے کا وہی طریقہ بتایا ہے جسکی تلقین ہندو مذہب کرتا ہے، یعنی خواہشات کو ترک کر دینا جب تک خواہشیں باقی رہیں گی۔ روح تعلق دنیا سے منقطع نہ ہوگا، اور اچھے یا بُرے کاموں کا پھل پانے کے لئے اسے بار بار دنیا میں اگر مادی قالب اختیار کرنا پڑے گا۔

پر یکے بعد دیگرے مذہب نمودار ہوتے رہے۔ جو اس وقت کی توحی نشوونما کے لئے موزوں تھے، اسی طرح ہمارے زمانے میں بھی تمام مذاہب کے اصل الاصول کی دوبارہ منادی کی جائے، تاکہ کسی قوم کو بغیر ان مخصوص فیائد سے محروم نہ ہوئے جو اناج کو اپنے اپنے مذہب سے حاصل ہیں یہ دکھایا جائے کہ تمام مذاہب کا مقصود ایک ہی ہے، بلکہ تمام مذاہب ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں۔ مذہب کو اس طریقے پر زمانہ موجودہ میں پیش کرنا نہایت غروری اور اہم تھا..... (ص ۲-۳)

(۲) دنیا و عقیقہ :- ”مسٹر بسنٹ کے لکچر زندگی دنیوی اور زندگی بعد مرگ، کا ترجمہ ایک ممبر کھیو سو فیصل سوسائٹی نے کیا“ مطبوعہ سیٹھ کنڈن لال پریس، لکھنؤ۔ بنہ عقیقہ درج نہیں۔ ص ۲۲۔

مندرجہ ذیل اقتباس سے تنازع کے مسئلے پر روشنی پڑتی ہے :-
 ”خیر، اب تک تو ذکر ان طبقات کا تھا جن میں انتقال کے بعد روح رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کیونکر از سر نو جنم لیتا ہے، یعنی پھر اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ انسان ہمیشہ اس ہی جگہ پیدا ہوتا ہے جہاں وہ سامان موجود ہوں جن کی خواہش اور آرزو اس کی طبیعت میں ہے۔ انسان چونکہ معمولی طور سے ان ہی چیزوں کا آرزو مند رہتا ہے جو محض اس ہی دنیا یعنی عالم ناسوت میں موجود ہیں۔ لہذا انتقال کرنے کے بعد اور طبقات اعلیٰ میں چند روز قیام کرنے کے بعد انسان پھر بہت جلد اس ہی دنیا میں لوٹ آتا ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ اس کی خواہشیں اُسے پھر اس ہی دنیا میں لے آتی ہیں۔ رہا یہ امر کہ اس دنیا میں لوٹ آنے پر وہ کس کیفیت اور حالت

کے اسماء مختلفہ سے مراد ہمیشہ ایک ہی لی گئی ہے۔ زمانہ حال میں اس کی شہرت جدید کا باعث یہ ہے کہ فی زمانہ مادہ پرستی نہایت عتد سے اور خطرناک طور پر ان قوموں میں ترقی کر رہی ہے جو دنیاوی تہذیب کی رفتار میں سب کی رہتا رہی تھیں جس قدر سائنس نے اپنے علم کو زیادہ وسعت دی، اسی قدر وہ مادہ پرستی کے دوش بدوش چلی۔ لفظ ”لا ادری“ ہر سائنس دان کا خاص لقب ہوتا جاتا تھا، اور اس نازک وقت میں مغرب کے مخصوص خیالات کے درمیان یہ خیال پھیل رہا تھا کہ جہاں انسان ہر محسوس شے کا اپنے حواس ظاہری سے علم حاصل کر سکتا ہے، اور ان محسوسات سے عقل کی دسات سے نتائج اخذ کر سکتا ہے، وہاں جو چیزیں اس کے حواس اور ادراک سے باہر ہیں۔ اُن کے حاصل کرنے اور سمجھنے کے لئے اس کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے، اور نہ کوئی اور ذریعہ ہے کہ جس سے وہ اپنے سے پرے یا ماوراء عالم کو محسوس کر سکے۔ پس ایسی حالت میں یہ غیر ممکن ہے کہ انسان زندگی کے عمیق اور دفاعی مسائل، اپنے آغاز اور انجام، غرض کہ ہر وہ شے جو لفظ خدا، حیات جادو دانی و روح سے متعلق ہے معلوم کر سکے۔ اس قسم کے خیالات کا اثر مشرق پر بھی پڑ رہا تھا، اور اُن لو آباؤوں میں بھی جہاں مغربی خیالات سرایت کر چکے ہیں۔ اور اس کے تمام دنیا پر حاوی ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ایسی حالت میں ہادیان انسانیت نے مناسب سمجھا کہ اس قدیم صداقت کو ایک ایسی شکل میں دوبارہ شہرت دی جائے جو زمانہ حال کے انسان کی طبیعت کے موافق ہو، اور جس طرح زمانہ قدیم میں انسان

پس تحقیقات کرنا،^۱

یہ اصول کم و بیش تمام مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں جو چیز تھیوسوفیکل سوسائٹی کو ہندو مذہب سے خصوصیت کے ساتھ وابستہ کرتی ہے وہ تنازع کا عقیدہ ہے۔ میسٹرم بلاؤسکی نے ایک ہندو رشی سے روحانی تعلیم حاصل کر کے سوسائٹی کی بنیاد رکھی تھی چنانچہ روح کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے دنیاوی زندگی جس طرح بار بار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس کی تشریح تھیوسوفی میں ہندوؤں کے کرم اور آواگون کے عقیدے کے مطابق کی گئی ہے۔ تھیوسوفی، بقول ڈاکٹر سید عابد حسین، ”ہندو مذہب، ہندو فلسفہ اور مخفی علوم کا معجون مرکب ہے“، اس نے ہندو مذہب میں ایک جدید اصلاحی تحریک پیدا کی جس کی بنیاد آپ نے سائنکھیکہ لوگ اور ویدانت پر تھی۔

سوسائٹی کی بعض کتابیں
اُردو میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی طرف سے
متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سے

چند جو مجھے مل سکیں ان کے اقتباسات ذیل میں درج ہیں:-

(۱) تھیوسوفی کیا ہے:- مسرانی بسنٹ کی انگریزی کتاب (WHAT

THEOSOPHY) کا اردو ترجمہ۔ مترجم کا نام درج نہیں۔ مطبوعہ نول کشور پریس

لکھنؤ۔ ۱۹۱۳ء۔ ص ۱۶۔

مسر بسنٹ تھیوسوفی کی غرض و غایت کے متعلق لکھتی ہیں:-

”تھیوسوفی اپنی موجودہ شکل میں ۱۸۷۵ء میں دنیا میں نمودار ہوئی لیکن

تھیوسوفی، فی نفسہ اسی قدر قدیم ہے۔ جس قدر کہ انسانی تہذیب

اور قوت فکر۔ یہ دنیا میں مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے مشہور

رہی ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ مختلف ناموں سے مشہور رہی اس

یہی مقام سوسائٹی کا مرکز ہے۔ یہاں سوسائٹی کے قبضے میں (۲۶۶) ایکڑ زمین ہے جس میں متعدد خوبصورت عمارتیں ہیں۔ اس کا ایک ذاتی کتب خانہ بھی ہے جو آپ لشکر کے بہترین ذخیرے کے لئے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ اس میں سنسکرت کے بعض بے مثل خطوط بھی ہیں۔

کرنل ایلکاٹ اپنی وفات (۱۹۰۷ء) تک سوسائٹی کے صدر رہے۔ ان کے بعد مسٹر اینی بسنٹ صدر منتخب ہوئیں۔ ہندوستان میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی تحریک کو اصلی فروغ مسٹر بسنٹ کی شرکت سے ہوا۔ وہ ۱۸۹۳ء میں ہندوستان آئیں۔ سوسائٹی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے علاوہ انھوں نے ہندو قوم کی تعلیمی ترقی کے لئے بھی خاص طور پر کوشش کی۔ چنانچہ یہ انھیں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۹۶ء میں سنٹرل ہندو کالج بنارس میں قائم ہوا۔ جو ترقی کے ۱۹۱۶ء میں ہندو یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ گیا۔ مسٹر بسنٹ نے ہندوستان کی نیشنلسٹ جماعت کی سیاسیات میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ ہوم رول لیگ کی بنیاد انہی نے ڈالی۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس کی صدر بھی منتخب ہوئیں۔ لیکن ان کا اصلی کارنامہ اس ملک میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کے اصولوں کی نشر و اشاعت تھی، اور اس تحریک کو انھوں نے اپنی تحریر و تقریر کی فصاحت و بلاغت سے بہت ترقی دی۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی کے تین خاص اصول ہیں جن کو تسلیم کرنا سوسائٹی میں داخل ہونے کے لئے لازمی ہے :-

۱۔ نسل، فرقہ، جنس، ذات یا رنگ کے امتیاز کے بغیر نوع انسانی کی عالم گیر برادری کا ایک مرکز قائم کرنا۔

۲۔ مذہب فلسفہ اور سائنس کے تقابلی مطالعے کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۳۔ قدرت کے غیر مصرح قوانین اور ان طاقتوں کی جو انسان میں پوشیدہ

۱۳) تھیوسوفیکل سوسائٹی

تھیوسوفیکل سوسائٹی کی بنیاد میڈم بلاوٹسکی (MADAME BLAVATSKY)

اور کرنل اولکھاٹ (OLCOTT) نے ۱۸۷۵ء کو نیویارک، امریکہ میں رکھی۔ میڈم بلاوٹسکی ایک دولت مند اور ذی وجاہت روسی خاندان سے تھیں۔ وہ غیر معمولی روحانی صلاحیتیں رکھتی تھیں۔ جن کی تربیت ان کے قول کے مطابق مشرق کے ایک رشی نے کی تھی، جس کی تلاش میں اپنے خاندان اور دولت و ثروت سے منھ میڑ کر انھوں نے بہت کا سفر اختیار کیا تھا۔ بہت میں وہ شنگھائی (SHANGHAI) کے قریب چند سال اسی رشی کے پاس رہنے کے بعد وہاں سے واپس آئیں اور اپنی بقیہ زندگی اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے کے لئے وقف کر دی۔ امریکہ میں ان کی ملاقات کرنل اولکھاٹ سے ہوئی جو ان کے شاگرد ہو گئے۔ میڈم بلاوٹسکی نے شروع میں امریکہ کے روحانیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی کوشش کی، لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو کرنل اولکھاٹ کی اعانت سے انھوں نے تھیوسوفیکل سوسائٹی قائم کی۔ سوسائٹی کے سرکاری کے فرائض انھوں نے خود اپنے ذمے لئے اور کرنل اولکھاٹ کو اس کا صدر بنایا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی کا صدر مقام پہلے نیویارک تھا۔ لیکن ۱۸۷۹ء میں میڈم بلاوٹسکی اور کرنل اولکھاٹ امریکہ چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے، اور ممبئی کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا۔ ۱۸۸۲ء میں وہ ممبئی سے منتقل ہو کر مدراس کے قریب ادیار میں آ گئے۔ اور اس وقت سے

سنہ درج نہیں۔ نس۔ ۱۶۔

(۴۸) شوگ غلامی :- ازمانہ جلال پوری۔ برمن اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۵ء۔ ص ۹۲۔
(۴۹) امور سدھانت :- ازباجوالا پیرشاد و دیارتھی۔ مطبع و دیادرن، میرٹھ ۱۹۹۰ء۔

ص ۹۶

(۵۰) آریہ سدھانت یکتاوی :- حصہ اول۔ از کرپارام شرما۔ ویدک دھرم پریس، دہلی،
سنہ درج نہیں۔ نس۔ ۱۰۰۔

(۵۱) آریہ جاتی کے تیوہار :- از لالہ دیوان چند گڈھوک۔ گدھرا سٹیم پریس، لاہور ۱۹۳۶ء۔
ص ۸۴۔

(۵۲) پرشارتھ پرکاش :- مترجمہ دینا ناتھ۔ آریہ پریس، جالندھر ۱۹۱۱ء۔ ص ۲۶۴۔

(۵۳) شرمی :- از کنور بہادر کیسنہ شاہی پریس، کان پور ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۱۔

(۵۴) موتیوں کا ہار :- از لالہ نسراج۔ رائپوت پرنٹنگ ورکس، لاہور ۱۹۱۴ء۔ ص ۲۳۲۔

(۵۵) لیکھ مالا :- از مہاتما نسراج جی۔ گیلانی پریس، لاہور ۱۹۳۳ء۔ ص ۱۴۴۔

(۵۶) جواہر الصدق (خلاصہ سیتارتھ پرکاش) مرتبہ منشی لالتا پیرشاد شفق۔ لاہور پریس

کان پور ۱۹۱۹ء۔ ص ۱۱۶۔

(۳۲) گلدستہ دھرم :- از لالہ بنواری لال دیش سیکو اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۵۱ء یکم ص ۳

(۳۳) روح و مادہ کی ازلیت :- از لالہ پیر بھو رام آریہ محمدی پریس، لاہور۔ نہ درج نہیں

ص ۵۴ -

(۳۴) ویدک دھرم پر چارہ: از رائے لکھنوی، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۵۳ء، بکریم فاضل

(۳۵) برہمچریہ کی عظمت :- از مہتہ جینی بی۔ اے۔ جارج اسٹیم پریس لاہور۔ - یہ نہیں ص ۲۲

(۳۶) ویدیر کا شہر :- از مہتہ جے چند۔ پنجاب اکاڈمی کالج پریس، لاہور ۱۹۵۷ء میں ۴۴

(۳۷) دیدوں کی عظمت :- از کربار اہم شہرہ مفید عام پریس، لاہور ۱۹۰۲ء میں ۶۴-۶۵

(۳۸) وچار مالہ:- از دیوان چندایم۔ اے مرکز ٹائل پریس لاہور ۱۹۴۳ء - ۱۹۸۰ء۔

(۳۹) رتن ساگر :- ازدیوان چندریم - اے۔ راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۱۷ء۔ ص ۱۶۰۔

۴۰۱. راه راست :- از سوانی سرودانندچی، نامی پیرس، اہوریر ۱۹۳۳ء - ص ۴۰۴۔

(۱۴) آئندہ سنگره :- از سوامی سرودانندرجی مرکز نائل پیر لیس، لاہور ۱۹۳۷ء ص ۲۵۶

(۴۲) آریہ دھرم :- از لالہ سنت رام بی۔ اے۔ مرکز کتب اعلیٰ پریس، لاہور ۱۹۳۵ء - ص ۱۶۰۔

(۳۴) برہم و چار :- از ہجرت شہزادہ رام پبلک پرنٹنگ پریس، لاہور منہ درج نہیں

-9125

(۴۴) و چار درشن :- از بھگت شہزادہ رام - پبلک پرنٹنگ پریس لاہور - ستہ و دج

نہیں۔ ص ۴۲۴۔

(۴۵) اظہار حقیقت :- ازگیان چند آریہ - یتیم الکڑک پرسیں دلی سند درج نہیں۔ ص ۲۲۰۔

۴۴) دیدک ٹریکٹ ۱ :- ازلاچیت رائے - رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور سنہ درج

منہیں۔ ص ۱۰۲۔

(۴۷) دیدہی ایشوری گیان ہے۔ از کشتن آریویدیشک۔ گدھڑا سٹیم پریس، لاہور۔

ان پر ظاہر ہوئیں۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ آریہ سماج کی اور جو کتابیں مجھے دستیاب ہوئیں مگر ان کے آئینہ سالانہ نقل کرنے کا موقع نہ مل سکا وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

(۲۱) رشی کا بادل بالاء:- مولفہ آفتاب پانی پتی۔ چندر گپت پریس، دہلی ۱۹۳۲ء۔ ۱۸۲ ص

(۲۲) مہرشی درشن:- مولفہ تلوک چند محروم۔ گیلانی الیکٹریک پریس، لاہور ۱۹۳۷ء

ص ۱۶۸۔

(۲۳) سرگباشی مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کا جیون چرتر:- حصہ اول

از دلپت رائے دیوارتھی۔ نیو امپریل پریس، لاہور ۱۹۳۵ء۔ بکرم ص ۶۶۔

(۲۴) سوامی دیانند ادران کی تعلیم:- از رادھا کشن مہتہ۔ ہندوستان اسٹیم پریس

لاہور ۱۹۱۵ء۔ ص ۲۱۸۔

(۲۵) مہرشی دیانند سرسوتی:- از رام سروپ کوشل۔ مقبول عام پریس لاہور ۱۹۲۸ء۔ ۱۲۲ ص

(۲۶) مہرشی دیانند سرسوتی اور اُن کا کام:- از لاجپت رائے۔ رناہ عام پریس

لاہور ۱۹۰۹ء۔ ص ۶۸۲۔

(۲۷) مہرشی دیانند سرسوتی کا جیون چرتر:- از پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر سفید عام

پریس، لاہور ۱۹۹۷ء۔ ص ۹۴۸۔

(۲۸) دیانند آند ساگر:- از جپت رائے صادق۔ کاشی رام اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۵ء۔ ۱۲۶ ص

(۲۹) اُپدیش مخبری:- سوامی دیانند کے پندرہ لکچروں کا مجموعہ۔ مترجمہ مہرشی رام جگیا د

سیتہ دھرم پرچارک پریس، جالندھر ۱۹۰۳ء۔ ص ۱۵۸۔

(۳۰) سلچ کو آچ نہیں:- از پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر۔ سیتہ دھرم پرچارک

پریس، جالندھر ۱۹۵۰ء۔ بکرم۔ ص ۵۲۔

(۳۱) ویدک دھرم اور سائنس:- جلد اول۔ مولفہ پنڈت لیشن داس، بی۔ اے

ان کی ہاں میں ہاں نہ ملاتے جاویں، بلکہ ہر وقت اپنے ... اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی پابندی کریں..... آپ دیکھو گے کہ آپ کے نیک سلوک کا اثر دوسروں پر بھی پڑے گا۔ اور کبھی نہ کبھی وہ آپ کے دھرم کے ساتھی ہوں گے.....“ (ص ۲۶)

(۱۸) سیتہ اپدیش مالا :- از سوامی سیتہ نند جی - راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۱۶ء - ص ۲۰۸۔

یہ سوامی سیتہ نند کے لکچروں، خطبوں اور مضمونوں کا مجموعہ ہے۔

(۱۹) گرہستھ دھرم اپدیش - مولفہ سردار سنگھ شرما - آریہ بندھو پریس، میٹھس ۱۹۶۷ء - ص ۹۶۔

سنہ درج نہیں۔

اس کتاب میں ویدک نقطہ نگاہ سے امور خانہ داری کی تعلیم دی گئی ہے بچپن کی شادی کی بُرائی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”جب برہم چریہ کی یہ گتی ہوئی تو اس کی جگہ حضرت بال بواہ گریستوں میں گھس کر ان کا کنڈا بنانے لگے۔ اس بواہ (شادی) میں پانچ چھ برس کا لڑکا اور پانچ سات برس کی لڑکی ہوتی ہے۔ یہ رورو کر روٹی مانگنے والے بچے بواہ (شادی) کے مطلب کو کیا جانیں کہ بواہ کیا چیز ہوتا ہو ہم نہیں جانتے کہ ہمارے گریستی بھائی (عبدالدار لوگ) بواہ کرتے ہیں یا گڑیوں کا کھیل.....“ (ص ۲۵)

(۲۰) کلیات سنیا سی :- از پنڈت شرودھانند - ہندوستان الکٹرک پرنٹنگ ورکس دہلی - ۱۹۸۳ء بکرمی - ص ۵۸۰۔

یہ پنڈت شرودھانند کے مجموعہ تالیفات کا پہلا حصہ ہے جس میں ان کے سوانح حیات بھی شامل ہیں۔ اس جلد میں ان سچائیوں کا بیان ہے جو وید کے مطالعے سے

لیکھ رام جی نے محض ویدک تعلیم کی سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے لکھے تھے
 اُن کو حصہ اول میں رکھا ہے حصہ دوم میں وہ کل تصانیف شامل ہیں جو
 کہ مختلف مذاہب کے ویدک دھرم پر کئے گئے اعتراضوں کے جواب میں
 لکھی گئی ہیں۔ اور حصہ سوم کو محض محمدی مذہب کے پیروں کے لئے ہوئے
 اعتراضوں کے جوابی رسالوں کے لئے مخصوص کیا ہے.....“

- (۱۵) آریہ دھرم :- مولفہ لالہ سنت رام بی۔ اے۔ مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۳۵ء ص ۱۶۔
 اس کتاب میں ”ڈل کلاس کی لیاقت رکھنے والے لڑکوں کے لئے آریہ دھرم اور
 آریہ سماج کے متعلق آسان عبارت میں واقفیت دینے کی کوشش کی ہے۔ اس میں سیتا رتھ
 پرکاش کا خلاصہ اور ویدک دھرم کے موٹے موٹے اصول سب آگئے ہیں“
 (۱۶) جوہر تہذیب - مولفہ مہاشی دزیر چندر سیتہ دھرم پرچارک پریس، جالندھر
 ۱۹۰۵ء - ص ۸۳۔

اس میں قدیم آریائی تہذیب کا مقابلہ موجودہ تہذیب سے کیا گیا ہے۔
 (۱۷) آریہ جیون :- مولفہ شہزادہ رام آریہ - ہندوستان اسٹیٹ پریس، لاہور ۱۹۰۷ء
 ص ۵۰۔ اس کتاب میں وہ مفید عام ہدایتیں درج کی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان
 کا زندگی مذہبی سانچے میں ڈھل کر معیاری بن سکتی ہے۔ ایک مقام کا اقتباس حسبِ میل ہے:-
 ”اپنے دھرم کو ہر دل عزیز بنانے کے لئے میلان سماج کا فرض ہے کہ وہ
 ان لوگوں کے ساتھ جو ویدک دھرم سے سیری نہیں رکھتے۔ کبھی بھی سخت
 کلامی سے پیش نہ آویں۔ کیونکہ جیسا ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کوئی
 بُری طرح پیش نہ آوے اُسی طرح آپ کا بھی فرض ہے کہ آپ بھی اسی
 اصول کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں سے نرمی کا برتاؤ کریں۔ البتہ یہ
 ضروری ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ دھرم انوسار سنوک کرتے ہوئے

کہ وہ اہل یورپ کے خواب و خیال میں بھی گزریں، مدتوں پہلے بخوبی واقف تھے۔“

(۱۱) وحشت ہند :- حصہ اول - مصنفہ سیتہ دیوجی - مطبوعہ ہرپرشاد پریس، بلنڈ شہر۔

یہ رسالہ گادکشی کو روکنے کی غرض سے لکھا گیا ہے۔

(۱۲) گیمان بھاشکر :- مولفہ نندکار سنگھ - مطبع آریہ بھوشن، شاہجہانپور ۱۲۸۶ء ص ۲۲۔

یہ مختصر رسالہ سوال و جواب کے پیرائے میں آریہ سماج کی بعض تعلیمات پر مشتمل ہے۔

(۱۳) ست پرکاش :- مصنفہ بھائی جگت سنگھ، اپدیشک - ویدک کارلج، لاہور۔

۱۹۹۹ء ص ۲۲۰۔

مصنف جو پانچ چھ پشتوں سے خالصہ دھرم کا پیرو تھا اور بعد میں آریہ سماج میں داخل ہو گیا تھا اس کتاب کا مقصد یوں بیان کرتا ہے :-

”..... اس چھوٹے سے رسالے میں میرا کسی طرح بھی اور کوئی مطلب

نہیں۔ منشا یہ ہے کہ وہ خالصہ بھائی جو آریہ سماج سے پرے ہیں اور جن

کو آریہ دھرم کی پوتر تعلیم سے واقفیت نہیں ہے، یا جو اپنے آپ کو آریہ

لوگوں اور ویدک مت سے علیحدہ خیال کرتے ہیں، وہ اس رسالے کے

ذریعے سے اپنے گورو صاحبان کی پوتر بانی ہی سے سمجھ جاویں گے کہ وید

مقدس اور گرنتھ صاحب کے مت میں کچھ فرق نہیں ہے.....“

(۱۴) کلیات آریہ مسافر :- از نیڈرٹ لیکھ رام آریہ مسافر - مفید عام پریس، لاہور۔

درج نہیں۔ ص ۶۹۲۔

یہ نیڈرٹ لیکھ رام آریہ مسافر کی تمام تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ دیباچے میں منشی رام

جگیا سو جو بعد میں سوامی شردھانند کے نام سے مشہور ہوئے لکھتے ہیں :-

”اس کلیات میں آریہ مسافر کی تصنیفات کو بہ لحاظ اختلاف مضامین تین

حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے..... جس قدر کتابیں یا مختصر رسالے نیڈرٹ

پوچن ہی کو سمجھتے ہیں، اور لاعلمان مذہب ہنود جو برائے نام ہندو ہیں مگر اپنا
اسی پر ماتا پوچن ہی کی تائید اپنی تقریرات میں کیا کرتے ہیں۔ حیف ہے
ان حضرات بے علموں کے اوقات و تقریر پر۔

اب اعلان اس امر کا بھی ضرور ہے کہ مذہب ہنود میں پر ماتا پوچن ایک
طریقہ صرف ناو آتھان بید کے جی لگانے کے واسطے عقلائے سابق نے
اختراع کر دیا تھا، اور وقوع اس فعل کا حکم کسی بید کے ریچوں کے نہیں ہے، (۷-۹)
(۸) صداقت وید دھرم :- حصہ دوم - از درگا پرشاد۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔
یہ سولہ صفحوں کا ایک منظوم رسالہ ہے جس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر نظمیں ہیں :-
(۱) آریہ ورت کے دھرماتما اور عالموں کے حالات و صفات (۲) سکندریونان کا بادشاہ کا سرحد
بھارت پر ایک رشی سے ملاپ اور باہم وارتالات - (۳) شادھی صغر سنی کے نقصانات -
(۴) اچھوت جاتیوں کے اُنکار اور ان کے سدھار کے لئے اپیل - (۵) مہرشی دیانند سرسوتی
نے کیا کام کیا۔

(۹) سندھیامہ جم منظوم :- مولفہ شریمان کیول کشن عوف، پیردھان آریہ سماج، گوجرانولہ
مطبوعہ سیتہ دھرم پریچارک پریس جلدہر شہر ۱۹۰۲ء، جیبی تقطیع - ص ۴۰۔
اس میں سنسکرت کی عبارتوں کے نیچے ان کا ترجمہ اردو نظم میں لکھا ہے -
(۱۰) سوج کی روشنی میں سات رنگ :- مولفہ نیڈت گنگا پرشاد ایم۔ اے بشائع کردہ
آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب۔ آریہ پستک پریچار ٹریکٹ ۱۹۰۱ء۔ مطبوعہ رناہ عام ایسٹم
پریس، لاہور ۱۹۰۵ء۔ ص ۲۳۔

یہ کتابچہ سوامی دیانند سرسوتی کے اس خیال کی تائید میں لکھا گیا ہے کہ :-
”ویدوں میں جملہ سیتہ دیاؤں کے اصل اصول موجود ہیں اور یہ کہ آریہ ورت
کے قدیم رشی مہرشی بہت سے سائنس کے اصولوں سے پیشہ آسکے

ضرورت سے آگاہی اس کتاب کا خاص منشا ہے۔ راقم مصنف۔“
 (۷) آئینہ مذہب ہنود :- مصنفہ نشی جے دیال سنگھ۔ نول کشور پریس، کان پور، بارنیم
 ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۲۸۔

مصنف کی زبان اور وضاحت بیان قابل توجہ ہے۔ ”مختصر توضیح اصول مذہب اہل
 ہنود“ کے عنوان سے لکھتے ہیں :-

” واضح ہو کہ اس عالم کے شروع پیدائش سے یہ دین مقدس ازلی اہل
 ہنود کا ہے، اور از روے بید اور بیدانت پر میشر کو جو آفریدگار ہر
 عالم و مظہر تمامی مظہرات و موجودات کا ہے۔ واحد اور از خود
 موجود ہونا اور قائل ہر فعل کا سمجھنا، یہ اصول مذہب ہنود ہے۔ بید میں
 پر میشر فرماتا ہے کہ: ”ایکو ہم دو تیا است“ چنانچہ اسی قول اشیرف
 کی تائید پر تمام گیانیوں اور بے گیانیوں کا فعل اور پابندی ہے
 پس جو کوئی سوائے ایک آفریدگار عالم کے دوسرے کو پوجتا ہے، یا
 کسی قسم کی غیروں سے اُمید رکھتا ہے۔ وہ جاہل مطلق اور گمراہ محض ہے
 کیونکہ آتما قائم، جاوداں اور حاجت برار ہر مخلوق ہے۔ ..
 اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہ دین ہنود میں سوائے ایک پر میشر کے اور
 کسی سے کچھ غرض رکھنا یا سجدہ یا تعظیم مجودانہ بجا لانا از روے بید
 جائز نہیں ہے

اوپر سمجھا چکا ہوں کہ دین ہنود کا اصلی چیز یہ آتما پوجن نہیں ہے، اور دوسرے
 مذاہب والے اس مذہب مقدس کو صرف باعث بالا سے معترض قرار
 دیتے ہیں، حالانکہ وہ نادانقت محض اور نامحرم مطلق صرت نادانقتان
 بید اور بیدانت کے۔ نیچے کو دیکھ کر اصول مذہب ہنود کا پیرائے

(۴) سنسکار ودھی اور اس کی تشبیح۔ مولفہ ہتھتہ جی۔ مطبع منش سرمدھار، ملتان۔
یہ رسالہ سنسکار ودھی کے اردو ترجمے کا دیباچہ ہے۔

(۵) کاشف اسرار حقیقی۔ مولفہ منشی بالکنڈ سہائے۔ مطبع زبدۃ النظائر، الہ آباد ۱۸۹۲ء
ص ۲۰۶۔ کتاب کی عبارت نہایت رنگین ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:-

”اب شہسو ار خامہ بے زبان کو میدان صفحہ قرطاس احوال پر لال آریہ دشت
میں بنا بر رہنائے اسیران دام حسرت و صوبت و گرفتاران مجلس محنت
و مصیبت کے یوں سبک رفتار کرتے ہیں، دعاقلان و عالمان مضامین
تعاقب گمراہان و نا فہان میں یوں — (ظہار کرتے ہیں کہ یہ آریہ دشت
دلش ہر طرح سے بوجہ علوم و فنون کے مثل آفتاب لاجواب درخشاں و
قابل تحسین و آفرین کے تھا، و دیگر تمام ملکات اسی سر شرت آریہ دشت
دلش کے شعاع علوم و فنون سے ہر ایک امور میں منور و فیض یاب
ہو تی رہی و محکوم و فرمانبردار رہی.....“ (ص ۶۳)

(۶) قدامت وید:- مصنفہ مہاشے گوردھن جی۔ بی۔ اے۔ سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج
لاڈھیٹر ہرملاد، دہلی، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس۔ ص ۷۲۔

”اس پستک میں اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا گیا ہے کہ سائنس
مسئلہ الہام کے ہرگز سدرہ نہیں ہے۔ وید کا ظہور انسانی جماعت میں
کیسے ممکن ہے۔ اس کو تنبیہ، شکر اور دیانند کے حوالوں سے بخوبی
دانش کیا گیا ہے۔ وید کے الہامی ہونے میں وید کی اپنی شہادت پیش
کی گئی ہے جو مصنف کی اپنی کہیں کا نتیجہ ہے۔ اسی قسم کی شہادت جو اس
وقت تک دی جا چکی ہے اس کی تکمیل میں اس سے بڑی مدد ملے گی نیز کہ
الہام کے متعلق خیالات کی درستگی اور الہام کے نہ مانتے والوں کو اس کی

خطوط وحدانی میں ہیں وہ میرے ہیں۔ باقی تمام مصنف کے خیالات ہیں۔۔۔۔۔“

آریہ سماج کی دوسری کتابیں

(۱) سیتارتھ پرکاش کے بعد سوامی دیانند سرسوتی کی سب سے زیادہ مشہور کتاب رگ وید آدمی بھاشن بھومکا۔ یعنی رگ وید کی تفسیر ہے۔ اس کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ منشی رام جلیا سونے کیا تھا جو ۱۸۹۶ء میں مطبعہ ست دھرم پچارک، جالندھر میں چھپا تھا اس کا ایک اقتباس ہندو مذہب کی کتابوں کے سلسلے میں دیا جا چکا ہے۔

(۲) بھگروید :- ”بھگروید کی تفسیر منہ سوامی دیانند سرسوتی کا اردو ترجمہ“ از دھرم پال بآ مطبوعہ روز بازار اسٹیٹم پریس، امرتسر۔ ص ۴۳۲۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے :-

”منتر ۱۔ اے کمار اور کمارو، جس طرح میں اعلیٰ عالم و فاضل کو اس لئے کہن کرتا ہوں تاکہ اس سے علم کی دولت حاصل کروں، جسمانی اور روحانی طاقت پاؤں، تحصیل علم کے بعد نیک اولاد کی خاطر گرہ آشرم میں داخل ہو کر پیر کر رہو بنوں اور اس طرح خود بھی عالم و فاضل بنوں، اسی طرح تم بھی کرو۔ منتر ۲ :- اے ودوان، تو سرودیا پاک پریشور کو، اور پانی کے جائے قیام سمندر کو، اور بجلی وغیرہ کے کارن آگ کو بھلی پرکار جان۔ تیری رو عقل تمام اشیاء کا تجھے علم کراتی ہے۔ تیرا دل صاف ہے۔ تو مہمان ہے تو قابل تعظیم ہے۔ تو ایک مہمان شکتی پریشور کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا،

(تیرہویں ادھیائے ص ۱۷۱)

(۳) سنسکار دیپکا :- ”یعنی مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی کے مشہور گرنٹھ۔ سنسکار ودھی کا مستند اردو ترجمہ مع تفسیر و دیباچہ۔ از مہاتما منشی رام جی (سوامی شردھانند جی) دیپستار اچتہ جی۔ ایم۔ اے۔، مطبوعہ گرو دھرا سٹیٹم پریس، لاہور، بار دوم ۱۹۲۲ء ص ۵۹۹

فارسی ہے۔

(۴) سیتارتھ پرکاش :- مترجمہ چوہتی ایم۔ اے۔ مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۶ء۔ ص ۶۰۔
اس نسخے کے بعض اجزائے نامی پریس، لاہور، اور باقی مرکز ٹائل پریس لاہور میں چھپے ہیں۔
سیتارتھ پرکاش کے جتنے اردو ترجمے میں نے دیکھے زبان کی سلاست و روانی کے لحاظ سے یہ سب سے بہتر ہے۔ عبارت ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے :-

”اگرچہ میری پیدائش ملک آریہ دلت میں ہوئی ہے اور میں اس ملک کا باشندہ ہوں، تاہم جیسے اس ملک کے مختلف فرقوں کی جھوٹی باتوں کی طرف ذرا ہی نہیں کرتا بلکہ انھیں جوں کا توں ظاہر کر دیتا ہوں، ایسے ہی غیر ممالک کے باشندوں اور دیگر مذاہب کی ترقی کرنے والوں کے ساتھ بھی (غیر فزاری کا) سلوک روا رکھتا ہوں۔ انسانی بہبودی کے متعلق میرا جو سلوک اپنے ہم وطنوں سے ہے وہی دیگر ممالک کے باشندوں سے شریف انسان کے لئے یہ رویہ مناسب ہے۔۔۔۔۔“ (دیباچہ ارمصنف)

(۵) اصلی سیتارتھ پرکاش :- مترجمہ دھرم پال بی۔ اے۔ سکرٹری آریہ سماج، لاہور، مطبوعہ سیوک اسٹیم پریس، لاہور۔ ۱۹۱۲ء۔ ص ۴۴۔ مترجم نے ترجمے کے متعلق اپنے ”التاس“ میں لکھا ہے :-

”اردو ایڈیشن میں ہندی ایڈیشن کی کبھی پرکھی ماری گئی ہے تاکہ کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنی طرف سے کوئی عبارت گھٹایا یا بڑھا دی ہے۔ ہاں میں نے اپنی طرف سے اگر کسی لفظ یا عبارت کے معانی یا مفہوم کو واضح کرنے کے لئے کوئی لفظ یا الفاظ زیادہ کئے ہیں تو وہ تمام خطوط وحدانی میں رکھے گئے ہیں تاکہ مصنف کی اصلی تحریر اور میری تحریر میں کسی قسم کی ٹکڑ بٹرن نہ رہے۔ پس کتاب ہذا میں جہاں تدریجاً الفاظ

کبھی دھرم مٹ جاتا ہے تبھی میں جسم قبول کرتا ہوں۔ (گیتا ۴-۷)
 جواب :- یہ بات وید کے خلاف ہونے سے قابل تسلیم نہیں۔ ایسا ہو سکتا
 ہے کہ سری کرشن دھرم آتما تھے اور دھرم کی حفاظت کرنا چاہتے تھے
 (اگر انھوں نے یہ کہہ بھی دیا ہو کہ) میں ہر ایک ٹیگ میں جنم لیکر سرسٹھوں
 (نیکو کاروں) کی حفاظت اور دشمنوں (بدوں) کو برباد کرتا ہوں، تو کچھ
 اعتراض نہیں، کیونکہ دوسروں کی بھلائی کے لئے ہی بھلے آدمی کا تن،
 من، دھن ہوتا ہے۔ پھر بھی ایسا کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شری
 کرشن ایشور تھے۔“ (ص ۱۲۶)

”ایشور گناہ معاف نہیں کرتا سوال۔ ایشور اپنے بھگتوں کے گناہ
 معاف کرتا ہے یا نہیں؟

جواب :- نہیں۔ کیونکہ اگر گناہ معاف کرے تو اس کا انصاف قائم نہ
 رہے اور سب بڑے گنہگار ہو جائیں، کیونکہ معافی کی خبر سن کر ہی ان کو
 گناہ کرنے میں بے غمی اور جرأت ہو جائے۔ مثلاً راجہ اگر کسی کا قصور
 معاف کر دے تو وہ اس خیال سے بڑے بڑے قصور کرنے کی جرأت
 کرے گا کہ راجہ میرا قصور معاف کر دے گا۔ اور اگر اس کو یہ یقین بھی ہو
 جائے کہ راجہ سے میں ہاتھ جوڑ کر اپنا قصور بخشاؤں گا تو جو قصور نہیں
 کرتے وہ بھی نڈر ہو کر قصور کرنے لگ جائیں گے۔ پس سب کاموں کی سبب
 طور پر سزا دینا ہی ایشور کا کام ہے، معاف کرنا نہیں۔“

(۳) سیتیا تھ پیر کاشش، حصہ اول، کاسٹہ دی آمینار دو ترجمہ۔ از لالہ حیون داس
 پردھان، آریہ سماج، لاہور۔ مطبوعہ کشن چند کپنی، لاہور۔ ۱۸۹۶ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۱۳۰۔
 اس ترجمے کی زبان میں ہندی الفاظ اور سنسکرت مصطلحات کا غلبہ ہے، گو رسم الخط

کے پڑھانے سنانے کا نہ ہوتا تو ان کے جسم میں کمان اور زبان کیوں بناتا۔ جس طرح زمین، پانی، آگ، ہوا، چاند، سورج اور اناج وغیرہ اشیاء سب کے لئے بنائی ہیں، اسی طرح دید بھی سب کے لئے نکال کر رکھی ہے۔ اور جہاں کہیں ممانعت کی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس کو پڑھنے پڑھانے سے کچھ بھی نہ آوے وہ بے عقل اور جاہل ہونے سے شہور کھاتا ہے۔ اس کا پڑھنا پڑھانا اُن کے لئے ہے۔ عورتوں کے پڑھنے پڑھانے کی ممانعت جو تم کرتے ہو وہ تمہاری بے عقلی، خود غرضی اور بے وقوفی ہے۔ (ص ۵۸-۹۹)

”ورن جنم سے نہیں سوال۔ کیا جس کے ماں باپ براہمن ہوں وہی براہمن ہوتا ہے، اور جس کے ماں باپ کسی اور ذات کے ہوں ان کی اولاد کبھی براہمن ہو سکتی ہے؟“

جواب :- ہاں بہت سے ہو گئے ہیں، برتے ہیں، اور ہوں گے بھی۔ مثلاً چھاندو گیہ آپ نشد میں جاوال رشی جس کا خاندان معلوم نہیں مہابھارت میں وشوامتر کشتری ذات سے، اور تنگ رشی چندال قوم سے براہمن ہو گئے تھے۔ اب بھی جو اعلیٰ علم اور نیک مزاج والا ہو وہی براہمن (یعنی کے لائق) اور بے وقوف شدید (یعنی کے لائق) ہوتا ہے اور اسی طرح آئندہ بھی ہوگا۔“ (ص ۱۱۳)

”الیشور اوتار نہیں لیتا۔ سوال۔ ایشور اوتار لیتا ہے یا نہیں؟“

جواب :- نہیں، کیونکہ رسنکرت عبارت یہ بیکر دید کے اقوال ہیں اس قسم کے اقوال سے ثابت ہے کہ پرستار پیدا نہیں ہوتا۔

سوال :- رسنکرت عبارت سری کرشنا جی کہتے ہیں کہ جب

نہ بچوں گا۔ محض نام کے یاد کرنے سے بھی کچھ ثمرہ حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ
قد قد کہنے سے منہ بیٹھا اور نیم نیم پکارنے سے منہ کڑوا نہیں ہوتا، بلکہ
زبان سے چھکنے ہی پر بیٹھایا کڑوا پن جانا جاتا ہے۔ (ص ۴۰-۴۳۹)

(۲) سیتا رتھ پرکاش کا دوسرا اردو ترجمہ رادھا کشن مہتہ کے قلم سے ہے۔ یہ ۱۹۰۵ء
میں (۵۵۰) صفحات پر سردھکاری پریس، لاہور، میں طبع ہوا تھا۔

اس ترجمے کا چھٹا ایڈیشن ۱۹۴۴ء میں چھوٹی تقطیع کے (۷۹۹) صفحات پر شائع ہوا۔
اس کے چند اقتباسات جن سے آریہ سماج کی بعض تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے حسب ذیل ہیں۔

”شودر اور عورتوں کو وید پڑھنے کا حق ہے :- سوال کیا عورتیں اور

شودر لوگ بھی وید پڑھیں؟ اگر یہ پڑھیں گے تو پھر ہم لوگ کیا کریں گے

اور ان کے پڑھنے میں کوئی پران دھالے؟ کبھی نہیں بلکہ مانعت ہے کہ سنسکرت

عبارت عورت اور شودر نہ پڑھیں۔ یہ شرتی (وید) کا قول ہے۔

جواب :- عورت اور مرد یعنی سب نبی نفع انسان کو پڑھنے کا حق ہے

تم کنویں میں پڑو، اور تمھاری یہ شرتی فرضی اور بنیادی ہے۔ کسی مستند کتاب

کی نہیں۔ اور سب انسانوں کے واسطے وید وغیرہ شاستر پڑھنے سننے کے

حق کا ثبوت یجور وید کے چھ بیسویں ادھیائے کے دوسرے منتر میں ہے۔

(سنسکرت عبارت) اس کا یہ مطلب ہے۔ پریشور کہتا ہے کہ جس

طرح میں سب انسانوں کے لئے اس کلیان یعنی اس جہان کے سکھ اور

نجات دینے والے رگ وید وغیرہ چاروں وید کے کلام کی ہدایت کرتا ہو

اسی طرح تم بھی کیا کرو۔ کیا پریشور شودروں کا بھلا کرنا نہیں

چاہتا؟ کیا ایشور طر فدار ہے کہ ویدوں کے پڑھنے سننے کی شودروں کو

مانعت کرے اور دوجوں کو اجازت دے؟ اگر پریشور کا مدعا شودر وغیرہ

ضرورت ہونا چاہئے۔ بھلا جو کچھ کبھی نہیں توبت کے سامنے جا ہاتھ جوڑ پڑیو
کی یاد کرتے اور نام لیتے ہیں۔ اس میں کیا ہرج ہے ؟

جواب :- چونکہ پریشور بے شکل موجود کل ہے اس لئے اس کا بت بن
ہی نہیں سکتا۔ اور اگر بت کے محض دیدار سے پریشور کی یاد ہو سکے تو پریشور
کی بنائی ہوئی زمین، پانی، آگ، ہوا، اور نباتات وغیرہ کئی اشیاء جن
میں کہ پریشور نے عجیب صفت بھر رکھی ہے، ان سے یاد کیوں نہیں ہوتی
کیا ایسی صنعت والی زمین، پہاڑ وغیرہ دیکھنے سے جو کہ پریشور کے بنائے
ہوئے بڑے بت ہیں اور جن سے کہ انسان کے بنائے ہوئے بت بنتے
ہیں۔ پریشور کی یاد نہیں ہو سکتی۔ تم جو یہ کہتے ہو کہ بت کے دیکھنے سے پریشور
کی یاد ہوتی ہے، تو تمہارا یہ کہنا بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ جب وہ بت
سامنے نہ ہوگا تو پریشور کی یاد نہ رہنے سے انسان تنہا جگہ دیکھ کر چوری
زنا کاری وغیرہ بد فعلی کرنے کی طرف راغب ہو جائے گا، کیونکہ وہ جانتا
ہے کہ یہاں پر اس وقت مجھے کوئی نہیں دیکھتا۔ اس لئے وہ خرابی کئے
بغیر نہیں چو کے گا۔ اس قسم کے کئی عجیب پتھر وغیرہ کی پرستش یعنی بت
پرستی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ جو شخص پتھر وغیرہ بتوں کو
(خدا) نہ مانتا ہو، ہمیشہ موجود کل، ہمہ داں، عادل پریشور کو سب جگہ
موجود جانتا اور مانتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہر جگہ پریشور کو سب کے بڑے پھلے
عملوں کا شاہد جانتا ہوا ایک لمحہ بھر کے لئے بھی پریشور کو اپنے دل سے
دور نہ سمجھ کر بد فعلی کرنا تو درکنار، بلکہ دل میں بُری خواہش تک بھی نہیں
کر سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں دل، کلام، اور فعل سے کبھی کچھ خراب
کام کروں گا تو اس میں ہمہ داں کے انصاف سے بغیر سزا پائے ہوئے ہرگز

یہی ترجمہ تیسری بار ۱۹۱۰ء میں رفاہ عام پریس، لاہور میں چھپا تھا۔ دیاچہ مصنف کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے کتاب کا موضوع واضح ہو جائے گا:-

”یہ کتاب چودہ بابوں میں تقسیم کی گئی ہے، جن میں سے دس باب بطور حصول اور چار باب بطور حصہ دوم ہیں۔ لیکن بار اول میں دو آخری باب اور اپنا عقیدہ کسی وجہ سے چھپ نہ سکے تھے۔ اب وہ بھی چھپوا دئے ہیں۔ باب اول میں ایثور کے ’ادم‘، وغیرہ ناموں کی تشریح ہے۔ باب دوم میں اولاد کی تربیت، باب سوم میں برہمچریہ، درس و تدریس کا دستور العمل، اور راست و ناست کتابوں کے نام اور طریقہ تعلیم۔ باب چوتھے میں سیاہ اور امور خانہ داری۔ باب پانچویں میں بان پرستہ اور سیناس آشرم کے متعلق ہدایات۔ باب چھٹے میں ملج دھرم (ذرائع سلطنت) باب ساتویں میں دیدار ایثور کا گیان۔ باب آٹھویں میں جگت کی پیدائش، قیام و فنا۔ باب نویں میں وڈیا، ادڈیا، بنڈ اور موکش کی تشریح۔ باب دسویں میں نیک و بد چلن، اور کھانے نہ کھانے کے قابل چیزوں کا ذکر۔ باب گیارہویں میں آریادرت کے مختلف متوں (مذہبی عقیدوں) کی تردید و تائید۔ باب بارہویں میں چار داک، بودھ اور جین مت کا بیان۔ باب تیرہویں میں عیسائی مت کا ذکر۔ باب چودھویں میں مسلمانوں کے مذہب کا بیان۔ اور چودہ بابوں کے بعد محض آریوں کے قدیم عقائد کی تشریح دی گئی ہے جن کو میں بھی جیوں کا تینوں مانتا ہوں۔“

اسی ترجمے کا آٹھواں ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں راجپال، منیجر آریہ سچکالیہ، انارکلی، لاہور نے شائع کیا۔ اس کے صفحات کی تعداد ۷۶۷ ہے۔ ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

”سوال۔ پریشور بے شکل ہے۔ وہ تصور میں نہیں آسکتا۔ اس لئے

کاغذ میں داخل کئے جاتے ہیں اور پچیس سال کی عمر تک سنسکرت اور ہندی میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس درمیان میں وہ اپنے والدین سے علیحدہ رہتے ہیں اور برہمچاری کہلاتے ہیں۔ ان برہمچاریوں کا مقصد زندگی یہ قرار دیا گیا ہے کہ گرو گھر سے نکلنے کے بعد ملک میں سماج کے اصولوں کی تبلیغ کریں اور نہ صرف ویدک دھرم بلکہ ویدک تہذیب کو بھی جاری کرنے کی کوشش کریں۔ ہر دربار کے نمونے پر متحضر اور دہلی میں بھی گرو گھر قائم کئے گئے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے گرو گھر علیحدہ ہیں۔

ویدک دھرم کے پیرچار کے سلسلے میں آریہ سماج کی ایک نہایت اہم اصلاح شادی کا مسئلہ ہے۔ ہندو مذہب کی رو سے دوسرے مذہبوں کے سیر و ہندو نہیں بنائے جاسکتے ہندو پیدائش ہی سے ہندو ہوتا ہے۔ لیکن آریہ سماج نے شادی کا طریقہ جاری کر کے دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی ہندو بنانے کی کوشش کی۔ یہ گویا عیسائی اور مسلمان مبلغین کی سرگرمیوں کا جواب تھا۔

آریہ سماج کی سب سے مشہور کتاب سیتا رتھ پرکاش ہے۔ جو سوامی دیانند سرسوتی کی مشہور تصنیف اور سماج کا نیا دیکھ ہے۔ اصل کتاب ہندی میں ہے، لیکن اردو میں بھی اس کے متعدد ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے جو مجھے دستیاب ہوئے وہ حسب ذیل ہیں :-

سیتا رتھ پرکاش

(۱) اس کتاب کا سب سے پہلا اردو ترجمہ آریہ پرتی ندھی پنجاب کی طرف سے گوردت بھون، لاہور، نے اگست ۱۸۹۹ء میں شائع کیا تھا۔ اس کا ایک بوسیدہ نسخہ گوردت بھون نے آریہ سماج لائبریری، لاہور، میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۸۸ صفحات پر چھپا ہے ترجمین کے نام یہ ہیں :- ماسٹر آتمارام۔ پنڈت رمل جی، بالو نہال سنگھ، اور پنڈت چوتی ایم۔ اے۔ مسروق غائب ہونے سے مطبع کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ کتاب کے آخر میں یہ عبارت درج ہے :-

”یہ ترجمہ ۲۲ جولائی ۱۸۹۶ء کو شروع ہوا اور ۳۱ ستمبر ۱۸۹۶ء کو ختم ہوا،“

اس مقصد کے لئے دیدارِ صحیفہ فطرت میں مطابقت دکھائی جاتی ہے۔ معجزات سے انکار کیا جاتا ہے۔

اصلاحی کارنامے | سوامی دیانند نے اصلاحِ مذہب کے سلسلے میں پہلا کام یہ کیا کہ دیدوں کا ہندی ترجمہ شائع کیا چنانچہ دیدِ بھاش جو مکا ان کے قلم سے دید کی ایک مشہور تفسیر ہے، گو سناتن دھرم کے ہندو اس تفسیر کو صحیح نہیں مانتے۔ آریہ سماج دیدوں کو اہسامی اور غلطی سے پاک سمجھتی ہے۔ تنازع پر بھی یہ کامل اعتقاد رکھتی ہے۔

اصلاحِ معاشرت میں برہمن سماج کی طرح آریہ سماج نے بھی دو چیزوں کے خلاف خاص طور پر زور دیا ہے۔ ایک ذات پات کی تفریق، اور دوسرے بچپن کی شادی اس کے نزدیک ذاتوں کا تفرقہ اعمال و اخلاق پر مبنی ہے نہ کہ پیدائش پر۔ ذاتوں کا امتیاز جو ہندو مذہب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ آریہ سماج نے بالکل مٹا دیا ہے۔ اس نے بچپن کی شادی کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، اور لڑکی کے لئے شادی کی عمر کم از کم سو سال اور لڑکے کے لئے پچیس سال مقرر کی ہے۔ سماج کا ایک اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بیوہ عورتوں کو شادی کی اجازت دے دی جو قدیم ہندو مذہب میں کسی صورت میں جائز نہ تھی۔

۱۹۰۲ء میں آریہ سماج کے دو حصے ہو گئے۔ ایک جماعت مغربی علوم و فنون کی حاجی بن گئی۔ اس نے لاہور میں ڈی۔ اے۔ وی کالج قائم کیا جہاں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ ویدک دھرم کی تعلیم بھی نصاب میں شامل کی گئی، اگرچہ زیادہ زور انگریزی ہی تعلیم پر دیا جاتا تھا۔ لاہور کالج کے نمونے پر متعدد مقامات پر کالج اور اسکول قائم کئے گئے۔ دوسری جماعت نے ہر دو ارب گنگا کے کنارے گرو ٹل قائم کیا۔ یہاں ہندو بچے اٹھ میل

کی دینیات سانکھیہ لوگ کا مذہبی فلسفہ ہے۔ سانکھیہ کا بنیادی اصول یہ اکرنتی اور پیرس یعنی مادہ اور روح کی ثنویت ہے۔ لوگ یا خدا پرستارانہ سانکھیہ غیر خدا پرستارانہ سانکھیہ کی تسلیم کردہ لاتعداد ارواح میں سے ایک کو لیکر اُسے روح اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ اس طرح ایک قسم کی تثلیث قائم ہو جاتی ہے۔ جو خدا، روح (یا ارواح) اور مادے پر مشتمل ہوتی ہے، اور اس تثلیث کی ہر فرد اپنا مستقل وجود رکھتی ہے۔ خدا کا وجود دائمی ہے۔ اسی طرح ہر روح اور مادہ بھی اپنا دائمی وجود رکھتا ہے۔

، آریہ سماج کے نقطہ نظر سے نجات کا سب سے بڑا ذریعہ انسان کی ذاتی کوشش ہے، اور اس کے لئے آواگون کا عقیدہ کافی وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ گناہ کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ کرم کا قانون اٹل ہے۔ ارادے کی آزادی کے متعلق یہ عقیدہ ہرگز نہ

” اگر ہماری تخلیق کسی اور کے ہاتھوں سے ہوئی ہے تو اس صورت میں

ہم کسی فعل کا ارادہ کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں..... آزاد ہونے

کے لئے ضروری ہے کہ ہم وہی فعل کرتے رہیں جو ہمارے نزدیک بہتر ہو یا

ہمارے افعال کی راہ ہمارے کچھلے کرموں سے متعین ہوئی ہو، اور اس

طرح خدا کے دائمی قوانین کے مطابق اپنے اچھے یا بُرے کاموں کا پھل پاتے

رہیں اور انھیں قوانین کے مطابق گویا اپنے ہاتھوں سے اپنی آئندہ قسمت

کی تشکیل کرتے رہیں۔“ (آریہ تپک۔ ص ۱۹۰)

مقالہ نگار مذکور لکھتا ہے کہ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ آریہ سماج میں خدا

کی ہستی محض ایک دستوری فرمانروا کی حیثیت رکھتی ہے جو آواگون اور کرم کی اٹل کاروائیوں

کی عداوت کرتی ہے، اور اس کے اختیارات روح اور مادے کے مستقل وجود سے محدود

رہتے ہیں۔ اس طرح مطلقیت خدا کے لئے بھی تسلیم نہیں کی جاتی۔ اس فرقے کے نظام

دینیات میں سائنس اور مذہب کی قدیم نزاع کو دور کرنے کی کوشش پائی جاتی ہے، اور

سُننا سنانا، سب آریوں کا پریم دھرم ہے۔

۴۔ سیتہ (راستی) کے گرہن (قبول) کرنے اور اسیتہ (نا راستی) کے چھوڑنے میں سرودا (ہمیشہ) اُدیت (مستعد) رہنا چاہئے۔

۵۔ سب کام دھرم انوسار دھرم کے مطابق (ارتھتات) یعنی سیتہ اور اسیتہ کو چار کرکھنے چاہئیں۔

۶۔ سنسکار (عالم) کا اُپکار (بھلا) کرنا اس سماج کا مکھیہ (خاص) اُدیش (دشا) ہے۔ ارتھتات (یعنی شاریرک جسمانی)، آتمک (روحانی) اور ساماجک (مجلسی) اُنتی (ترقی) کرنا۔

۷۔ سب سے پریتی پوروک (محبت سے) دھرم انوسار تھیا یوگیہ (مناسب) برتنا چاہئے۔

۸۔ اودیا (جہالت) کا ناش (دور) اور دودیا (علم) کی وردھی (ترقی) کرنی چاہئے۔

۹۔ پرینک (ہر ایک) کو اپنی ہی اُنتی سے سنشٹ (قانع) نہ رہنا چاہئے، کتودیکھ (سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہئے)۔

۱۰۔ سب نشیوں (آدمیوں) کو ساماجک سروتہکاری (فوائد عامہ کے

متعلق) نیم (اصول) پالنے میں پرنتر (ماتحت) رہنا چاہئے، اور پرتیک

راپنی ذات کے متعلق (تہکاری نیم میں سب سوئستتر (خود مختار) رہیں،^{۱۹}

مندرجہ بالا دس اصولوں میں سے پہلے تین خدا کی ذات و صفات اور ویدوں سے متعلق ہیں۔ باقی سات اخلاقی ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ آریہ سماج

۱۹ سیتارچہ پرکاش کا مستند اردو ترجمہ، "شائع کردہ آریہ پراڈیشک پرتی ندھی سبھا۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۲۷ء (ص ۲)

۸۲ء میں سوامی دیانند راجپوتانہ گئے اور وہاں کے راجاؤں کے دوست اور مشیر بن گئے۔ ان کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ انھوں نے مہاراجہ جودھپور کو اس بات پر سرزنش کی کہ وہ ایک طوائف کے زیر اثر تھے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد سوامی دیانند بیمار پڑے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انھیں کھانے میں زہر دیا گیا تھا جو آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہا تھا۔ بہر حال ان کی بیماری مہلک ثابت ہوئی، اور ۳۱ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اسی سال کی عمر میں ان کا انتقال اجیر میں ہو گیا۔

عقائد اور اصول | آریہ سماج کے عقائد کی تصریح مندرجہ ذیل دفعات میں کی گئی ہے جو سیتا رتھ پرکاش کے ”مستند اور ترجمہ“ کے شروع میں ”آریہ سماج کے نیم (اصول)“ کے زیر عنوان درج ہیں۔ قوسین کے الفاظ خود مترجم کے ہیں۔

”۱۔ سب ست و دیا (حقیقی علوم) اور ست دیا سے جو پدارتھ (اشیاء) جانے جاتے ہیں ان سب کا مول (علت اولیٰ) پریشور ہے۔

۲۔ ایشور سچیدانند سرورپ (عین الحق علیم سرور) ، نراناکار (غیر محدود) ، شر و شکیتمان (قادر مطلق) ، نینائے کاری (عادل) ، دیا لور (رحیم) ، اجنما (برہما از تولید) ، اننت (لانہتا) ، نروکار (بے عیب) ، انادی (ازلی) ، انوم (بے شکل) ، سر و آدھار (سب کا سہارا) ، سرویشور (رب الارباب) ، سرو دیاپک (حاضر و ناظر) ، سرو انتریامی (سب کا راز دہاں) ، اجسہ (لازوال) ، امر (غیر فانی) ، ابھے (بے خوف) ، اینتہ (ابدی) ، پوتر (پاک) ، اور سرشٹی کرتا، (خالق) ہے۔ اُسی کی اپاسنا کرنی یوگیہ (واجب) ہے۔

۳۔ وید سب ست و دیاؤں کا پستک (کتاب) ہے۔ وید کا پڑھنا پھول

عیسائی مشنریوں سے بھی مناظرے کئے اور کتابیں لکھیں تبلیغی سیاحت کے ابتدائی چار سال کے بعد وہ ”مزید غور و فکر اور تہذیب اخلاق“ کے لئے دریائے گنگا کے کنارے جا کر مقیم ہو گئے۔ قریب ڈھائی سال وہاں قیام کرنے کے بعد وہ پھر مذہبی مباحثے کے لئے نکلے۔ بت پرستی کے بڑے بڑے مرکزوں میں جا کر وہ ہمیشہ یہ سوال کرتے: کیا دیدوں میں مورتی پوجا ملتی ہے؟“ اور بت پرستی کے خلاف نہایت پر عوش تقریریں کرتے اور اپنے مخالفین کو شکست دیتے۔

۱۸۷۵ء کو سوامی دیانند نے بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۷۸ء میں دربار کے موقع پر وہ دہلی گئے اور وہاں پنجاب کے بعض اصحاب سے ان کی ملاقات ہوئی جنہوں نے اپنے صوبے میں لڑکیوں کو دعوت دی۔ چنانچہ اس تقریب سے وہ پنجاب گئے۔ جہاں بعد میں ان کی سماج کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اپنی تبلیغی سیاحت کے دوران میں سوامی دیانند اس عہد کے مختلف مصلحین مذہب سے ملے، مثلاً برہموسماج کے نمائندے دیوندر ناتھ ٹکور اور کیشپ چندر سین، تھیوسوفیکل سوسائٹی کی روح و رواں مدام بلاواٹسکی اور کرٹل اسکاٹ، پارلھنا سماج کے لیڈر بھولانا تھ سارا بھائی، مسلمانوں کے مصلح سید احمد خاں، اور عیسائیوں کے مبلغ ڈاکٹر ٹی۔ جے اسکاٹ اور ریلورنڈ جے گے سے انھوں نے ملاقات کی۔ پارلھنا سماج اور برہموسماج دونوں کے لیڈروں سے مل کر انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ ایک متحدہ جماعت ”آریہ سماج“ کے نام سے قائم کی جائے۔ لیکن بجز تھیوسوفیکل سوسائٹی کے اور کسی جماعت کے ساتھ عارضی اتحاد بھی عمل میں نہ آسکا۔ ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۱ء تک آریہ سماج اور تھیوسوفیکل سوسائٹی مل کر کام کرتی ہیں۔ لیکن یہ اشتراک عمل زیادہ دنوں تک قائم نہ رہا، اور خدا کی شخصیت کے مسئلے پر دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئیں۔

منہ موڑ کر مکتی کی تلاش میں نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس ارادے کو اس وجہ سے اور بھی تقویت ہوئی کہ ان کے والدین اب ان کی شادی کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ازدواج کی زنجیروں میں جکڑنے جانے سے پہلے ہی اکیس سال کی عمر میں وہ گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ گھر سے بھگنے کے بعد ایک سینا سی کی حیثیت سے تقریباً اٹھارہ سال انھوں نے متعدد مقامات کی سیاحت اور مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے میں گزار دئے سب سے پہلے وہ ویدانتی عقائد کے قائل ہوئے، اور ایک عرصے تک انفرادی روح اور روحِ عالمی کو ایک سمجھتے رہے۔ اسی زمانے میں وہ برہم چاری سلسلے میں داخل ہوئے اور انھیں ایک نیا نام سدھاجیتنیا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ سینا سیوں کے چوتھے طبقے میں داخل کئے گئے اور ان کو وہ لقب عطا ہوا جس سے وہ بعد کو مشہور ہوئے، یعنی دیانند سرسوتی۔ لیکن اس لقب کے علاوہ اور تمام چیزیں جو ان کو اپنے ویدانتی اساتذہ سے ملی تھیں انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ترک کر دیں، اور ویدانت کے مذہب سے الگ ہو کر لوگ کامسک اختیار کر لیا۔ ان کی زندگی پر سب سے زیادہ مذہبی اثر متھرا کے نابینا فاضل ویدسوامی ورجانند کی تعلیم کا پڑا۔ ورجانند جدید سنسکرت ادب کے سخت مخالف تھے، انھوں نے دیانند کو اس شرط پر تعلیم دینا منظور کیا تھا کہ وہ جب دید سنسکرت ادب کی اپنی تمام کتابیں پھینک دیں گے۔ دیانند نے یہ شرط منظور کر لی اور نابینا سوامی نے انھیں وید کی تعلیم دے کر ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا: ”میں چاہتا ہوں کہ تم دنیا میں جا کر انسانوں میں روشنی بھیلادو“ اس طرح سوامی دیانند کی زندگی کا دوسرا دور ختم ہوا۔

اپنی زندگی کے آخری بیس سال (۱۸۶۳ء تا ۱۸۸۳ء) میں سوامی دیانند تبلیغی مگر میوں میں مصروف رہے۔ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں گھوم گھوم کر ویدک تعلیمات کی اشاعت کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے پنڈتوں، مولویوں اور

(۳) آریہ سماج

برہموسماج کے بعد ہندو مذہب کا سب سے اہم اصلاحی فرقہ آریہ سماج ہے۔ اس کے بانی سوامی دیانند سرسوتی ۱۸۲۴ء میں کاٹھیاوار کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی میں انھوں نے اپنے نام اور مقام پیدائش کو مخفی رکھا۔ ۱۸۸۳ء میں ان کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ ان کا اصلی نام مول شنکر تھا اور وہ ایک برہمن امباشنکر کے بیٹے تھے جو شیوجی کے بچاریوں میں تھے اور ساہوکاری کا پیشہ کرتے تھے۔ سوامی دیانند کی زندگی تقریباً تین برابر حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۴۵ء تک وہ گھر پر مقیم رہے اس کے بعد ۱۸۴۵ء سے ۱۸۷۳ء تک انھوں نے اپنا وقت سیر و سیاحت اور حصول تعلیم میں صرف کیا۔ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۳ء تک کا زمانہ اُن کی تبلیغی سرگرمیوں کا دور ہے۔

چودہ سال کی عمر میں ہی مول شنکریت پرستی سے بنیزار ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک رات جب وہ شیوجی کے مندر میں پوجا کرنے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ چوہے بت پر دوڑ رہے ہیں۔ اپنے جیود کی اس بے بسی کا ان کے دل پر اتنا اثر پڑا کہ انھوں نے بت پرستی چھوڑ دینے کا عزم کر لیا۔ گھر پر قیام کے زمانے میں دوسرا واقعہ جس نے ان کو بہت زیادہ متاثر کیا ان کی بہن کی موت کا سانحہ تھا۔ بہن سے ان کو بڑی محبت تھی۔ اس کی موت نے دنیا کی بے ثباتی کا نقش دل پر بٹھا دیا اور انھوں نے دنیا سے

میں ایسی شہرتیاں بہت ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ دھرم شاستروں میں بھی ایسے اقوال بہت ہیں جن میں باہم اختلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱۰) میری زندگی کا مشن۔ مطبوعہ نیو امپریل، پریس، لاہور۔ ۱۸۸۴ء۔ ص ۳۲۔
یہ وہ لکچر ہے جو پنڈت سیتانند اگنی ہوتری نے ۱۵ جنوری ۱۸۸۳ء کو برہم مندر لاہور میں دیا تھا اور جس میں انہوں نے برہم سماج کے مقاصد کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے کا اعلان کیا تھا۔

(۱۱) دھرم پرکاش۔ از شیونرائن اگنی ہوتری۔ مطبوعہ گیان پریس، سیالکوٹ۔ ۱۸۸۶ء۔ ص ۴۴۸۔

اس کتاب میں پنڈت شیونرائن نے روحانی اسرار کے متعلق اپنے خیالات بیان کئے ہیں۔

(۱۲) برہم پرکاش یا شعاع الحق۔ مصنفہ منشی دیوان چند۔ مطبوعہ گیان پریس گوجرانوالہ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۸۰۔

اس میں برہم سماج کے اصول کی تشریح ہے۔

(۱۳) دنیا کا ایک عالم گیر اور روحانی مذہب۔ مطبع کا نام پڑھانہ جاسکا۔ ۱۸۸۶ء۔ ص ۶۶۔
یہ اس لکچر کا خلاصہ ہے جو سیتانند اگنی ہوتری نے برہم مندر لاہور میں دیا تھا۔

”جو لوگ پر مشورہ کو جانتے ہیں ان کو ہوم کرنے یا موردی پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو پنکھے کی کیا ضرورت ہے۔“ (ص ۱۱)

”عیسائیوں کو اس مسئلے پر کہ اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرو جیسا تم ان سے اپنی نسبت کرنا چاہتے ہو، بڑا ناز ہے، اور لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایسے عالی خیالات ہندو دھرم میں نہیں ہیں۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔“

”سب دھرموں کا ساریہ ہے اور اس کو سن کر خیال رکھو کہ تم کو اوروں کے ساتھ وہ کام جو تم کو خود برا معلوم ہو نہیں کرنا چاہئے۔“ مہا بھارت میں لکھا ہے: ”ساکھا وہی ہے جو اپنے موافق اوروں کو دیکھتا ہے،“ ”جو شخص تمام سرشٹی کو اپنے موافق سمجھ اور دکھ کے معاملے میں سمجھتا ہے وہی یوگی ہے۔“ (ص ۲۱)

(۹) دھرم رکشا سٹیک: مصنفہ بابو تو دین چندر رائے، مطبعہ آگرہ پریس، آگرہ، ۱۸۷۷ء ص ۲۶۴۔

یہ کتاب برہمن سماج کے اصولوں کی توضیح اور بت پرستی کی مخالفت کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ویدوں اور مختلف شاستروں کی عبارتیں اردو ترجمے کے ساتھ دیج کی گئی ہیں۔ بعض مضمین حسب ذیل ہیں:-

بت پرستی جاہلوں کی پوجا ہے۔ بت پرست لوگوں کی نجات نہیں ہوتی بت پرستی اور مخلوق پرستی کی دیدوں اور شاستروں میں سخت ممانعت ہے۔ روحانی تیرتھ کے بغیر نجات حاصل نہیں ہوتی۔ بیرونی تیرتھوں میں گھومنا جاہلوں کا کام ہے۔ ذات کی تفریق اعمال یا پیشوں کی تفریق کے سبب سے ہے، اصلی نہیں۔ برہمن شودر ہو سکتا ہے اور شودر اپنے اعمال سے برہمن بن سکتا ہے۔ ملچھ لوگ اگر پریشور کے بھگت ہوں تو وہ بھی پاک ہیں عقل کے خلاف برہما کا قول بھی قبول نہ کرنا چاہئے۔ وید اور پوراں غلطی سے مبرا نہیں ہیں۔ ویدوں

موکش نہیں ہو سکتی۔

جتنے دیوی دیوتا ان شاستروں میں مانے گئے ہیں وہ پریشور کی ناپائیدار
سلسلہ تھے ہیں۔ مثلاً پریشور کی پیداکرنے والی شکتی کا نام برہما، اور پالین
کرنے والی شکتی کا نام بشنو، اور ناش کرنے والی شکتی کا نام مہیش ہے
جیسا کہ شرمید بھاگوت میں لکھا ہے (سنسکرت عبارت)
پیداکرنے، پالین کرنے، ناش کرنے، کی مختلف سامرتھوں کے سبب
سے پریشور کے مختلف نام ہیں۔ شاستروں سے پایا جاتا ہے کہ بڑے بڑے
دیوتا بھی پریشور کا دھیان کیا کرتے تھے..... پس ظاہر ہے
کہ پریشور کی پوجا ہی اس دھرم کی بنا ہے اور اس کا ماننا ہی ہندو
دھرم ہے۔“ (تس ۳)

”شاستروں میں بت پرستی کی تمام تر بُرائی لکھی ہے، چنانچہ اس بابے میں چند شلوک
لکھے جاتے ہیں۔“

”سنگیہ پریشور کی جس کا کوئی ثانی یا شریہ نام نہیں ہے۔ واسطے فائدہ یوگوں
کے مختلف قسم کی خیالی صورتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ ایسی جہاں صورتوں کو
منسوب کرنے سے مرد اور عورت کی صورتوں کا خیال پیدا ہوتا ہے“
”پریشور ایسی خائیتوں سے کہ جیسے نام اور صورت مبرا ہے، اور نہ وہ
پیدا ہوتا ہے اور نہ اس پر زمانے کا اثر ہوتا ہے، نہ وہ بدلتا ہے
صرف یہ کہہ جا سکتا ہے کہ پریشور موجود ہے۔“

”عام آدمی جل یعنی پانی کو، اور اُن سے زیادہ تر علمت رستاروں وغیرہ کو
اور محض جاہل کلڑی اور ستھیر کی صورتوں کو پریشور مانتے ہیں۔ مگر یہ بھگت
لوگ اپنے ہی میں پریشور کو سمجھتے ہیں۔“

نام معلوم نہ ہو سکا۔ نسخہ بظاہر قدیم معلوم ہوتا ہے۔ ص ۳۳۔

اس کتاب میں مختلف مذہبی اور اخلاقی موضوعوں پر اٹھائیس چھوٹے مضامین ہیں۔

(۷) مرآۃ الدین، حصہ دوم۔ مطبوعہ پنجابی پریس، لاہور۔ ۱۸۸۷ء۔ ص ۵۰۔

یہ کتاب بھی سیتا نند گنی ہوتیری کے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس حصے میں حریفیل مضامین شامل ہیں:- بھگتی کیا چیز ہے۔ گیان اور بھگتی۔ گناہ اور اُس سے نکلتی۔ روحانی پوجا۔ ابدی زندگی اور اس کے ساتھ روحانی ترقی کا لا انتہا سلسلہ۔

(۸) ہندو دھرم کی پر تشٹھتھا (فضیلت)۔ از بابو راج نرائن بوس۔ صدر آدی برہمو سماج، کلکتہ۔ مترجمہ بابو بچنا تھ۔ مطبع ودیا دپن، میرٹھ۔ سنہ طباعت درج نہیں ص ۴۳۔ یہ وہ خطبہ ہے جو بابو راج نرائن بوس نے کلکتہ کی نیشنل سوسائٹی میں پڑھا تھا۔ اس میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ شاستروں سے بت پرستی کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ بتوں کی پوجا محض جہلا اور عوام میں رائج ہے۔ جو لوگ مذہب کا صحیح علم رکھتے ہیں وہ اس سے بیری ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے بعض اور غلط فہمیوں کو جو ہندو دھرم سے متعلق پھیلی ہوئی ہیں۔ دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس حسب ذیل ہیں:-

”ہندو دھرم کی پر تشٹھتھا یعنی فضیلت ثابت کرنے سے پہلے یہ بتلانا ضرور

ہے کہ ہندو دھرم کیا چیز ہے۔ شاستروں کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ برہم

گیان اور برہم سیوا ہی ہندوؤں کا پر م دھرم ہے، اور جملہ شاستروں میں

اسی کی ہدایت ہے، اور بغیر اس کے موکش (نجات) نہیں ہو سکتی۔ برہم

سب شاستروں کی جڑ ہے۔ گیانی لوگ برہم کو گیان کی آنکھ سے دیکھتے اور

دھیان اور سادھی سے اس کو پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں..... بشرتی

سمرتی، یعنی دید اور دھرم شاستر منو وغیرہ میں بھی برہم گیان ہی کا چرچا

ہے، اور پورانوں اور شاستروں کا بھی یہی مقولہ ہے کہ بلا برہم گیان کے

..... پس ان لوگوں کے افعال کو بظاہر نیکی اور بدی سے معمور ہوتے ہیں، لیکن بالمعنی وہ کل نفس کی خدمت کے لئے ہوتے ہیں ان افعال میں وہ افعال بھی بظاہر نیکی کہلاتے ہیں۔ اپنی تاثیر کے لحاظ سے ان کی روحوں کو کچھ خدا کے نزدیک نہیں لے جاتے، بلکہ اُلٹا نفس کی قرابت میں مدد کرتے ہیں۔ دنیا داروں یا نفس پرستوں کے نیک افعال بھی کچھ پاکیزگی یا مکتی کے حصول میں مددگار نہیں ہوتے بلکہ روحانی بندھنوں کو ہی زیادہ مضبوط کرتے ہیں۔ اس لئے بھگتوں کے نزدیک سچے خدا پرستوں کے نزدیک، ان کی نیکی نیکی نہیں، نہ ان کی نیکی بدی کا پیمانہ اصل پیمانہ ہے۔ بھگتوں کے نزدیک ہر ایک فکر، ہر ایک عمل وہیں تک نیک اور پاک ہے، وہیں تک بد نہیں، جہاں تک اس کے ذریعے پر ماتما کی مرضی پوری ہوتی ہے اور پر ماتما کی بزرگی قائم ہوتی ہے۔ بھگت اس فکر، کلام اور عمل کو مکتی کا موجب نہیں جانتا جو پر ماتما کے لئے نہ ہو بلکہ نفس کے لئے ہو اور جس سے روح بجائے پر ماتما کی طرف جانے کے نفس کی ہی طرف کھسکتی ہو۔ وہ دنیوی مصلحت یا موقع دیکھ کر کسی اپنے کام کو نفسانی اعتراض کا ذریعہ نہیں سمجھتا، بلکہ ہر موقع اور ہر حالت میں خدا کی مرضی کو پورا کرنا، سچے انصاف، بے ریا پن، اور پریم و محبت کو قائم کرنا، ان کے قائم رکھنے میں پر ماتما کا وفادار رہنا، اور ہر ایک بات اور کام کو انھیں کی خوشی اور رضا کے لئے پورا کرنا، اس کی زندگی کا مقصود ہوتا ہے۔ ----- (ص ۵۱-۱۴۸)

حصے کے دیباچے میں مضامین کے ماخذ کے متعلق لکھتے ہیں :-

» مثل پہلے حصے کے اس حصے میں بھی حسنِ قدر اُپدیشِ درج ہیں وہ میرِ فکر یا سوچ بچار کا نتیجہ نہیں ہیں، بلکہ اُن روحانی نظاروں کا عکس ہیں کہ جو میں نے اپنی سینکچوائٹری (پوٹر اے) میں عبادت کے وقت اپنے دل کے اندر دیکھے ہیں، اور جن کو دیکھ کر میں نے انھیں الفاظ کے لباس میں ملبوس کر دیا ہے تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں اور میرے دل سے نکل کر اوروں کے دل تک بھی پہنچ سکیں۔“

کتاب کی عبارت نہایت صاف اور سلیس ہے۔ پہلے حصے کے ایک مضمون میں ”نیک اور بدی کا اصول اس طرح بیان کرتے ہیں :-

» دنیا کے لوگ نیک اور بدی کا جو پیمانہ رکھتے ہیں وہ اور ہے، اور بھگت لوگ جو پیمانہ رکھتے ہیں وہ اور ہے۔ دنیا پرست لوگ نیک اور بد کاموں میں جس قسم کی تمیز رکھتے ہیں وہ بھگت لوگوں کی تمیز سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ دنیا دار جن کاموں کو کرتے ہیں وہ خواہ نیک سمجھے جائیں یا بد سمجھے جائیں۔ اُن کا خیال اس بات پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ ہر کام کے کرنے میں، ہر بات کے بولنے میں ان کا مقصد صرف اسی قدر رہتا ہے کہ اس سے ان کی نفسانی خواہش پوری ہوگی یا نہیں۔ نفسانی خواہش کو مد نظر رکھنا، جسمانی آرام، دولت اور عزت وغیرہ کو مقصد رکھنا، اور پھر ان کے حصول کے لئے حسبِ موقع زبان کھولنا یا عمل کرنا، وہ اپنی زندگی کی علت غائی سمجھتے ہیں۔ یا ایک لفظ میں، خودی اور نفسانیت کو پورا کرنا ان کا اصل مطلب ہوتا ہے، اور اسی مطالبہ کو بر لانے کے لئے وہ اپنی کل حرکات کو وسیلہ بناتے ہیں۔

کی پناہ، تو سارے موالید ثلاثہ کا اصل ہے۔ تجھ سے ہم زہد و تقائم ہیں۔
 تیرے بغیر سب کچھ باطل ہے اصل الہی تو ہماری جانوں کی جان ہے۔
 تو علیم ہے۔ تیرے علم بے پایاں سے آسمان و زمین نے جلوہ پایا ہے۔
 چاروں طرف تیری کیسی عجیب حکمتیں و کیسے عجیب قوانین ہیں۔ تیری بیشمار
 چشم دانش ہم پر قائم ہے اور ہمارے گناہوں، درونی و بیرونی کو دیکھ
 رہی ہے۔ تیری نظر نور سے ہم کچھ پوشیدہ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ تو ہم ہیں،
 تو شاہد دروں، تو سب کا شاہد ہے.....“

(۳) کلمات الدین :- شائع کردہ اودھ براج سماج - مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۷ء
 ص ۲۰۔

اس مختصر کتاب میں بعض نیگالی رسالوں کے مضامین اردو میں پیش کئے گئے ہیں۔
 پہلا باب ”کلمات اسرار“ پر ہے جس کا ایک ٹکڑا نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

”کیوں میرا دل مدام خوش نہیں رہتا ہے۔ غیب سے حق تعالیٰ نے جواب
 دیا۔ میرے پاس بارہانہ آنے سے ایسی خرابی ضرور ہوگی۔ میں نے چند
 مرتبے کہا کہ گاہ بگاہ خلوت میں میرے نزدیک بیٹھا کر جو کہنے کے ہیں
 سو اس وقت میں کہوں گا و تجھ کو چنگا کروں گا تو نقطہ ایک عبادت

کے وقت میرے پاس آتا ہے۔ دن بھر مجھ سے غافل رہتا ہے....“ (ص ۲)
 (۴) روحانی زندگی :- حصہ اول۔ مصنفہ ستیا نندا گنی ہوتری۔ براہمہ پرچار پرپس
 لاہور، ۱۸۸۵ء۔ ص ۲۸۰۔

(۵) روحانی زندگی :- حصہ دوم۔ مصنفہ ستیا نندا گنی ہوتری۔ براہمہ پرچار پرپس
 لاہور، ۱۸۸۶ء۔ ص ۱۵۲۔

اس کتاب کے دونوں حصے مصنف کے مذہبی اور اخلاقی مضامین کا مجموعہ ہیں دوسرے

نیک، وفادار اور حسین بیوی اور نخت جگنہکوں کی نہایت زوردار محبت اور
 موہ سے ایک نخت کنارہ اس نے کیا ہے۔ دنیا کے ہزاروں لذائذ اور جسمی
 آرام اور آسائش کے سامانوں سے منہ اس نے موڑا ہے۔ دن کو دن اور
 رات کو رات اس نے نہیں سمجھا گرمیوں کی جلتی ہوئی دھوپ میں اپنے
 چادروں طرف آگ کی دھونی جلا کر یہ بیٹھا ہے۔ سخت سے سخت سردی اور
 پانی کے دنوں میں دریا کے برفانی پانی میں برسوں یہ کھڑا رہا ہے۔ سیکڑوں
 اقسام کے لذیذ کھانوں کو چھوڑ چکی درختوں کے پھل پھول پر اس نے
 گزران کی ہے۔ بیش قیمت پوشاک اور لباس چھوڑ بھگوائے لیستر اس نے
 پہنے ہیں۔ بھجوت مل ہاتھ اس نے سکھائے ہیں۔ کان پھڑوائے اور
 زبانیں کاٹی ہیں، اور برف میں جسم کو اس نے گلایا ہے۔ پیٹر کے تلے
 اور پہاڑ کی کھوئیں سادھی لگا کر دھیان اور تصور میں عمر اس نے کاٹی
 ہے۔ غرض کہ یہ کل باتیں یوں ہی مل میں نہیں آئیں، بلکہ یہ سب اسی
 طبعی خواہش کے جوش میں آنے کا نتیجہ ہے کہ جس کا بیج اس کی سترت میں
 موجود ہے۔“ (ص ۶-۸)

”براہمہ دھرم کے بنیادی اصول“ مصنف کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں :-
 ”اول۔ ایک بے ہمتا خدا تمام کائنات کا خالق اور قائم رکھنے والا ہے۔
 وہ علیم، راحت نکل د آئندے، عادل، پاک، اور رحیم ہے۔ وہی تمام
 خوبیوں کا لا انتہا چشمہ ہے۔ اس کے سوا کوئی شے اپنی خوبی میں کامل نہیں۔
 دوم۔ روح انسانی غیر فانی ہے۔

سوم۔ روح انسانی ایک بے ہمتا خدا کی سچی پرستش یعنی روحانی جوگ
 اور اس کے پسندیدہ عمل سے پاپ سے مکتی اور دھرم جیون حاصل کر سکتی ہے۔“ (ص ۷)

چال میں یہ مشیر یا خدا کہتے ہیں، اور دھرم اُس فطرت الہی یعنی الوہیت یا دیوبھاد سے مراد ہے جس کا تخم ہر ایک انسانی روح میں خالق نے بور کھا ہے۔ پس سنسکرت زبان کی ترکیب کے موافق ہر جھ دھرم پیشہ کے قائم یا ظاہر کئے ہوئے دھرم کو کہتے ہیں، اور یہ دھرم جن اصولوں پر مبنی ہے وہ اس کے عقائد کہلاتے ہیں۔

ا۔ کیا دھرم کوئی فطری چیز ہے اور اس کو پرمشتر نے انسان کی مشرت میں قائم کر دیا ہے؟

ب۔ بیشک دھرم فطری چیز ہے اور اس کا نیچ خالق نے ہی انسان کی مشرت میں بودیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے پہچاننے کا مادہ اور اس کی ترقی کی خواہش بھی انسان میں طبعی ہے۔

ا۔ یہ کیونکر معلوم ہو؟

ب۔ انسان کی فطرت پر نگاہ ڈالنے سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آپ کس طور سے جانتے ہیں کہ انسان میں کھانے پینے کی خواہش طبعی ہے کیونکہ علاوہ بھوک کی خواہش محسوس کرنے کے آپ یہ بھی صاف دیکھتے ہیں کہ وہ اس خواہش کے پورا ہونے کی غرض سے ہزاروں قسم کی کھانے کی چیزوں کے پیدا کرنے اور ہم پہنچانے میں مصروف دیکھا جاتا ہے۔ دھرم کی خواہش کی بھی اسی طور پر تصدیق کر سکتے ہو۔ دیکھو گے کہ انسان کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں انسان نے دھرم کی بھوک اور پیاس کا اظہار نہ کیا ہو۔ صرف معمولی اظہار ہی نہیں، بلکہ اس کے حصول کے لئے اس نے وہ کچھ کیا ہے کہ جو کسی دنیوی چیز کے لئے نہیں کیا۔ بستی چھوڑ جنگل میں یہ گیا ہے۔ بادشاہت چھوڑ فقیر یہ ہوا ہے۔ پاک دان

بنکال کے باہر برہمو سماج کی تحریک کو بمبئی اور مدراس کے صوبوں میں زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ بمبئی میں پیر تھنا سماج کے نام سے مغربی ہند کی پہلی خدا پرست انجمن ۱۸۶۷ء میں قائم ہو گئی تھی۔ پیر تھنا سماج کے مشہور لیڈر ایم۔ جی۔ رانا ڈے (۱۸۳۲ء تا ۱۹۰۱ء) اور ان۔ جی۔ چنداؤکر (۱۸۵۵ء تا ۱۹۲۳ء) تھے۔ ان دونوں کی توجہ زیادہ تر اصلاح معاشرت پر مرکوز رہی۔ اور اس شعبے میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ پیر تھنا سماج کے مرہٹوں مرکز پونا اور بمبئی میں ہیں، اور ایک گجراتی مرکز احمد آباد میں ہے۔ مدراس کی برہم سماج جو ۱۸۷۱ء میں قائم ہوئی تھی، ایک سابق انجمن وید سماج کی ترقی یافتہ شکل تھی رفتہ رفتہ مدراس کی سماج کی اٹھارہ دراوڑی شاخیں صوبے میں اور قائم ہو گئیں۔ لاہور میں سردار دیال سنگھ عجیٹھیا کی وصیت کے مطابق ۱۹۱۰ء میں دیال سنگھ کالج کی بنیاد پنجاب میں برہمو سماج کے اصول کی تبلیغ کے لئے ڈالی گئی تھی۔ لیکن آریہ سماج کی مخالفت سرگرمیوں کی وجہ سے اس تحریک کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔

برہمو سماج کی طرف سے اردو میں متعدد کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ مندرجہ ذیل وہ ہیں جو مجھے دستیاب ہو سکیں:-

(۱) بنیاد الایمان برامھ دھرم:- مصنفہ ستیانما گنتی ہوتیری۔ جھمباول۔ مطبوعہ نیواپرمل پریس، لاہور ۱۳۳۸ء ص ۷۲۔ ذیل کے اقتباس میں ”لو“ سے سائل اور ”ب“ سے مجیب مراد ہے۔

”لو۔ کیوں جناب، برہمو مذہب کیا چیز ہے؟

ب۔ برہمو مذہب سے آپ کی مراد کیا برامھ دھرم کے عقائد سے ہے؟

لو۔ جی ہاں۔

ب۔ برہمہ اُسے کہتے ہیں جو سب سے بڑا اور لاثانی ہو کہ جس کو عام بول

خانے کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ اس جماعت کی طرف سے ایک اخبار ”برہم پبلک اوپینیون“ (BRAHMA PUBLIC OPINION) اور ایک پندرہ روزہ رسالہ ”تتواکمودی“، یعنی ”سچائی کی چاندنی“ جاری کیا گیا۔

مسٹر عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں:-

۱۸۸۵ء کی مذہبی پھوٹ سے سادھارن برہمو سماج پیدا ہوئی جس کی عام جماعت نے مغرب کے آزاد کلیساؤں کے اصول پر کام کرنا شروع کر دیا۔ کیشب نے اس وقت (جنوری ۱۸۸۵ء میں) واضح طور پر اپنے جدید مذہبی عقیدے (نوا دیدھن) کا اعلان کیا اور دعویٰ کیا کہ اُن کو خود وحی آتی ہے اور وہ اپنے مذہب کے نبی ہیں۔ جنوری ۱۸۸۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت برہمو سماج کے جھنڈے کے نیچے تین جماعتیں ہیں:-

(۱) قدیم جماعت یا آدی سماج، جو گو کم تعداد میں ہے۔ لیکن اپنے آئین میں خاص طبقے کے اراکین کو اختیار دیتی ہے۔ اس جماعت پر ۱۸۸۲ء کے سیول میرج ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ شادی کے معاملے میں خود اپنی رسموں کی پابند ہے۔ (۲) مجلس عامہ یا سادھارن جماعت، جو عام علی یا دینادی تنظیم پر مبنی ہے، اور (۳) ”جدید عقیدہ“ کی جماعت جس میں مذہبی اسرار اور طرقت کو جگہ دی جاتی ہے۔ آخر الذکر جماعت اپنے عقائد کی عالم گیر نوعیت کے متعلق یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ہندو رسم و رواج کی پابندی سے آزاد کر لیا ہے۔ لیکن علی پہلو سے یہ بات مشکل ہے۔ سماج کا زیادہ تر اثر موجودہ زمانے میں بنگال میں پایا جاتا ہے۔“

لگایا کہ وہ الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کا انھوں نے انکار کیا، اور اُن کے متبعین نے بھی اس الزام کی ہیشہ سختی سے تردید کی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ کشف اور الہام کے مدعی تھے۔ علاوہ بریں وہ اپنی جماعت کے مذہب اور عقائد ہی میں خود مختار اور مطلق العنان نہ تھے بلکہ اس کے تمام معاملات کے تنہا منتظم اور ہتھم بھی تھے، اور ایک غیر ذمہ دار آمر (ڈکٹیٹر) کی طرح حکومت کرتے تھے۔ لوگوں نے یہ شکایت کرنی بھی شروع کی کہ ترقی پسند سماج کسی دستور کی پابند نہیں، اور نہ اُسے اپنے معاملات میں بحث و مباحثہ کی آزادی حاصل ہے۔

اختلاف اور بے اطمینانی کے عناصر اپنا کام کر رہی رہے تھے کہ ایک نہایت غیر متوقع واقعہ پیش آیا جس نے سماج کو بہت جلد درہم برہم کر دیا۔ ۱۸۵۷ء میں یہ افواہ اُڑی کہ کیشب جیسا زبردست مصلح اپنے عزیز اصولوں کو جاہ و ثروت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دینا چاہتا ہے، یعنی جو شخص بچپن کی شادی کو ہندوستان کے لئے ایک لعنت سمجھتا تھا۔ وہ خود اپنی لڑکی کا بیاہ، جس کی عمر چودہ سال سے کم تھی، کوچ بہار کے نوجوان مہاراجہ سے، جو ابھی اٹھارہ سال کا بھی نہیں تھا، کر دینے پر آمادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس افواہ کی تصدیق جب ترقی پسند سماج کے اخبار ”انڈین مرر“، مورخہ ۹ فروری ۱۸۵۷ء سے ہوئی، جس میں اس شادی کے طے پا جانے کا اعلان شائع ہوا تھا، تو ہر طرف سے اعتراضات ہونے لگے، لیکن اُن کی مطلق پروا نہیں کی گئی، اور ۱۲ مارچ ۱۸۵۷ء کو شادی کی رسم ادا ہو گئی۔ اس شادی میں عروس کی طرف سے بت پرستانہ رسوم بھی ادا کی گئیں۔ اگرچہ کیشب چندر سین خود وہاں موجود نہ تھے۔ سرمونیر ولیمس لکھتے ہیں کہ شادی کے جائز قرار پانے کے لئے بعض رسوم مثلاً ہوم وغیرہ کا ادا کیا جانا ایک دیسی ریاست میں ضروری تھا جو انگریزی حکومت کی حمایت میں ہونے کے باوجود برطانوی ہند کے

نجات تک اس کی رہنمائی کریں گی۔

نجات یا مکتی نام ہے روح کے بداخلاقی کی جڑ سے رہائی پانے اور پاکیزگی میں ہمیشہ ترقی کرتے رہنے کا۔ اس ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، اور روح اس ذات میں جو غیر محدود تقدس اور مسرت کا سرچشمہ ہے۔ روز بروز زیادہ متقی اور مسرور ہوتی جاتی ہے۔ خدا کی رفاقت ہندوستان کے خداپرستوں کی جنت ہے بلکہ

۱۸۷۷ء میں کیشب چندر سین نے انگلستان کا سفر کیا، اور اس کا مقصد یہ بیان کیا کہ وہ اپنے ہم وطنوں کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی ترقی میں انگریزوں کی دلچسپی کو اُبھارنا چاہتے ہیں۔ اسی سال ولایت سے واپس آکر وہ معاشرتی اصلاح کی کوشش میں سرگرمی کے ساتھ منہمک ہو گئے اور عورتوں کو اصلاح، مردوں اور عورتوں کی تعلیمی ترقی، شراب خواری کے انسداد، اور اہل ہند کی عام معاشرتی اصلاح کے لئے ایک سوسائٹی ”انڈین نیشنل ایسوسی ایشن“ (ہندوستان کی انجمن اصلاح) کے نام سے قائم کی۔ یہ سوسائٹی جس میں ہر طبقے اور فرقے کے لوگ شامل ہو سکتے تھے۔ ۲۰ نومبر ۱۸۷۷ء کو قائم کی گئی، اور ۱۸۷۷ء میں بالغوں کا اسکول اور ایک نارمل اسکول عورتوں کے لئے کھولا گیا۔

سب سے اہم اصلاح جس کی طرف کیشب اور اُن کے ساتھیوں نے پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنی توجہ مبذول کی شادی بیاہ کے رسوم کی اصلاح تھی اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ کیشب بچپن کی شادی کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ اب انھوں نے بہترین طبی مشورے حاصل کر کے شادی کے لئے مناسب عمر کا تعین کیا۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ حکومت سے ایک نئے قانون ازدواج کی درخواست کی گئی جس کی رد سے برہمن سماج کے ممبروں کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے طریقے پر قانونی شادیاں کر سکیں چنانچہ اس تحریک پر حکومت کی طرف سے ایک مسودہ قانون تیار کیا گیا۔ لیکن اس مسودے کی

لے ”ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی“ ص ۴-۵۰۳۔

فائدے پہنچائے وہ عالمگیر احسان مندی اور محبت کے مستحق ہیں۔

برہم مذہب دوسرے تمام مذہبی نظاموں سے مختلف ہے۔ پھر بھی یہ سب کا جہیز ^{ست} ہے۔ یہ دوسرے فرقوں سے مخاصمانہ برتاؤ نہیں کرتا، بلکہ جو باتیں ان فرقوں میں حق ہیں ان کو قبول کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت پر مبنی ہے، اس لئے دائمی اور عالمگیر ہے۔ یہ کسی زمانے یا ملک میں محدود نہیں۔

تمام نوع انسانی کی حیثیت ایک برابری کی ہے۔ برہم مذہب ادنیٰ اور نیچی ذات کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس مذہب کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسانوں کو متحد کر کے ایک نمائندان بنا دے۔
فرائض کی چار قسمیں ہیں :-

- (۱) وہ فرائض جو خدا سے متعلق ہیں، مثلاً اس پر ایمان رکھنا، اس سے محبت کرنا اس کی پرستش اور پوجا پاٹ کرنا۔
- (۲) وہ فرائض جو اپنی ذات سے وابستہ ہیں، مثلاً جسمانی صحت کو قائم رکھنا، علم حاصل کرنا، اور اپنا تزکیہ نفس کرنا۔
- (۳) وہ فرائض جن کا تعلق دوسرے انسانوں کے ساتھ ہے، مثلاً راست گوئی، انصاف پسندی، احسان مندی، اور سب کی فلاح و بہبود کو فروغ دینا۔
- (۴) وہ فرائض جو جانوروں اور ادنی مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرنا۔

ہر گنہگار کو کبھی نہ کبھی اپنے گناہوں کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا، خواہ اسی دنیا میں عوام و مہر دنیا میں انسان کو لازم ہے کہ پاکیزگی حاصل کرے، لے خدا کی پرستش کرے، اپنے نفسانی جذبات کو مغلوب رکھے۔ گناہوں پر تادم ہو، فطرت اور اچھی کتابوں کا مطالعہ کرے، نیک آدمیوں کی صحبت اختیار کرے، اور تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کرے۔ یہی چیزیں خدا کے فضل و کرم سے

الگ قائم کرنی۔ لیکن یہ جماعت ایک منظم انجمن کی شکل نومبر ۱۸۶۶ء تک نہ حاصل کر سکی۔ اب جو انجمن قائم ہوئی اس کا نام ان لوگوں نے ”ہندوستان کی برہموسماج“ (بھارت ورثیہ برہموسماج) رکھا۔ اس انجمن کا دعویٰ تھا کہ اس نے برہمنیت سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا ہے۔ ”ہندوستان کی برہموسماج“ کے نئے مندر کا سنگ بنیاد ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء کو رکھا گیا، لیکن بھارت کا باقاعدہ افتتاح اگست ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ اس نئی سماج کے اہم ترین عقائد مختصر حسب ذیل قرار پائے:-

خدا کائنات کا مسبب الاسباب ہے۔ وہ اپنی مشیت سے تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لایا اور وہی ان کو مسلسل قائم رکھتا ہے۔ وہ روح ہے مان نہیں ہے۔ وہ کامل غیر محدود، قادر مطلق، رحمن و رحیم اور قدوس ہے۔ وہ ہمارا باپ، محافظ، مالک، بادشاہ، اور نجات دینے والا ہے۔

روح غیر فانی ہے۔ موت صرف جسم کی تحلیل و تجزیہ کا نام ہے۔ بنے کے بعد وہی ہی زندگی نہیں ہوتی۔ آئندہ زندگی ایک سلسلہ اور ترقی یافتہ ہے۔ موجودہ زندگی کی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ گویا آئندہ لوگوں کے جنین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حقیقی مقدس صحیفے دو ہیں۔ صحیفہ فطرت، اور وہ فطری خیالات جو ذہن میں مرسوم ہیں۔ خالق کائنات کی حکمت، قدرت، اور رحمت کائنات کے صفحے پر لکھی ہوئی ہر حیات جادوئی کا عقیدہ اور اخلاقی تصورات ایسے معتقدات ہیں جن کی جڑیں انسان کی سرشت میں پیوست ہیں۔

خدا کبھی انسانی جسم میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی الوہیت ہر انسان میں موجود ہے اور بعض آدمیوں میں زیادہ نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ موسیٰ، عیسیٰ، محمدؐ، نانک، چٹنیا، اور دنیا کے دوسرے بڑے معلم خاص وقتوں میں ظاہر ہوئے اور انھوں نے دنیا کو بے شمار

اکثر رسم و رواج قابل ترک معلوم ہونے لگے۔ لیکن اپنی نو عمری کے خیال سے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ دیوند رنا تھہ ٹلگور کے ساتھ ان کی ماتحتی میں کام کریں چنانچہ پانچ برس تک دونوں کا ساتھ رہا اور ان کے اتحاد سے سماج کے نوجوانوں کی تربیت ہوتی رہی۔ مگر آخر کار دیوند رنا تھہ کی اعتدال پسندی سے کیشب گھبرا گئے۔ ان کے نزدیک صرف اسی قدر کافی نہ تھا کہ بت پرستی کا انسداد کر دیا جائے بلکہ وہ ہندو مذہب کے رسم و رواج کو بھی جو ان کے خیال میں باطل تھے مٹا دینا چاہتے تھے۔ پہلی نذر ان کے اور دیوند رنا تھہ کے درمیان جینو کے مسئلے پر ہوئی کیشب چندر نے اس بات پر زور دیا کہ جو لوگ سماج کے مندر میں عبادت کرنے آئیں وہ جیو اتار کر آئیں تاکہ اونچی اہیچی ذات کی تفریق جو جینو سے ظاہر ہوتی ہے۔ باقی نہ رہے۔ وہ ذات پات کے سخت مخالف تھے۔ دیوند رنا تھہ ٹلگور نے اس تحریک پر خود تو جیو اتار دیا لیکن دوسروں کو اس کے لئے مجبور کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ اس کے بعد شراوہ (یعنی متونی آباد اجداد کی پوجا) کا مسئلہ دونوں کے درمیان اختلاف کا باعث ہوا۔ اسی طرح بچے کی پیدائش، اس کے نام رکھنے کی رسم، اور مردے کو جلانے کی رسم پر اختلاف ہوا۔ زیادہ اہم مسئلہ شرای بیہ کا تھا۔ کیشب اور ان کی جماعت کے لوگوں نے بچپن کی شادی کی سخت مخالفت کی۔ اس کے بعد بیواؤں کی شرای اور قہودہ اور دلچ پر شدید اختلاف ہوا۔ پھر اگست ۱۸۸۷ء میں کیشب نے دو مختلف ذات کے ہندوؤں کے درمیان شادی کرادی یہ بدعت دیوند رنا تھہ ٹلگور کو بہت ناگوار ہوئی کیشب نے دیکھا کہ وہ مملکت کی برہمنو سماج میں رہ کر آزادی کے ساتھ اپنا اصلاحی کام جاری نہیں رکھ سکتے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ سماج کے ممبروں کی بڑی تعداد اب بھی ذات پات کے جھگڑوں اور ادھام پرستی میں مبتلا ہے۔ ان کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا مشن دیوند رنا تھہ ٹلگور کے حشر سے مختلف ہے۔ آخر کار فردری ۱۸۸۷ء میں کیشب چندر سین اور ان کے ساتھ سماج کے نوجوان ممبروں کی ایک کثیر تعداد نے ”آدی برہمنو سماج“ سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر کے اپنی جماعت

اس امر کی آزادی ہو کہ وہ کوئی آسان طریقہ اختیار کر لیں جس کے مطابق وہ خدا کے گیان میں مگن ہو سکیں ۱۵

سماج کی حالت پر غور و غوض کرنے کے بعد مہارشی دیوندر ناتھ ٹکڑور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی بقا اور استواری کی صرف یہی صورت ہے کہ اس کا ایک باقاعدہ صدر مقرر کیا جائے، اس کے لئے ایک مستقل خادم دین (منسٹر) ہو، عبادت کا ایک مقرر طریقہ اور عقائد و اعمال کا ایک معین معیار ہو۔ چنانچہ ۱۸۴۳ء کے آخر میں انھوں نے برہمو سماج کا ایک عہد نامہ خود مرتب کیا۔ جو سات دفعات پر مشتمل تھا۔ سماج کا ممبر بننے کے لئے ہر شخص کو عہد کرنا پڑتا تھا کہ وہ بت پرستی سے پرہیز کرے گا، کسی مخلوق شے کی پوجا نہ کرے گا۔ بلکہ صرف خدا کی پرستش کرے گا جو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا، ان کی حفاظت کرنے والا اور ان کو فنا کرنے والا ہے، اور جو وعدہ لا شرک ہے۔ یہ عہد بھی کرنا پڑتا تھا کہ زندگی پاکیزگی سے بسر کرے گا۔ اور خدا کی مغفرت ترک گناہ کے ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح رام موہن رائے کی مذہبی انجمن ۱۸۴۴ء میں از سر نو منظم ہو کر گویا دوبارہ قائم ہوئی، اور اب اس کا نام ”آدی برہمو سماج“ رکھا گیا۔ ۱۸۵۷ء تک بنگال میں برہمو سماج کے نمونے کی کمی نہ تھی اور قائم ہو گئیں، مثلاً مدنا پور، کرشن نگر، اور ڈھاکہ کی سماجیں۔ عقائد کی اصلاح کے باوجود ہندوؤں کے مذہبی رسم و رواج کی اصلاح دیوندر ناتھ ٹکڑور زیادہ زور نہیں دیتے تھے۔ مثلاً انھوں نے خود توجینو پینٹا چھوڑ دیا تھا۔ مگر دوسروں کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سماج کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ جس کے سرگروہ کیشب چندر سین تھے دیوندر ناتھ کی میا نہ روی سے بیزار ہو گیا۔

کیشب چندر سین ۱۸۵۷ء میں برہمو سماج میں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے پرنسپل ڈی کالج، کلکتہ، میں تعلیم پائی تھی۔ انگریزی تعلیم اور مسیحی خیالات کے اثر سے ان کو ہندو مذہب کے لئے ”انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ“ از عبد اللہ ریوسف علی۔ شائع کردہ ہندوستانی ایڈیٹورز الد آباد ۱۹۳۷ء ص ۸۷-۱۸۶۔

ان کا انتقال برٹل میں ہو گیا، اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے برہمن ملازم نے وہ تمام ہندوانہ رسمیں ادا کیں جو ایک برہمن کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ مرنے کے وقت بھی رام موہن رائے کے جسم پر چینی موجود تھا۔

رام موہن رائے کے انگلستان جانے کے بعد ان کی نئی جماعت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ بارہ برس کے بعد ان کے دوست دو اراکاناٹھ ٹگور کے فرزند، مہارشی دیوندر ناتھ ٹگور وراثتہ ناتھ ٹگور کے والد نے سماج میں داخل ہو کر اس میں نئی جان ڈالی اور اس کو از سر نو منظم کیا۔ برہو سماج میں داخل ہونے سے پہلے دیوندر ناتھ ٹگور نے مذہبی اصلاح کے لئے ایک انجمن ”تتوا بودھنی سبھا“ کے نام سے ۱۸۳۹ء میں قائم کی تھی، اور اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے وہ بنگالی زبان میں ایک رسالہ ”تتوا بودھنی پتر کا“ نکالتے تھے جس کی ادارت کے فرائض اچھے کمادوت انجام دیتے تھے۔ وہ پکے خدا پرست بن گئے تھے۔ انھوں نے انگریزی تعلیم ہندو کالج میں پائی تھی۔ اور روحانی اوصاف سے بھی پوری طرح متصف تھے۔ مسٹر عبد اللہ یوسف علی لکھتے ہیں کہ تتوا بودھنی سبھا کی دوسری سالگرہ کے موقع پر انھوں نے فرمایا:-

”انگریزی تعلیم کی اشاعت کے باعث اب ہم جاہلوں کے مانند لکڑی

اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کر سکتے۔“

وہ ہندو مذہب کے عقائد کی اصلاح چاہتے تھے، اسے ترک کر دینے پر راضی نہ تھے۔ خدا کی پرستش پر زور دیتے تھے۔ لیکن طریق پرستش کا فیصلہ انسان کی مذہبی حس پر چھوڑ دیا تھا۔ فرماتے تھے:-

”میری خواہش ہے کہ تمام انسان جن میں ادنیٰ طبقہ کے لوگ بھی شامل ہیں

برہم کی پرستش کریں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ گائے کی مدد سے

پرستش کر سکتے ہیں وہ اسی طرح کرتے رہیں۔ لیکن جو یہ نہیں کر سکتے ان کو

لے ”ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی“ ص ۹۰

پرستاروں کے اجتماع کے لئے استعمال کی جائے گی جو کائنات کی بانی اور محافظ ہے، اور اس جماعت کا مقصد پاکیزگی، نیکی اور انسانی ہمدردی کو فروغ دینا، نیز تمام مذہبی فرقوں کے درمیان رشتہ اتحاد کو مضبوط کرنا ہوگا۔ عمارت کے اندر کسی شبیہ یا تصویر کے لانے کی اجازت نہ ہوگی، اور نہ کوئی قربانی وہاں کی جائے گی۔ اس میں جمع ہونے والے کسی ایسی چیز کا ذکر جس کی دوسرے لوگ پرستش کرتے ہوں حقارت کے ساتھ نہ کریں گے۔

ان باتوں کے باوجود رام موہن رائے نے اپنی نئی جماعت کے ارکان پر یہ واضح کر دیا تھا کہ ان کے ذہن میں کسی نئے فرقے کی بنیاد رکھنے کا خیال نہیں ہے۔ وہ بس اتنا دعویٰ کرتے تھے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ موحدانہ پرستش کی بنا ایک عمارت میں قائم کر دی ہے، جس میں تمام ذاتوں، طبقوں اور فرقوں کے لوگوں، ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو اکٹھا ہو کر خدا کی عبادت کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، اور ان سب لوگوں سے جس وحدت عقیدہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ اسی قدر ہے کہ خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھیں۔ خود رام موہن رائے کا رویہ اپنے قومی مذہب کے ساتھ ایک ہمدرد مصلح کا تھا جو ان کی زندگی کے آخر دم تک قائم رہا۔ وہ ایک ایسے مصلح تھے جو برہمنیت کی تمام خوبیوں اور سہولتوں کو باقی رکھنا چاہتے تھے اور صرف اس کے باطل اور فاسد اجزاء کو ختم کر دینے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا عمارت میں بھی ایک کمرہ برہمنوں کے لئے مخصوص تھا جس میں دیدوں کی باقاعدہ کتھا ہوتی تھی، اور اس میں برہمنوں کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ رام موہن رائے نے اپنا جینو بھی قائم رکھا تھا۔

۱۸۳۰ء میں شہنشاہ دہلی نے رام موہن رائے کو راجہ کا خطاب دے کر اپنے مالی حقوق کی نسبت کمیٹی کی یہ عنوانیوں کے خلاف اپیل کرنے کے لئے انگلستان بھیجا۔ ۱۸۳۱ء میں وہاں پہنچنے کے بعد ان کی صحت خراب ہونے لگی، اور دو سال بعد ستمبر ۱۸۳۳ء میں

کے قائل نہ تھے۔ موصوف کی رائے یہ ہے کہ رام موہن رائے کا اصلی میلان طبع یہ تھا کہ مختلف مذاہب کی تعلیمات کو سمو کر ایک مرکب تیار کریں۔ وہ اس بات سے مطمئن معلوم ہوتے تھے کہ ہندو انھیں ویدانتی کہیں، موحد خدا پرست سمجھیں، عیسائی مسیحی خیال کریں، اور مسلمان ان کو مسلمانوں میں شمار کریں۔ الہام کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ کسی خاص زمانے یا کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نوع انسانی کے لئے خدا کا عام عطیہ ہے۔ وہ اسے ایک قسم کا خدائی روشنی یا وجدانی ادراک حقیقت سمجھتے تھے۔ جو ہر ملک کے ہر نیک آدمی کو کم و بیش ودیعت ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ان کا خیال تھا کہ دیدوں، عیسائیوں کے مقدس صحیفوں، قرآن مجید، ژند اوستا، یا دنیا کی کسی قوم کی کسی کتاب میں جو اچھی باتیں ہوں ان کو سچائی کے خدا کی طرف سے سمجھ کر قبول کرنا چاہئے۔ کسی عقیدے کی صحت کا تنہا معیار ان کے نزدیک یہ تھا کہ وہ انسان کی عقل سلیم اور قلب انسانی کے وجدان کے مطابق ہو۔

۱۸۲۸ء میں رام موہن رائے نے دوارکانا تھ ٹکور، پورہ سنوکار ٹکور، اور بعض دوسرے اشخاص کی مالی مدد سے اپنی جماعت کے جلسوں کے لئے کچھ کمرے کرائے پر لئے اور وہاں ہر شام کو عبادت کے جلسے ہونے لگے۔ مراسم عبادت چار حصوں میں منقسم تھے۔ دیدوں کا کوئی تن خوش الحانی سے پڑھنا، آپ نثر دوں میں سے کچھ پڑھنا۔ خطبہ اور بھجن۔ اس طرح کلکتہ میں توحید پرستوں کی پہلی انجمن کی تباہی ۱۸۳۸ء میں ڈالی گئی چندوں کی آمدنی میں جب ترقی ہوئی تو رام موہن رائے نے چیت پور روڈ پر ایک بڑا مکان انجمن کے لئے خرید لیا اور ایک سرمایہ اس کے لئے وقف کر دیا۔ اس کے لئے امین بھی مقرر کر دئے گئے۔ تقریباً دو سال بعد خدا پرست ہندوؤں کی پہلی مذہبی انجمن کا باضابطہ افتتاح ۲۴ جنوری ۱۸۳۳ء کو ہوا۔ رام موہن رائے نے اس مذہبی جماعت کا نام ”برہمو سماج“ رکھا، یعنی خدا پر عقیدہ رکھنے والوں کی جماعت تو لیٹ نائے میں تحریر کیا گیا کہ یہ عبارت اس ازلی وابدی، ناقابل جستجو اور قدیم ہستی کے

کوئی سند موجود نہیں۔ یہ خاص طور پر انہی کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ سستی کی رسم ۱۸۳۹ء میں تمام برطانوی ہند میں قانوناً ممنوع قرار دی گئی۔

اس واقعے سے بہت پہلے رام موہن رائے یہ دیکھ کر کہ وطن میں ان کی مخالفت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کلکتہ چلے آئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے سرکاری دفتر کی ملازمت بھی ترک کر دی تھی اور ہمہ تن مذہبی اور معاشرتی اصلاحات میں مصروف ہو گئے تھے۔ کلکتہ میں ان کو دولت مند اور بااثر ہندوؤں اور جینیوں میں کچھ ہم خیال افراد مل گئے جو اصلاح مذہب کی تجویزوں میں ان سے متفق تھے۔ یہ لوگ ایک متحد جماعت کی شکل میں ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور ۱۸۳۰ء میں ایک انجمن ”آرمیا سبھا“ (روحانی سوسائٹی) کے نام سے قائم کی گئی۔ اس سوسائٹی کے ممبر زیادہ تر رام موہن رائے کے ذاتی احباب تھے۔ من جملہ ان کے دوار کا ناتھ ٹیکور بھی تھے۔ سوسائٹی کے جلسے رام موہن رائے کے مکان پر چند دنوں کے وقفے سے ہوا کرتے تھے۔ لیکن برہمنوں اور پنڈتوں کی مخالفت کی وجہ سے جو بعض اوقات ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے انجمن کا قیام زیادہ دنوں تک نہ رہ سکا اور اس کے ارکان ایک ایک کر کے علیحدہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انجمن کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ اس کے باوجود رام موہن رائے کے جوش اصلاح میں کوئی کمی ظاہر نہ ہوئی۔ انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھی، اور کتابوں، مختصر رسالوں اور خطبوں کے ذریعے سے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے رہے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ کے اقوال کے مطالعے کا اثر رام موہن رائے پر یہ ہوا کہ وہ ایک حد تک مسیحیت کے معتقد ہو گئے۔ چنانچہ ۱۸۳۰ء میں انھوں نے بنگالی اور انگریزی زبان میں ایک کتاب بعنوان ”احکام مسیح“، رہنمائے امن و راحت“، لکھی۔ اس کتاب کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ رام موہن رائے دل سے عیسائیت کے معتقد ہو گئے ہیں۔ مرنوئیر ٹیمس لکھتے ہیں کہ اگر یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو تو بھی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ تیلیشی عیسائیت

ان کے خلاف سخت برہمی پیدا ہوئی، اور انھوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنے باپ کے گھر سے کہیں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ پہلے بنارس گئے جو برہمنیت کا مرکز تھا، اور پھر وہاں سے تبت پہنچے جہاں انھوں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ بدھ مذہب کا مطالعہ کیا اور بدھ پجاریوں کے ساتھ مناظرے کئے۔ رام موہن رائے کو شروع ہی سے تمام مذاہب کے تقابلی مطالعے کا شوق تھا۔ وہ حق کے متلاشی تھے۔ اسی غرض سے انھوں نے دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی مقدس کتابوں کی زبانیں سیکھنے کی امکانی کوشش کی۔ انھوں نے وید کو سنسکرت زبان میں پڑھا اور بدھ مت کی مقدس کتاب تریپی تاکا پالی زبان میں مطالعہ کی۔ عربی زبان پر بھی اتنا عبور حاصل کر لیا تھا کہ قرآن مجید سمجھ سکتے تھے۔ پھر اپنی زندگی کے پچھلے دور میں عبرانی زبان بھی سیکھی تاکہ توریت کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکیں، اور آخر میں انجیل سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے انھوں نے یونانی زبان بھی سیکھنی شروع کر دی تھی۔

۱۸۹۲ء کے قریب رام موہن رائے گھرواپس آئے اور باپ سے صلح ہو گئی۔ اب انھوں نے سنسکرت ادب اور ہندو مذہب کا مطالعہ زیادہ اہمک سے شروع کیا۔ اسی زمانے میں انگریزوں سے میل جول اور انگریزی سوسائٹی میں ان کی آمدورفت بھی شروع ہوئی۔ ۱۸۹۳ء میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ برہمنوں سے زیادہ بے باکی کے ساتھ مباحثے کرنے لگے، اور انھوں نے متعدد چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ کر یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ہندوؤں کی بت پرستی ان کے اسلاف کے دستور اور جن کتابوں کا وہ احترام اور جن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اپنے والد کے وفات کے چند روز بعد انھوں نے ایک کتاب تمام مذاہب کی بت پرستی کے خلاف، فارسی زبان میں لکھی نیز اسی موضوع پر چھوٹے چھوٹے رسالے اور بعض آپ نشدوں کے ترجمے بھی شائع کئے۔ سب سے اہم چیز جس کی طرف انھوں نے لوگوں کو توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ سستی کے لئے ویدوں میں

”ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی“ ص ۴۷۹۔

کو پاک و صاف کرنے کی حتی الامکان پوری کوشش کی، مگر ان کو صرف جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔

ابتداءً مسلمانوں نے تو ہندوستان میں انگریزی حکومت اور مغربی تعلیم کی مخالفت کی، مگر ہندوؤں نے ان دونوں چیزوں کا خیر مقدم کیا، اور جو ہندو مغربی تعلیم سے بہرہ مند ہوئے ان کے اندر اپنے آبا و اجداد کے مذہب کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہونے لگا۔ رام موہن رائے اس جماعت کے پہلے رہنما تھے اور جس مذہبی اصلاح کا انھوں نے آغاز کیا وہ پہلی اصلاحی تحریک تھی جو سچی اثرات اور انگریزی تعلیم کے ذریعے مغربی خیالات سے جاری ہوئی۔

رام موہن رائے | رام موہن رائے مسیحاؑ میں موضع رادھا نگر، ضلع مرشد آباد میں ایک اونچی ذات کے برہمن کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام رامکانت رائے تھا، اور ان کے دادا منگل شہنشاہ کی ملازمت میں مختلف عہدوں پر مامور رہ چکے تھے۔ اوائل عمر میں رام موہن رائے فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے جس میں قرآن مجید کی تعلیم بھی شامل تھی، پٹنہ بھیج دئے گئے۔ جو اس وقت اسلامی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ انھوں نے سنسکرت اور اپنے آبائی مذہب کی تعلیم سے بھی غفلت نہیں برتی۔ ان کے والد دشنو کے پرستاروں میں تھے۔ چنانچہ روزِ صبح کو رام موہن رائے بھگوت پوران کا جو دیشنو مذہب کا مقدس صحیفہ ہے ایک باب پڑھا کرتے تھے۔ وہ فطرتاً ذہین اور غور و فکر کے عادی تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ ہندو مذہب کے دیوالا سے بدداشتہ خاطر ہو گئے، اور اب انھوں نے ویدا اور ویدانت کی تعلیمات پر، جیسے کہ وہ آپ نشدوں میں بیان کی گئی ہیں۔ خاص طور پر توجہ کرنی شروع کی۔ اس مطالعے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ سال کی عمر میں انگریزی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ہی انھوں نے بت پرستی، کھٹات، بکالی زبان میں ایک رسالہ لکھا جس سے نہ صرف ان کے خاندان والوں بلکہ تمام اعزہ و اقربا میں

(۲) برہمنوں کا سماج

خدا پرستی کا عقیدہ ہندو مذہب میں شروع سے موجود ہے۔ چنانچہ رگ وید میں جو سب سے پرانا وید ہے موحدانہ شلوک بھی ملتے ہیں۔ قدیم ہندو مفکروں کی تعلیم یہ تھی کہ وجود صرف ایک ہی ذات کا ہے اور اُس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے کوئی شے حقیقی وجود نہیں رکھتی بجز ایک ازلی وابدی اور حاضر و ناظر روح کے، بارہویں ہسترو پندرہویں اور سولہویں صدی کے ویشنو مصلحین مذہب رامانج، مادھو، ولجھ، اور چیتنیا، سب ایک قادر مطلق خدا کے وجود کی تعلیم دیتے تھے جو تمام اشیاء کا حائق، اور قائم رکھنے والا ہے۔ اس خدا کو وہ دشنو کہتے تھے۔ لیکن یہ مصلحین بھی اوتاروں کے قائل تھے اور ان کے خیال میں دشنو، جنگھو سپاہیوں، زیر دست معلموں اور کبھی جانوروں کی شکل میں بھی، خاص خطروں کے اوقات میں۔ اپنی مخلوقات کو بچانے کے لئے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ اسی لئے رامانج، مادھو، ولجھ اور چیتنیا کی اصلاحات کے باوجود بت پرستی کا وجود مٹ نہ سکا۔ بلکہ یہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ ہونے لگی کبیر اور ان کے بعد نانک نے اس کا موحدانہ رد عمل شروع کیا۔ بقول مونیر ویلیس ان کی ”یہ تحریکیں بڑی حد تک اسلامی اثرات کا نتیجہ تھیں“ دونوں نے ہندو عقائد سے ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی ”انگریزی“۔ از مونیر ویلیس مطبوعہ لندن ۱۸۷۵ء

RELIGIOUS THOUGHT AND LIFE IN INDIA, BY
MONIER WILLIAMS.

کوچ کا تقارہ ہے کہ دن رات بجا کرتا ہے)

مالی آوت دیکھ کے کلیاں کرت پکار
پھولی پھولی چن لئے کالھ ہاری بار

(مالی کو اتنا دیکھ کر کلیاں غل چاتی ہیں۔ پھولی پھولی تواج چن لیں، کبل ہاری باری ہے)

چلتی چکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے
دوئی پٹ بھینتر آئی کے ثابت گیا نہ کوئے

(چلتی چکی دیکھ کے کبیرا رو دیا۔ دوپاٹوں یعنی آسمان وزمین کے بیچ میں آکے کوئی ثابت نہیں پایا)

جو تو کو کا نٹا بوئے تاہی بوئے تو پھول
توں ہی پھول کے پھول ہیں، دا کو ہیں ترسول

(جو تیرے لئے کانٹے بوئے اس کے لئے تو پھول بوئے تجھے تو پھول کے پھول رہیں گے اور اس

کے کانٹے اُسے ترسول ہون جائیں گے)

مانگے مرن سمان ہے، مت کوئی مانگو بھیکھ

مانگن سے مرنا بھلا، یہ ست گورو کی سیٹھ

(مانگنا مرنے کے برابر ہے، کوئی بھیک مت مانگو۔ مانگنے سے مرنا بھلا، یہ ست گورو

کی نصیحت ہے)

بُرا جو دیکھن میں چلا، بُرا نہ ملیا کوئے

جو دل کھو جوں آپنا، مجھ سے بُرا نہ کوئے

(میں بُرا ڈھونڈنے چلا، کوئی بُرا نہ ملا۔ اپنا دل جو دیکھا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں)

بہادر شاہ ظفر نے اسی مضمون کو اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے۔

نہ تھی حال کی تب ہیں اپنے خبر رہے دیکھتے ادروں کے عیب دہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

”آداگون ہندوستانی مذاہب کا مرکزی اصول ہے، اور کبیر صاحب اس کو پوری طرح قبول کرتے ہیں۔ بار بار پیدا ہونا اور مرنے پر ہی روح کے واسطے لازمی ہے جب تک کہ اُس کو اس آمدورفت سے نجات نہ ملے اور وہ ایشور کے پریم میں لگن ہو کر ایشور کی دیا سے اس سیاست سے آزاد نہ ہو جائے۔“

کبیر کہتے ہیں :-

پنڈت سو دھن کہو سمجھائی جاتے آداگون نائی

(اے پنڈت اچھی طرح غور کر کے ہم کو سمجھا کے وہ بات بتاؤ جس سے آداگون مٹ جائے)
کہہ کبیر حیت حیت کے آداگون نوار
(اے کبیر دل کو ہوشیار کر کے آداگون سے آزاد ہونے کا حال کہو)

جیوں جل چھاڑ باہر بھیو مینا پورب جنم ہوں تب کا بنیا
رچھلی کی طرح پانی کو چھوڑ کر باہر نکل آیا ہوں۔ پچھلے جنم میں میرے تپ میں کچھ کمی تھی)
عارفانہ اور اخلاقی مضامین | دلکش پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ چند مثالیں
ملاحظہ ہوں :-

ست نام کڑوا لگے، میٹھا لگے دام دُبدھ میں دونوں گئے، مایا ملی نہ رام
دست نام کڑوا لگتا ہے، دولت میٹھی لگتی ہے، شک و شبہ میں دونوں گئے، مایا ملی نہ رام۔
دوسرا مصرع ضرب النثل بن گیا ہے۔

کبیر اسی پاؤں میں، کہہ سووے شکھ چین

سانس نکارا کوچ کا باجبت ہے دن رین

دری یاؤں میں پٹری ہے کبیر چین سے کس طرح سووے ؟۔ سانس جو آتی جاتی ہے گویا
”کبیر صاحب“ ص ۱۱۴۔

پڑھ پڑھ کے پتھر بھٹے ، لکھ لکھ بھٹے جو اینٹ
 کبرا انتر پریم کی لاگی نیک نہ چھینٹ
 دپڑھ پڑھ کے پتھر ہوئے اور لکھ لکھ کے اینٹ ہوئے۔ پریم کی ذرا سی چھینٹ بھی نہیں پڑی
 پنڈت اور مشالچی دونوں سوچے ناہنہ
 اورن کو کر چاندنا آپ اندھیرے ماہنہ
 پنڈت اور مشالچی دونوں کو نہیں سوچتا۔ اوروں کو روشنی دکھاتے ہیں، آپ اندھیرے
 میں لاتے ہیں۔

نہائے دھوئے کیا بھیا جو من میل نہ جاے
 بن سدا جل میں رہے دھوئے باس نہ جاے
 دنہائے دھونے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر من کا میل دور نہ ہو۔ مچھلی ہمیشہ پانی میں رہتی ہے
 مگر پانی سے دھونے سے بھی اُس کی بو نہیں جاتی

مستہرا بجاویں، دوار کا بھاویں، جائیں جگن ناتھ
 سادھ سنگت، ہنر جگن بن کچھو نہ آوے ہاتھ
 دچا ہے مستہرا جادویں، چاہے دوار کا جادویں، چاہے جگن ناتھ جادویں، سادھو کی سنگت
 اور ایشور کے بھجن کے بغیر کچھ ہاتھ نہیں آتا

سید شیخ کتاب نہ رکھے، پنڈت شاستر بچا رہے
 ست گرو کے ایدیش بنا تم جان کے جیویں ماسے
 دسید شیخ کتاب پڑھتے ہیں، پنڈت شاستر بچا رتے ہیں۔ ست گرو کی ایدیش کے بغیر
 تم جان بوجھ کے جان مارتے ہو

کبیر کے ہندو ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ وہ آداگون کے قائل
 آواگون تھے۔ پنڈت زرتشی لکھتے ہیں:-

راتا ماتا نام کا پیا پریم اگھائے

متوالا دیدار کا مانگے مکت بلائے

(نام میں محو ہے، نام میں مست ہے، پریم کا پیالہ سیر ہو کر پی لیا ہے۔ وہ دیدار کا متوالا ہے۔
اس کی بلا مکتی مانگے۔ یعنی عاشقان الہی مکتی یا نجات سے بھی بے نیاز ہیں)

پریتم کو قتیلاں لکھوں جو کہوں ہوئے بدیس

تن میں، من میں، نین میں تاکو کہاں سندیس

(اگر محبوب پر دیس میں ہو تو اس کو خط لکھوں۔ وہ تو میرے بدن میں، من میں، آنکھوں میں سمایا
ہوا ہے۔ اس کو سندیس کیا کیجوں)

میرا جھ میں کچھ نہیں، جو کچھ ہے سو تو رہ

تیرا تجھ کو سوچتے کیا لاگت ہی مور

دیرے پاس کوئی شے میری نہیں۔ جو کچھ ہے تیرا ہی ہے۔ تیری چیز تجھ کو دیتے میرا کیا لگتا ہے

کبیر کی نظر میں مذہب کی ظاہری رسوم کوئی وقعت نہیں رکھتی
ظاہری رسوم سے بیزار ہیں

تھیں۔ ان کے نزدیک اعلیٰ چیز پریم اور بھگتی تھی۔ اگر یہ نہیں
تو کچھ بھی نہیں۔ اپنے ان خیالات کو انھوں نے مختلف مقامات پر بہت دل نشیں انداز
سے بیان کیا ہے۔

مالا پھیرتے جگ بھیا، پھر انہ من کا پھیر

کر کا منکا ڈار دے، من کا منکا پھیر

مالا پھیرتے جگ بیت گئے، من کا پھیر دور نہ ہوا، ہاتھ کا دانہ چھوڑ دے، من کا دانہ پھیرا

ہم تو جوگی من ہی کے، تن کے ہیں تے اور

من کا جوگ لگا دتے دسا بھی کچھ اور

(ہم تو من کے جوگی ہیں۔ تن کے جوگی اور ہوتے ہیں۔ من کا جوگ کرتے ہماری تو ادا حالت ہو گئی)

خدا کو یاد کرے وہ بھگت کہلائے گا

جل جیوں پیارا ماچھری ، لوکھی پیارا دام
 ما پیارا بالکا ، بھگت پیارا نام
 دھچکی کو جس طرح پانی پیارا ہوتا ہے اور لالچی کو روپیہ ، جس طرح ماں کو بچہ پیارا ہے اسی طرح
 بھگت کو ایشور کا نام

ادر کرم سب کرم ہے ، بھگتی کرم نش کرم
 کہے کبیر پکار کے بھگتی کرو تچ دھرم
 (ادر سب کرم مطلب کے ہیں ، بھگتی کا کرم بے غرض ہے۔ کبیر پکار کر کہتا ہے۔ دھرم کو چھوڑ
 کر بھگتی کرو)

کبیر بھائی کلال کی ، بہونک بیٹھے آوے
 سر سوپنے سوئی پیوے نہیں تو پیا نہ جائے
 دکیتر ، کلواری کی ایک بھٹی ہے۔ بہت لوگ آکر بیٹھے۔ جو اپنا سر دے وہ پئے در نہ پی نہیں سکتا
 جب میں تھتا تب گورو نہیں ، جب گورو ہے ہم ناہنہ
 پریم گلی ات سانکری تا میں دو نہ سماہنہ
 (جب میں تھتا تب گورو نہ تھا ، جب گورو ہے میں نہیں ہوں۔ یعنی جب تک مجھ میں خودی تھی ، اُس
 اُس وقت تک گورو کا پریم حاصل نہیں ہوا تھا۔ جب گورو کا پریم حاصل ہوا تو خودی جاتی رہی۔
 پریم کی گلی اتنی تنگ ہے کہ اس میں دو نہیں سما سکتے)

پیا چاہے پریم رس ، رکھا چاہے مان
 ایک میان میں دو کھڑک دیکھا سنا نہ کان
 (تو پریم رس پینا چاہتا ہے اور خودی کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہ
 دیکھیں نہ کان سے سنیں)

پامن پوجے ہری میں، تو میں پوجوں پہار
تاتے یہ چاک بھلی، پیس کھاتے سنسار
(اگر تھیر پوجے سے خدا ملتا تو میں پہاڑ کو پوجتا۔ اس سے تو چکی اچھی ہے جس سے لوگ
پیس کر کھاتے ہیں)

کرتا ایک اور سب باجی باز
نا کوئی پیر، مسابکچہ، کاجی قاضی
دکھنے والا ایک ہے، اور سب کھیل ہے۔ نہ کوئی پیر ہے نہ مشائخ نہ قاضی
(کبر سوائی پیر ہے جو جانے پیر پیر
جو پیر پیر نہ جانے سو کا پھر پیر پیر
(کبیر وہی پیر ہے جو دوسروں کی تکلیف کو جانے۔ جو دوسروں کی تکلیف نہیں جانتا وہ کافر
بے پیر ہے)

لوٹ سکے تو لوٹ لے ست نام کی لوٹ
پیچھے پھر بھگتاؤ گے، پران جائیں گے تھوڑے
(ست نام کی لوٹ جہاں تک بنے لوٹ لو، ورنہ مر جاؤ گے تو بھگتاؤ گے)
بھگتی اور پیر کبیر کا دوسرا محبوب موضوع ہے۔ خدا تاک رسائی صرف عقیدت
بھگتی اور محبت کے ذریعے سے ممکن ہے۔ لیکن بھگتی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شکام
اور بے لوث ہو۔ کہتے ہیں :-

جب لگ ہو بکینٹھ کی آسا تب لگ نہ ہری چرن نواسا
(جب تک بہشت کی امید ہے تب تک ہری کے قدموں کے نیچے نہیں رہ سکتے)
جب لگ نہ آتا بھگت کا تب لگ بھگت نہ ہوئے
ناتا توڑے ہری بھجے بھگت کہا دے سوئے
(جب تک دنیا سے تعلق ہے۔ اس وقت تک بھگت نہیں ہو سکتا جو دنیا سے قطع تعلق کر کے

سے ترجمے کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں۔ ان سے اُس زمانے کے ”ریختہ“ کی کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اور کثیر کی تعلیمات پر بھی روشنی پڑتی ہے:-

توحید اور بھگتی، یہی دو خاص موضوع کبیر کی تلیقنات کے ہیں۔ ان کو طرح طرح سے بیان کیا ہے۔ توحید کی تعلیم دیتے ہوئے کہتے ہیں:-

توحید

صاحب میرا ایک ہے، دو جا کہا نہ جائے

دو جا صاحب جو کہوں، صاحب کھرا سائے

(میرا مالک ایک ہے، دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ اگر دوسرا مالک کہوں تو میرا مالک مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔)

جیوں تل ماہیں تیل ہے، جیوں چکپکپ میں آگ

تیرا سائے تجھ میں بسے، جاگ سکے تو جاگ

(تیرا مالک تجھ میں اس طرح ہے جس طرح تل میں تیل اور چمقاں میں آگ۔ اگر تو جان سکے تو جاگ)

جیوں نین میں پوتری، تیوں کھا لپ گھٹ ماہنہ

مورکھ لوگ نہ جانیں، باہر ڈھونڈھن جاہنہ

(خاق دل میں اسی طرح ہے جس طرح آنکھ میں تیلی۔ بیوقوف لوگ جانتے نہیں، باہر ڈھونڈھتے)

(پھرتے ہیں)

کھا لک کھلک، کھلک میں کھا لک سب گھٹ رہو سمائے

(خالق ہے خلق میں اور خلق ہے خالق میں۔ سمجھوں میں وہ سمایا ہوا ہے)

موکو کا ہاں ڈھونڈھو ہمارے بندے میں تو تیرے پاس میں

نامیں دیول، نامیں مسجد، نا بجے کیلاش میں

(اے بندے مجھے کہاں ڈھونڈھتا ہے، میں تو تیرے پاس ہوں۔ نہ میں مندر میں ہوں نہ مسجد

میں نہ کجے میں نہ کیلاش میں)

فارسی عربی کے الفاظ تو چند کوئی کے یہاں بھی ملتے ہیں۔ کبیر کے زمانے میں مسلمانوں کو ہندوستان میں آئے ہوئے کئی صدیاں گزر چکی تھیں اور روزمرہ کے کاروبار میں سیکڑوں الفاظ فارسی عربی کے رائج تھے۔ کبیر صاحب ان الفاظ کو بے دھڑک استعمال کرتے ہیں۔

(۱) ادگن کئے تو ہر کئے کرت نہ مانی ہار بھاوئے بندہ کسے، بھاوئے گردن مار
رگناہ تو بہت کئے اور کرتے ہوئے ہار نہ مانی۔ چاہے بندے کو تختے چاہے گردن مارے
(۲) چلن چلن سب کوئی کہیں، موہے اندر لسا اور صاحب سے پری چے نہیں پنچیں گے کوہی کھور
(چلنے کو سب لوگ کہتے ہیں، مجھے اور ہی اندیشہ ہے۔ صاحب سے جان پہچان تو ہے نہیں کیسے پہنچیں گے)

(۳) پد جوڑے، ساکھی کہے، سادھن پری گئی روس
کارٹھاجل پیوے نہیں، کارٹھ پین کی ہو س
(پد جوڑتا ہے، ساکھی کہتا ہے، اس کی عادت پڑ گئی ہے۔ بھرا ہوا پانی نہیں پیتا۔
بھر کر پانی پینے کی ہوس ہے)

(۴) آپ گئی، آدر گیا، من گیسینہ
یہ تینوں تب ہی گئے جب ہی کہا کچھ دیہہ
(آبرو گئی موت گئی، آنکھوں سے مروت گئی۔ جب کسی سے کچھ مانگا تو یہ تینوں چیزیں جاتی رہیں)

(۵) اکل ارس سے اوتری بدھنا دینہی بانٹ
عقل عرش سے اتری۔ خدا نے بانٹ دی) ۱۷

مندرجہ بالا مثالوں کے علاوہ ذیل میں کبیر کے چند اور دودھے بھی پنڈت زنتی کی کتاب "کبیر صاحب"۔ ص ۳۳-۱۳۰

رمانے کے صوفیائے کرام بھی اپنے ملفوظات اور تصنیفات میں جو عوام کے لئے ہوتیں۔ ہندی ہی زبان استعمال کرتے تھے۔ ڈاکٹر تارا چند نے کبیر کے کلام کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ ریختہ اور ہندی بھاشا دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ تو ریختہ سے اس عہد کی وہی زبان مراد ہے جس میں عربی فارسی کے الفاظ نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ کبیر کی زبان کے متعلق پنڈت زرتشی لکھتے ہیں:-

”بھاشا کے ماہروں کی رائے ہے کہ کبیر صاحب کی زبان پچ میل مٹھائی ہے اس میں برج بھاشا، کھڑی بولی، پنجابی، راجستھانی، سبھی کے الفاظ ملتے ہیں۔ انھوں نے خود کئی جگہ کہا ہے کہ میری بولی پوربی ہے، گویہ کہنا مشکل ہے کہ پوربی سے ان کی مراد کیا تھی۔ مگر یہ بات تو ان کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے کہ بہاری محاوروں اور بہاری لہجے کا ان پر کافی اثر تھا۔ اس پچ میل مٹھائی کے غالباً دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ کبیر صاحب پڑھے لکھے نہ تھے، اس واسطے ان کی زبان اور دیا کرن (مرہٹو) میں استقلال نہ تھا۔ اپنی طویل سیر و سیاحت میں وہ ملکوں ملکوں پھرے تھے اور ہر جگہ کے سنتوں اور درویشوں سے ان کی صحبت رہی تھی، اس واسطے مختلف صوبوں اور ملکوں کی زبان اور لہجے کا اثر انھوں نے قبول کر لیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ زبان کی صحت اور دیا کرن اور نیگل کے قواعد کی پروا نہیں کرتے تھے جس موقع پر جس لفظ سے ان کا مطلب عمدہ طور سے ادا ہوتا تھا، جہاں پر جو لفظ جس شکل میں ان کی شاعری میں کھپ جاتا تھا، وہاں اس کو بے تکلف استعمال کر جاتے تھے۔ ان کو اپنے خیالات کے اظہار سے مطلب تھا، نہ عروض کے قاعدوں سے، نہ گرامر کے ضبط سے۔“

شعری گویم بہ از آب حیات من نہ دانم فاعلاتن فاعلات

سے باز آئیں.....

قطع نظر اس غلط خیال کے کہ مسلمان پیر، اولیاء اور پیغمبروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اس آخری بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا سانام رکھنے اور ایک مسلمان جو اپنے کے گھر میں پرورش پانے کے باوجود کبیر حقیقتہً مسلمان نہ تھے بلکہ صرف موجد تھے۔ مسلمان ہونے کے لئے خدا کی وحدانیت پر ایمان لانا ہی کافی نہیں، بلکہ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت کا اقرار بھی لازمی ہے۔ کبیر کا ایمان بالرسالت کیس ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ خلاف اس کے وہ مسلمانوں کو آنحضرت صلعم اور قرآن مجید کے سامنے تسلیم خم کرنے سے روکتے ہیں، اور ان کو نماز، روزہ اور حج سے جو اسلام کے اہم ترین ارکان ہیں باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان فرائض کو وہ مذہب کی ظاہری رسمیں سمجھتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ کبیر موجد تھے اور خدا کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دینا ہی ان کا اصلی مذہب تھا۔ اسی کی تلقین وہ ہندو اور مسلمان دونوں کو کرتے تھے۔ مگر جس سلسلے کے وہ مرید تھے، یعنی رامند اور ان سے پانچ پشت اوپر رامانج تک، اس کے تمام مرشدوں کا یہی مذہب تھا اور وہ سب بھگوت سمجھتی ہی کے مبلغ تھے۔ ان ہندو موجدوں کے بہر حال ہندو ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ برہمنو سماج، آریہ سماج، رادھسا سوامی مت، ان سب کے پیر بھی ہندو ہی ہیں، حالانکہ خدا کی وحدانیت کے سب قائل ہیں اور بت پرستی کی مخالفت میں سب متفق۔

کبیر کی زبان کبیر کے زمانے یعنی پندرہویں صدی عیسوی میں وہ زبان جو آج ہندوستانی یا اردو کے نام سے مشہور ہے اپنے عہد طفولیت میں تھی اور اس میں پراکرت یعنی مقامی بولیوں کے الفاظ بکثرت پائے جاتے تھے۔ مسلمانوں کی آمد سے عربی، فارسی الفاظ کی آمیزش ہوتی جا رہی تھی، لیکن غلبہ ہندی لفظوں کا تھا چنانچہ اس

رامانند نے کبیر کو ہندو فلسفے اور مذہب کی تعلیم دی۔ لیکن چیلے ہونے کے بعد بھی کبیر نے رسمی طور پر ترک دنیا نہیں کیا بلکہ یہ دستور چلا ہے کا پیشہ کرتے رہے۔ کچھ دنوں گرو کی صحبت میں رہنے کے بعد وہ دور دراز مقامات کی سیاحت کو نکل گئے اور بہت سے ہندو سادھوؤں اور مسلمانوں صوفیوں سے ملے۔ اُن کے عقائد کے متعلق پندت زلتشی کا بیان ہے:-

”کبیر صاحب کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ اُن کے دل و دماغ پر اسلام کا اثر کافی تھا۔ جہاں وہ اسلام کے بعض رسم و رواج کا مذاق اڑاتے تھے وہیں اسلام کے بعض عقائد سے وہ ضرور متفق تھے۔ توحید کی تلقین، بت پرستی کی مذمت ذات پات اور چھوت چھات سے انکار، جس طرح کبیر صاحب کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ ہندو مذہب سے اختلاف کرنے کی ضرورت ایک وجہ یہ تھی کہ ان باتوں میں انھوں نے اسلام کا اثر قبول کیا تھا۔۔۔

..... اور کبیر صاحب پر کیا موقوف ہے، اسلام کے عقائد اور اسلام کی مثال کا اثر ہندوؤں پر شمالی ہندوستان میں عالم گیر تھا۔ مٹھرا دیو گوند رانا ڈے کی رائے ہے کہ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں کے بعض رسم و رواج میں جو بین فرق نظر آتا ہے خصوصاً شوروں اور اچھوتوں کے ساتھ شمالی ہندوستان میں جو کم سختی برتی جاتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں اسلام کا اثر گہرا اور دیر پا تھا۔“

کبیر کے مذہب کی نسبت ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:-

”کبیر کا مشن مذہب محبت کی تبلیغ کرنا تھا۔ جو تمام ذاتوں اور فرقوں کو متحد کر دے۔ انھوں نے ہندو مذہب اور اسلام کی ان خصوصیات کو مستور کر دیا جو مذہب کی اس روح کے خلاف تھیں اور جو فرد کی حقیقی روحانی فلاح کے

البتہ خود کبیر کے کلام میں ان کی زندگی کے بعض مستند واقعات مل جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ جولاہے تھے، بنارس میں رہتے تھے، آخر عمر میں گھر چلے آئے تھے، پڑھے لکھے نہ تھے اور رامانند کے چیلے تھے۔ پنڈت زرتشی نے حوالے بھی نقل کئے ہیں۔

جات جولاہا کیا کہے، ہر دے بسے گوپال

(ذات کا جولاہا ہے تو کیا ہوا، دل میں گوپال بسا ہوا ہے)

تو با مھن، میں کاشی کا جولاہا، بوجھو مور گیان

(تو برہمن یعنی پنڈت ہے۔ میں کاشی کا جولاہا ہوں۔ میرے گیان کو تو سمجھ)

سکل جنم شو پوری گنوا یا مرقی بار گہراٹھ آیا

(ساری زندگی تو کاشی میں بنی۔ مرتے وقت گہراٹھ گیا)

کاشی میں ہم پر گھٹ بھئے ہیں رامانند چٹائے

دکاشی میں ہم پیدا ہوئے ہیں، اور رامانند نے ہم کو رموز معرفت سے آگاہ کیا ہے۔

مسی کا گچھو پو نہیں، کلم گھو نہیں ہاتھ

چار یو جگ، کامہا تم مکھ میں جنائی بات

در دشمنائی اور کاغذ کبھی نہیں چھو، قلم کبھی ہاتھ میں نہیں لیا۔ لیکن چاروں جگوں

کے حالات میں نے زبان سے بیان کر دیے^۱

رامانند کے چیلے ہونے کا اشارہ محسن فانی نے بھی ”دستان مذاہب“ میں کیا ہے

بیراگیوں کے حال میں کبیر کا ذکر یوں شروع کرتے ہیں :-

”کبیر جولاہہ نثراد کہ از و حدان مشہور ہندو ست بیراگی بودہ۔ گونیکبیر

در ہنگام مرشد جوئی پیش کا ملان مسلمان و ہندو رفت۔ انجہ می جبت نہ

یافت۔ سر انجام یکے اور ادالات بہ پیر روشن رواں رامانند برہمن نمود،^۲

۱۔ ”کبیر صاحب“، مولفہ پنڈت منوہر لال تریستی، شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد ۱۹۳۳ء ص ۵۲

۲۔ ”کبیر صاحب“، مولفہ پنڈت منوہر لال تریستی، شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد ۱۹۳۳ء ص ۵۱

ہندو مذہب کے اصلاحی فرقے

(۱۱) کبیر پنیتھ

کبیر جن کا نام سے یہ پنیتھ منسوب ہے بنارس میں ایک بیوہ برہمنی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس نے لوگ لالچ کے ڈر سے بچے کو ایک تالاب کے کنارے ڈال دیا تھا۔ اتفاق سے نیرو نام ایک جو لایا اور اس کی بیوی نعیمہ کا گزر اُدھر سے ہوا وہ رحم کھا کر بچے کو اپنے گھر اٹھالائے اور اولاد کی طرح اس کی پرورش کی۔

کبیر کی زندگی کے حالات مستند اور معتبر طریقے سے نہیں ملتے۔ چنانچہ ان کی پیدائش اور موت کی تاریخوں میں بھی اختلاف ہے۔ پنڈت منوہر لال زتشی اپنی کتاب ”کبیر صاحب“ میں لکھتے ہیں۔

”کبیر داس کی پیدائش اور موت کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ زمانہ جدید کے وقائع نگاروں کا اتفاق اس پر معلوم ہوتا ہے کہ سمیت ۱۴۵۵ء میں پیدا ہوئے اور سمیت ۱۵۰۵ء میں وفات پائی۔ اس حساب سے ان کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوتی ہے۔ بوکٹ صاحب نے غالباً اسی بنا پر کبیر صاحب کی پیدائش ۱۳۹۸ء میں اور موت ۱۵۱۸ء میں بیان کی ہے۔“

بتاتے نہ دار دجہاں اے پسر

بغفلت مہر عمر دروے بسر

کہا مان کہتا ہوں کیا بار بار نہ ملے گا کہتا، بہت ہو گا خوار

نہ مغرور ہو ہونے پر مال دار یہ مال ہی کہے گا تجھے زہر مار

نہ کیا تو گناہوں سے رکھتا ہر عار جو ہیں بے عدد تیرے اوپر سوار

منہ دل بریں دیر ناپا نندار

ز سعادتی دلچوگرہیں یاد دار (ص ۴۸)

(۱۸) سادھارن دھرم: جلد دوم۔ مصنفہ سوامی شیو گن جی یوگی۔ شائع کردہ شانتی

آشرم، گجرات۔ ص ۱۱۲۔ سرورق کے موجود نہ ہونے سے مطبع کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

اس کتاب میں مذہب اور اخلاق کے بعض مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً ترک نفس

صحت جسمانی، پیار تھنکے فوائد، مکتی حاصل کرنے کا طریقہ، صبر و استقلال، وقت کی قدر اور

زندگی، مذہبی تعصبات اور روحانی غرور کی خرابیاں، وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں بعض بڑے

آدمیوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ہر مذہب اور مختلف ملکوں کے لوگ شامل ہیں۔

(۱۹) کلام مہر۔ جلد ثانی۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مفید عام پریس، لاہور ۱۹۱۵ء

ص ۲۷۲۔

اس مجموعہ نظم میں جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ مذہبی اور اخلاقی مضامین کثرت

سے ملتے ہیں۔

(۲۰) مہر بھجتا ولی۔ جلد اول۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی۔

۱۹۱۵ء ص ۲۴۸۔

یہ بھگتی اور سیراگ کے ریلے بھجنوں کا مجموعہ مع اردو ترجمہ ہے۔

دل میں اٹھنے نہ پائیں گی تو خوش خوش زندگی بسر ہوگی، آداگوں چھوٹ جائے گی، اور آدمی موکش پد کو پہنچے گا۔ پس سب سے مقدم کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم کام کے سروپ کو سمجھیں۔ کام کی اہمیت ذہن نشین ہوگئی تو اس پر فتح پانے کی تجادینہ پر آسانی سے عمل درآمد ہو سکتا ہے اس سروپ کو سمجھانے کے واسطے میں مہا بھارت کی پرانی کتھا آپ کو

سناتا ہوں“

(۱۷) گیان گیتا: ”المعروف بہ راہ نجات“، از پوکر داس، حصہ دوم۔ مطبع روہیل کھنڈ لٹری سوسائٹی، بریلی۔ ص ۴۸۔ سنہ درج نہیں نسخہ نطاہر قدیم الطبع معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک ترکیب نبد ہے جس میں کریم (سعدی) کے اشعار کی تفسیر کی گئی ہے ابتدا میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کے اوپر یہ عبارت درج ہے: ”لا الہ الا اللہ“ چیت گیت ہے اسم اللہ“ نظم کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

صد افسوس انسان دنیا میں آ پریشاں گناہوں سے اپنے ہوا
دگر نہ یہ تھا اشرف انبیاء نہ ہوتا نظر سے خدا کی جدا
پھر اب بھی جو دیا ہی چاہے ہوا تو یہ شعر سعدی پر طے ہو ملا
کریمیا بہ نختائے بر حال ما
کہ ہستم اسیر کمند ہوا (ص ۱)

یہ لازم ہے تجھ کو یہاں آن کر خدا کی عبادت سے مت پھر بسر
جوتا ہے تجھ کو یہاں پر نظر اسی کا ہی جلوہ ہے سب سر بسر
رہ عدل سے آپ کو پاک کر دروزی کو محنت سے لا اپنے گھر

صاف کر کر طرح طرح کے پھولوں سے آراستہ کیا اور خیمے ڈیرے استادہ کر کر مسند شاہانہ بچھا دی اور جہلہ سامان طرب مہیا کر دیا۔ پھر راجہ کو نہایت ادب کے ساتھ لے جا کر مسند پر بٹھایا اور دسترخوان چن کر عرض کیا کہ یہ سب سامان آپ کے واسطے رزاق حقیقی نے سوچا ہے راجہ نے اس کو قبول کیا اور بہت سے آدمیوں کو گرد و پیش سے بلوا کر ان کے شامل کھانا کھایا، اور صبح کو وہ سب سامان فقر اکو دے کر اپنی راہ لی۔ اب یہ معمول ہو گیا کہ اسی طرح ہر شام ایسا ہی سامان موجود ہوتا اور صبح کو راجہ فقروں کو دے دیتا کہ یہی عمل مدت العمر رہا۔ اب

- خیال کرنا چاہئے کہ ایک ذرہ توکل سے کتنا رتبہ راجہ کو حاصل ہوا، (ص ۱۴-۱۵)
- (۱۴) گلدستہ مسرت :- مصنفہ راج موہن لال۔ مطبع سلیمانی، بنارس ۱۹۰۶ء ص ۲۴۔
اس چھوٹے سے رسالے میں مسرت کی حقیقت اور اس کے اسباب سے بخت کی ہجرت۔
- (۱۵) ذخیرہ سعادت :- مولفہ لال جی۔ مطبع لاکشور، لکھنؤ ۱۸۷۶ء۔ ص ۴۵۔
- (۱۶) روحانی کہانیاں :- حصہ اول۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۳ء ص ۵۰۸۔

کتاب کا مضمون اس کے نام سے ظاہر ہے۔ مولف نے ہندو مذہب کی بنیادی تعلیمات کو حکایتوں میں بیان کیا ہے۔ پہلے سادھو کی کہانی میں نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ سادھو کہتا ہے :-

» مہاراج، آپ نے مجھے اکیادی ہے کہ کام یعنی خواہش پر پہلے میں کہانی شروع کر دوں۔ کام بڑی زبردست چیز ہے۔ یہ دنیا تمام کام ہی کا پھیلاؤ ہے۔ لشکام پرش مکت کہلاتا ہے۔ سکام نبدھ میں گرفتار ہے جس نے کام کو جیت لیا اس نے بڑے زبردست دشمن پر فتح پائی خواہ مشیں

وہ ستار جو سا تر عیب ہے وہ علام جو عالم الغیب ہے
وہ قتلح، مشکل کشائے جہاں وہ مشکل کشا، حامی بندگاں
یہ وحدت کہ ثانی نہیں دوسرا یہ کثرت کہ ہر سب میں جلوہ نما
حمد کے بعد رام چندر جی اور سری کرشن جی کی مدح ہے۔ پھر نعتیہ اشعار اس عنوان سے
لکھے ہیں:-

” در نعت سرور کائنات، خلاصہ موجودات، جناب محمد علیہ السلام “
شفیع جہاں رہبر خاص و عام جناب محمد علیہ السلام
جناب محمد رسول امیں ! عیاں جن سے ہی علم عین الیقین
بنی اللہ ہی، شاہ شاہ شہاں امین الہدی، رہبر گمراہاں
ہوئی پست فرمان جن کی زمیں نکلے ہو اطاعت میں چرخ بریں
سر پاپا عجب جن کے فرماں گزار عجم سر بسر بندہ جاں نثار

تیرہویں باب میں تواضع کا بیان ہے:-

تواضع کرے جو کوئی آدمی ہے انسان میں انساں دہی آدمی
تواضع سے عزت ہی، تکریم ہے تواضع سے حرمت ہی، تکریم ہے
تواضع سے ملک دل آباد ہو تواضع سے اندوگیں شاد ہو
تواضع سے بدخواہ ہو نیک خواہ تواضع سے گمراہ ہو اہل راہ
تواضع سے ہو سرد نار غضب فردا اس سے ہوئے شرار غضب
تواضع سے حاصل ہو حق کی رضا تواضع سے ہو دور رنج و بلا

(ص ۱۰۵)

مجموعہ صفات انسانی: جس کو لالہ لعل جی صاحب نے سری بیدریاس جی

موت اپنے بچے میں پھنساتی ہے وہ نادان اپنی بے وقوفی پر پھٹپٹا کر کھٹ
افسوس ملتا اور گئے وقت کو یاد کرتا ہوا اس جہاں فانی سے کوچ کرتا ہی
پس علم پڑھنے اور دانائوں کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ پھل ہے کہ ابتداء سے

موت کو یاد کر کے زاد راہ کی فکر رہے اور یاد الہی سے غافل نہ رہے۔۔۔۔۔“ (ص ۱۲۸)

(۹) سادھو کی صدا: ”مذہب، اخلاق و طرز تمدن کے متعلق چند مفید سبق“، مولفہ بابو
شیو برت لال ورم، راجپوت پرنٹنگ ورکس، لاسپور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۰۴۔ آخر کے
چند صفحات غائب۔

(۹) گلدستہ ہدایت :- مولفہ لالہ شنکرا داس۔ میکی پریس، گوجرانوالہ ۱۹۱۰ء ص ۲۳۲

اس کتاب میں قصے کہانیوں کے ذریعے سے مختلف اخلاق کی تعلیم دی ہے۔

(۱۰) اخلاق برج باشتی :- حصہ اول۔ مولفہ رائے برج باسی لال۔ گیان پریس،
گوجرانوالہ ۱۹۱۰ء بڑی تقطیع۔ ص ۵۹۔ دیباچے کی مقفی و مسموع عبارت قابل ملاحظہ کی

”ہوالغنی“

”شکر اور احسان ہے اس بادشاہ کا جس کا حکم کل زمین و آسمان اور

جہاں و جہانیاں پر ظاہر ہے، اور جس کی سلطنت کی حدود انتہا کا بیان

زبان انسان اور قلم و زبان سے باہر ہے۔ آبادی بایں تمادی کے تمام

خلایق جن و ملائک اور انسان و حیوان کا شمار نہیں، اور جانور و سان

درند و گزند اور چرند و پرند کا کچھ حصار نہیں۔ انتظام بایں خوبی انظر

بحر و برادر کوہ و شجر سب اپنی اپنی جگہ پر برقرار ہیں، اور شمس و قمر

اور کوکب و اختر سب زیر و زبر و روشنی کے آثار ہیں۔ عدل و انصاف

نہایت صاف کہ گونا گوں صورت اور سیرت آدمیوں کے دیدار اور

کہار سے دکھائی دیتی ہیں، اور بول و قلمیوں شکل اور شمائل جانوروں کی

ایام قحط سالی کے برہمن پر واجب ہے۔

۲۔ رزق کے واسطے قصہ و کہانی نہ کہتا، مثل عالم کے بسر کرنا، مکاری اور ریا اور رذالت سے محفوظ رہتا، یہ ذرائع برہمن ہیں۔

۳۔ اگر وہ خوشی چاہے تو قناعت میں مضبوط رہے۔ جو اس کے پاس ہے۔

اس پر کفایت کرے، کیونکہ جڑ خوشی کی قناعت ہے وجہ تکلیف کی حرص ہے (ص ۱۱)

(۴) مشعل زندگی "المعروف بہ جیل سکھشا۔ ارتھات دکھی، مالوس اورنا کامیابیوں

سے بھلے ہوئے آدمیوں کو دلا سادیئے، ان کو کامیابی کا راستہ دکھائے، اور نوجوانوں کی بھل

زندگی کو روشن اور مفید بنانے اور زندگی کی شکلات کو حل کرنے کے لئے مفید ترین ہدایات

کا مجموعہ، مولفہ پروفیسر جگدیش متر درما۔ مطبوعہ مرکزی اٹل پریس، لاہور ۱۹۱۶ء ص ۱۹۲۔

(۵) معدن اخلاق :- حصہ اول و دوم۔ مولفہ منشی جتیر بھوج سہائے بھارگو۔ مطبوعہ

گیان پریس، گوجرانوالہ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۲۶۷۔ نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ بادامی بانسی

کاغذ پر چھپا ہے۔

مولف کو اردو زبان پر اچھی قدرت معلوم ہوتی ہے۔ عبارت مندرجہ ذیل سے

اس کا اندازہ ہوگا :-

”عقل مندوں کی رائے میں مردم ناسپاس سے سگ حق شناس بہتر

ہے۔ پس انسان کو بھی اپنی اصلیت پہچان کر ہمیشہ شکر گزاری کرنا چاہیئے

نفس پروردی سے ہنر پروردی دشوار ہے۔ خلاصہ یہ کہ نفس امارہ کی طاقت

قبول کرنا انسانیت سے گزر جانا ہے جو شخص گرفتار دام محبت اشیائے

فانی ہے۔ اس کی یہ حالت رہتی ہے کہ کبھی تو دنیا کی نعمتیں پا کر مغرور اور

خافل ہو جاتا اور کبھی یہ سبب تنگ دستی کے انوس باہر ارمان کی کے

غم کھاتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں غریبی ہو جاتی ہے۔ اخیر میں جب

کے مضامین بھی نقل کئے ہیں۔ اس کا مقدمہ ہندوستان کی موجودہ صورت حال کے لحاظ سے قابلِ غور ہے۔ پنڈت سری کرشن لکھتے ہیں :-

”راقم نے کتب شرعی اہل ہندو و اسلام و عیسائی و دیگر کتب علماء سے چند مسائل اس غرض سے اس کتاب میں یکجا کئے ہیں تاکہ دوستوں کو ان امور مذہبی کی آگاہی بلا وقت ہوسکے جو واسطے درستی اخلاق کے ہر انسان کو جاننے لازم ہیں۔ جس وقت کہ ان مسائل کو مختلف مذہبوں کی کتب سے یکجا کر کے ایک مقام پر دیکھا جاتا ہے اس وقت باہم کالفاق جو مختلف فرقوں میں اہل ہند کے واقع ہے بے بنیاد محض پایا جاتا ہے۔ اس کتاب کی سیر کرنے سے ہر شخص صاحبِ فہم کہہ سکتا ہے کہ اصل میں کوئی وجہ نا اتفاقی نہیں ہے۔ ہر طریقے میں مسائل درستی اخلاق ایسے عمدہ طور پر لکھے گئے ہیں کہ کوئی اس میں اختلاف نہیں کر سکتا ہے حتیٰ کہ بعض مقام پر لفظ بہ لفظ مسائل مطابق ہوتے ہیں خیرات کرنا، نیکی کرنا، کسی سے بدی نہ کرنا، غصہ نہ کرنا، دنیا کی لذات میں گرفتار نہ ہونا، تحصیلِ علم کرنا، حیات کو بے ثبات تصور کرنا، خدا کو برحق سمجھنا، فرائض مذہبی کو انجام دینا، راست بازی، ہر مذہب میں لکھا ہے۔ اگر ان اوراق چند سے جو واسطے ملاحظہ اپنے دوستوں کے میں پیش کرتا ہوں۔ بنیاد اس اتفاقِ باہمی کی قائم ہو جس کی ہندوستان میں نہایت درجہ ضرورت ہے، اور باہمی تفرقہ و نفسانیت رفع ہو تو راقم کو مسرت بے انتہا حاصل ہوگی۔“

باب چہارم میں برہمنوں کے اخلاقی بیان کرتے ہیں :-

”۱۔ کسی کو ضرر نہ پہونچانا۔ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم جانداروں کو ضرر پہونچانا۔ طریقہ معینہ شرع کے ذریعہ سخت سے رزق بہم کرنا سوائے

”قطرہ آب آہن گرم پر چڑ کر اک دم میں خشک ہو جاتا ہے، اور برگ نیلوفر پر دائہ در کی طرح خوشنما نظر آتا ہے، اور دہن صدف میں قطرہ ابر نیل گر کر شاہوار و تھیم بن جاتا ہے۔ حاصل آنکہ ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ ہر شے درجہ محبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ (ص ۱۲)

”خواہ بھر عینق میں غوطہ زن ہو، خواہ کسی کوہ بلند کی چوٹی پر جا بیٹھو، خواہ کسی جنگ عظیم میں دشمن پر فتح یاب ہو، اور خواہ کاروبار زراعت و دیگر شے مثل تجارت و ملازمت وغیرہ میں مبتلا رہو، خواہ ہو ایں مثل پرندوں کے باقیہذا رہو شیاری کمال پر از کرتے پھرو، امرشدنی کہیں بھی ٹل نہیں سکتا، اور جو ناشدنی ہے وہ کہیں ہو نہیں سکتا۔“ (ص ۱۸)

(۲) بھرتری ہری شتک :- مترجمہ بابو راجیشور ناتھ زیبا۔ امرت الکھلک پریس، لاہور سنہ درج نہیں۔ ص ۸۰۔

یہ بھرتری ہری کی مذکورہ بالا کتاب کا دوسرا اردو ترجمہ ہے۔

(۳) گلدستہ تہذیب :- مولفہ بالوکالی چرن۔ روہیلکھنڈ لطیری سوسائٹی پریس بریلی، ۱۸۶۹ء۔ ص ۸۰۔

اس میں تہذیب اخلاق پر متعدد اسباق ہیں۔

(۴) جوہر تہذیب :- مصنفہ رائے جواہر سنگھ صاحب جوہر و کٹوریہ پیپر پریس، سیانکوٹ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۶۔

یہ ایک منظوم رسالہ ہے جس میں اچھے اخلاق کے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نظمیں کوئی خاص خوبی نہیں۔

(۵) طاسم اخلاق :- مولفہ پنڈت سری کرشن۔ مطبعہ نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۸۶ء۔ ص ۶۲۔ اس کتاب میں مولف نے ہندوؤں کے مذہبی اخلاق کے علاوہ اسلامی اور مسیحی اخلاق

کرنا، جتو سے شاخ خراب دستیاب ہو جانا ممکنات سے ہیں۔ ولے کم عقل
 دنیا پرست کے دل کو جو کند حرص دہوا میں گرفتار ہے آزاد کرانا محال ہے۔
 ”جو کوئی بدوں میں قطرات پند و نصائح کہ مثل آب حیات ہیں ٹپکا کر ان
 کو راہ راست اور نکوئی کی طرف رجوع کرنے کی اُمید کرتا ہے۔ وہ ناصح
 گویا فیل دماں کو رسیاں خام سے بانہ بھنا، اور لعل بدخشاں اور یاقوت
 رسانی میں سرس کے پھول کی نازک پنکھڑی سے روزن کرنا، اور بجز شہ
 کو ایک قطرہ شہر سے شیریں کرنا چاہتا ہے۔“ (ص ۳)

”لائق اور شریف بزرگوں کی مثل گل دو صورتیں ہوتی ہیں۔ یا تو نخی
 آدم کے سر پر تاج بن کر خوشنما معلوم ہوں، یا گلابن ہی میں خشک ہو کر
 غائب ہو جاویں۔“ (ص ۷)

”صیتل سے سڈول اور خرا دکیا ہوا لعل و جواہر، جنگ میں فتح یاب سپاہی
 جو جفاکشی سے لاغر ہو گیا ہو، مدہوشی کے بعد ہوش میں آیا ہوا فیل، موسم
 سرما میں جس کا پاٹ کم رہ گیا ہو وہ دریا، ماہ ہلال، نازک بدن نوخیز
 نجومیہ، اور کرم و خیرات سے مفلس ہوا سخی، ان سب کی زیبائش لاغری
 ہے۔“ (ص ۹)

”خواہ ذی علم اور نہ مند ہی کیوں نہ ہو بد سیرت کی صحبت سے بچنا ہی
 درست ہے۔ غور کرو کیا بیش قیمت مہر رکھنے والا افعی خوفناک نہیں
 ہوتا،“ (ص ۱۰)

”صاحب دلوں کا دل آسودگی کے زمانے میں تو یا سمن سے بھی نازک تر
 ہوتا ہے، ولے ایام مصیبت میں سنگلاخ سے بھی سخت تر ہو جاتا ہے۔“ (ص ۱۰)

علہ اقبال نے اسی قول کا مفہوم اس شعر میں ادا کیا ہے جو بال جبریل کے شروع میں درج ہے۔
 پھول کی تہی سے کٹ سکتا ہی ہرے کا جگر ۛ مودنا داں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اصل سنسکرت کتاب ”بھرتی شتک“ سے کیا گیا ہے۔

بھرتی ہری، اُجین کے راجہ تھے۔ ایک خاص واقعے کا اثر ان کے دل پر اتنا شدید ہوا کہ وہ سخت و تاج سے دست بردار ہو کر فقیر ہو گئے۔ مترجم لکھتا ہے کہ:-

”وہ واقعہ یہ تھا کہ ان کو ایک فقیر نے ایکسچینج دیا اور یہ کہا کہ اس کے کھانے سے ساری بیماریاں دور ہوں گی۔ راجہ نے تجت کے مارے وہ پھل اپنی رانی کو دے دیا۔ رانی کی آشنائی کو تو ال سے تھی۔ اس نے اس کو وہ پھل دے دیا۔ پھر اس کی بھی ایک رنڈی سے آشنائی تھی۔ اس نے اس کو دیدیا۔ رنڈی نے اس خیال سے کہ ہمارا راجہ بڑا نیک ہے پھر لا کر وہی پھل راجہ کی نذر کیا۔ اس کو دیکھ کر راجہ کو گیان ہوا اور اس نے یہ فقرہ جو اگلے صفحہ پر ہے کہتے ہوئے دینا ترک کر دی۔ (ص ۱)

جس فقرے کا حالہ دیا گیا ہے وہ پہلے باب کا دوسرا مقولہ ہے، اور یہ ہے:-

”لعنت ہے اس جو بد پر جس کی ہمت اور پاکدامنی پر اعتماد کرا رکھ کر اپنا دل دجان و مال سب نثار کر دیا تو بھی اغیار سے ملنے کی تمنا رکھی اور لعنت ہے اس بد بخت پر کہ جس پر ایک مہارانی خود فدا اور عاشق ہے، وہ مٹلن رہ کر ایک زن بازاری کے عشق میں ہے۔ اور نفرت میں ہے اُس ارباب نشاط پر جس نے اپنے ایسے طالب کو چھوڑ مجھے چاہا۔ اور ہزار ہزار لعنت ہے خود بھانڈے بد بخت پر کہ پھر بھی ایسی دم باز جو رو کے پھندے میں پھنسا کر خوش رہتا ہوں۔ اور بہتر لالچ ہے اس مردود نفس شیطان پر کہ جو یہ سب فعل مذموم کرتا ہے۔“ (ص ۲)

بھرتی ہری کے حکیمانہ اقوال میں سے چند نمونے کے طور پر یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

”کو شمش و تدا بیر سے ریگ میں سے رغن برآد کرنا، سراب سے آب نوش

فلاسفی پر زور دیا گیا ہے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ گو ”کرتنا ازم“ کسی خاص مذہب کا نام نہیں جس کو کرشن مہاراج نے چلایا، مگر اس میں کلام نہیں کہ لشکام دھرم کا جس قدر پرورش اُپدیش کرشن مہاراج کے کلام میں ملتا ہے اسی قدر زور و شور سے اس کی تلقین دیگر رشیوں اور مُنیوں کے کلام میں نہیں ملتی۔ بھگوت گیتا کے مختلف ادھیائے گو مختلف مضامین پر جاوی ہیں، لیکن سب کا خاتمہ لشکام دھرم کی تعلیم پر ہوتا ہے۔ مہا بھارت میں بھی کرشن مہاراج کے مختلف اقوال میں لشکام دھرم سب پر دھان ہے۔ ان کی ہر ایک تقریر کا لب لباب یہی ہے.....“ (ص ۲۰۶)

(۱۵) پریم ساگر منظوم :- از شنکر دیال فرحت۔ مطبع ثمر سند (مقام درج نہیں) ششہ ص ۵۹۔

(۱۶) پوتھی موکش گیان :- مولفہ جے گوپال۔ مطبع ذل کشور، لکھنؤ ششہ ص ۲۰۔ اس مختصر رسالے میں موکش یعنی نجات حاصل کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

پیرایہ سوال و جواب کا ہے۔

خلاص مذہبی کتابوں کے علاوہ ہندوؤں نے اپنے مذہبی اخلاق پر بھی بہت سی کتابیں اردو میں لکھی ہیں۔ ذیل میں صرف ان کتابوں کا ذکر ہے جو مجھے دستیاب ہو سکیں۔

(۱) بھرتری شتک :- مترجمہ بابو جگ بنس رائے۔ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ ششہ ص ۵۹۔

اس کتاب میں تین باب ہیں۔ پہلا اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے اور اس میں بھرتری ہر کے ایک سو گیارہ اقوال درج ہیں۔ دوسرے باب میں عاشقانہ مضامین پر ننانوے کہاوتیں ہیں، اور تیسرے میں جو ہر سے متعلق ہے ایک سو گیارہ مقولے ہیں۔ ترجمہ بھرتری ہری کے

(۱۲۴) مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم :- از لالہ لاجپت رائے، مطبوعہ ہندوستانی برقی پریس، لاہور، سن ۱۹۲۳ء۔ ص ۲۲۳۔

اس کتاب کا حالہ دوبار پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں سری کرشن کی تعلیم کو بیان کرتے ہوئے مولف نے ”کرشنا ازم“ کی اصطلاح پر اعتراض کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سری کرشن نے کسی مذہب کی بنیاد نہیں رکھی۔ وہ لکھتے ہیں :-

”یہ لفظ ان انگریزی خواں ہندوؤں کی ایجاد ہے جو باوجود اپنی انگریزی تعلیم کے پورا تک ہندومت کے اس حصے کے قائل ہیں جس کو ہندوؤں کی بول چال میں ویشنو دھرم کہا جاتا ہے۔ شاید ساری سنسکرت لٹریچر میں کوئی لفظ ایسا نہیں ملے گا جو مذہب عیسوی، مذہب محمدی اور بودھ دھرم کی طرح کرشن کے نام کے ساتھ کسی مذہب یا دھرم کا سمبندھ ظاہر کرتا ہو۔ کرشن کے انگریزی خواں مداحوں نے سنسکرت لٹریچر کی اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش میں کرشن کے نام پر ایک مذہب کی بنیاد ڈالی ہے جس کو ”کرشنا ازم“ کہہ کر پکارتے ہیں، ورنہ سنسکرت لٹریچر کے مطالعے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن نے نہ تو کسی مذہب کی بنیاد ڈالنے کا دعویٰ کیا اور نہ اس نے کسی ایسے مذہب کی تعلیم دی جو مناسب طور پر اس نام سے منسوب کیا جاسکے..... پراچین ہندومت میں اعلیٰ ترین خوبی یہی ہے کہ اس کی بنیاد کسی انسان کی تعلیم پر نہیں۔“ (ص ۲۰۳)

”خلاصہ کلام یہ کہ ہماری رائے میں کرشن مہاراج نے کوئی دھرم نہیں چلایا جس کو ہم ان کے نام سے منسوب کریں، اور اس لئے لفظ ”کرشنا ازم“ کا اطلاق ان اپدیشیوں پر ہے جو کرشن مہاراج نے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ارجن اور دیگر سمبندھیوں کو دیئے مارجن پراچین ویدک گرنٹھوں کی شکام

باب اول :- اوصاف اچار و بچار و نیم و دھرم و غیرہ

باب اول :- اوصاف چاروں ویدوں وغیرہ اور چاروں برن اور چاروں آسرم وغیرہ

باب سوم :- اوصاف گیان و دھیان وغیرہ

(۱۳) جیون چتر سوامی رام کرشن پر مہنس :- جس کو کار پر دازان پستک بھنڈار، لاہور

نے پروفیسر میکس مولر کی انگریزی تصنیف (LIFE AND TEACHINGS OF

SWAMI RAM KRISHNA PARMA HANS)

اور چند مستند بنگالی تصانیف سے اقتباس کر کے گردھرا سٹیم پریس، لاہور میں چھپوایا، ۱۹۲۵ء

ص ۱۴۹-

سری رام کرشن کی تعلیمات زیادہ تر ان کے اقوال میں پیش کی گئی ہیں جن میں سے

بعض یہ ہیں :-

”جب تک شہد کی مکھی کنول کے باہر پھرتی ہے اور شہد کا منہ چکھانیں ہوتا

تب تک وہ ہوں ہوں کرتی رہتی ہے۔ لیکن جب وہ کنول کے اندر بیٹھ کر

امرت پینا شروع کر دیتی ہے تو بالکل خاموش ہو جاتی ہے اسی طرح آدمی

جب تک مسئلہ مسائل کے بحث مباحثہ میں الجھا رہتا ہے تب تک اس کے

حقیقی ایمان کا امرت (آب کوثر) چکھانیں ہوتا۔ لیکن جب وہ آب کوثر

کو منہ لگا لیتا ہے تو پھر خاموش ہو جاتا ہے“ (ص ۷۰)

”جس عورت کا ایک بادشاہ عاشق ہو وہ ایک ٹکڑا گدا کی محبت قبول

نہیں کرتی۔ اسی طرح جس روح نے خدا کی نظر عنایت حاصل کر لی ہے اسے

دنیا کی خفیف چیزوں کی حاجت نہیں رہتی۔“ (ص ۷۱)

”عابد کی طاقت کیا ہوتی ہے؟ وہ خدا کا بیچہ ہوتا ہے اور انسانو اس کی

زبردست طاقت ہوتے ہیں“ (ص ۷۳)

جگیا سو کو اس کے سوالات، میں کون ہوں، یہ کیا ہے اور کیوں ہے، زندگی کے کیا معنی ہیں، کا جواب دیا گیا ہے۔ جگیا سونے جان لیا ہے کہ وہ خود جسم، طاقت یا خیال نہیں، بلکہ آتما (ذات) ہے۔ اس کا اپنا آپ عین ہستی، عین علم اور عین سرور ہے۔ اس کا بیونا ہی اور سب کچھ ہونے کی شرط ہے، اور اس کا جاننا ہی سب کچھ جاننے کی شرط ہے، اور اس کا جاننا ہی اور سب کچھ جاننے کی شہادت ہے۔ اس کی ذات میں غیر محدود ارادت، طاقت، زندگی، حکمت، حسن، محبت، پاکیزگی اور سرور کے خزانے موجود ہیں.....

یہ سارے بھید کھل جانے پر جگیا سو کے وجود کا عملی پہلو سوال کرتا ہے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا صرف آتما جان کر چوٹی ہوئی کہیں آتما ہوں، سارا جگت میرا سو بھادوک چمتکار ہے، اور جگت میں ہر ایک جزو اپنے گل کے لئے جیتا ہے جو روشنی طاقت میں تبدیل نہیں ہو سکتی وہ ہر سرور دھوکا رہی ہے، اور جو علم اپنا عملی پہلو نہیں رکھتا وہ بھی بے سود دل لگی کے سوا کچھ نہیں۔ واقعی روشنی میں رنگ اور طاقت دونوں موجود رہتے ہیں۔ اسی طرح وہی گرہ سچا گیان ہے جو بھادو (جزیے) اور کرم (مخل) میں ظاہر ہو ورنہ وہ زندہ گیان نہیں بلکہ اس کی بے جان اور بھیک سی تصویر ہے، آتما گیان صرف دماغی شے نہیں بلکہ وہ زندہ روشنی ہے جو دماغ سے گزر کر دل کو آباد کرتی ہے، اسے عالم گیر محبت، کامل پاکیزگی، بید نیکی، اتناہ، یرد باری اور غیر ذاتی مقرر کے رنگوں سے رنگ دیتی ہے، اور پیٹھوں کے اندر عملی طاقت کی وہ بجلی بھرتی ہے جس کی طرف آسمانی بجلی بھی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتی۔ (ص ۶۲-۶۰)

(۱۲) پوتھی گیان پر کاش۔ مولفہ منشی گلزاری لال۔ مطبع نول کشور لکھنؤ۔ بار دوم ۱۳۵۰
ص ۷۰۔ یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے:-

(۷) گیتا مہاتم منظوم :- از منشی رام سہلے تمنا۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ بار دوم ۱۸۷۵ء
ص ۲۶۔

اس میں ”بھگوت گیتا“ کے پڑھنے کا اثر مختلف کہانیوں میں بیان کیا ہے یعنی گیتا کے پڑھنے سے لوگوں کو دنیا میں کیسے کیسے فائدے پہنچے اور کس طرح بڑی بڑی مصیبتوں سے نجات ملی۔

(۸) گیا مہاتم۔ مترجمہ منشی لال جی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ بار دوم ۱۸۷۸ء۔ ص ۴۸۔
اس میں گیا کے تیرتھ کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

(۹) لودھی شرمہاتم :- مترجمہ منشی کنور بہادر۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۸۷۸ء۔ ص ۴۱۔
عبارت میں بھاشا کے الفاظ زیادہ ہیں۔

(۱۰) شری وگیان کرشنائن :- مولفہ بابوشیو برت لال درمن۔ آریہ ایسٹیم پریس، لاہور
ص ۴۳۲۔ سنہ درج نہیں۔

اس کتاب میں شری کرشن جی کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کا بیان ہے۔
جگیا سو، سوال کرتا ہے اور شیو، اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہاں شیو سے مراد خود مولف کتاب
یعنی شیو برت لال درمن ہیں۔

(۱۱) پورن دھرم :- مولفہ پنڈت نرمل چندر۔ پرکاش ایسٹیم پریس، لاہور۔ ص ۱۹۰۔ سنہ
طباعت درج نہیں۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں، گیان یوگ، بھگتی یوگ، کرم یوگ۔ یہ جلد گیان یوگ
پر ہے۔ اس کی عبارت بہت شستہ ہے۔ نمونہ مندرجہ ذیل ہے :-

”اتم سادھن

مجھے کیا کرنا چاہئے۔

”اب تک اتم گیان (ویدانت) کے صرف علمی یا نظری پہلو پر بحث کی گئی ہے۔

ہندو مذہب کی متفرق کتابیں | ہندو مذہب کی اہم ترین کتابوں کے علاوہ جن کی اردو عبارتوں کے اقتباسات پیش کئے جا

چکے ہیں اور کتابیں بھی نظر سے گزریں۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے:-

(۱) شری مد بھاگوت :- مترجمہ منشی سوامی دیال کالیستھ۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ بار دہم ۱۹۲۳ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۶۸۸۔ اس ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۴ء میں نکلا تھا عبارت میں بھاشا کا عنصر غالب ہے۔

(۲) ٹیکہا سری مد بھاگوت اور کنجی موکش :- مرتبہ لالہ نین سکھ رائے۔ امپریل بک ڈپو پریس، دہلی۔ ص ۱۱۴۔ اس کتاب کے شروع کے بتیس صفحے ”کنجی موکش“ کے ہیں جس میں ہندو مذہب کی تعلیمات سوال و جواب کے طرز میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد ”سری مد بھاگوت“ کی شرح ہے۔

(۳) دسم اسکندھ :- سری مد بھاگوت منظوم، از منشی سردار سنگھ نسیم۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۶ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۳۷۴

(۴) بھگوتی اتھاس بہ ترجمہ دیوی بھاگوت۔ از پنڈت پیارے لال کشمیری۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۷ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۵۸۵۔

(۵) بشن سہسرتام سٹیک :- مصنفہ بیاس جی۔ مترجم کا نام درج نہیں۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۳ء۔ ص ۱۴۰۔

اس کتاب میں الیشور کی دعائیت اور اس کی ذات و صفات سے متعلق سنسکرت اشلوک درج کر کے اردو میں ان کی شرح کی گئی ہے۔

(۶) بیداستت :- ”جو سری مد بھاگوت کے ادھیائے ۸۸ میں درج ہے“ مترجمہ لالہ بیدل سنگھ۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۸ء۔ ص ۳۲۔

اس مختصر رسالے میں سنسکرت عبارتوں کے ساتھ ان کی شرح اردو میں لکھی ہے۔

تو نتیجہ برعکس ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے ہر ایک کام کے نتیجے کو ٹھیک طور پر حاصل کرنے کے واسطے ہر ایک چیز کے عمل کو صحیح طور پر کرنا ہو اور عمل کو صحیح طور پر کرنے کے واسطے علم کا صحیح ہونا لازمی ہے۔ جہاں علم میں غلطی ہوگی۔ وہاں سب نتائج غلط ہوں گے۔ اس واسطے انسان کا فطرانِ علی یہ ہے کہ وہ ہر ایک عمل سے پہلے صحیح علم کے وسائل مہیا کرے۔ کیوں کہ جس صراف نے سونے کے امتحان کے واسطے محک یعنی کسوٹی کو حاصل نہیں کیا اور وہ اس کو مثل میں لانے کے طریق سے ناواقف ہے، وہ صرف نہ تو اپنے بیوپاریں فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ وہ صرف کہلانے کا مستحق ہے..... اس طرح پر انسان اپنے آتمک فرائض کو پورا کرنے کے واسطے اگر بغیر تحقیقات کے کام کرے گا تو ضرور اُسے تکالیف کا سامنا ہوگا اور اگر تحقیقات کر کے کام کرے گا تو ملتی حاصل کر سکتا ہے۔ اور انسان کو تحقیقات کے سامان بہم پہنچانے کے واسطے یہ نیائے شاستر سبب ضروری سادھن ہے۔ جو شخص نیائے شاستر سے ناواقف ہے وہ کسی چیز کی بھی ماہیت کو ٹھیک طور پر نہیں جان سکتا۔ اور جو شخص اس نیائے شاستر کو پورے طور پر سمجھ جاوے تو کوئی انسان خواہ کتنا ہی چالاک ہو اس کو دھوکا نہیں دے سکتا، اور مذہبی اور علمی مباحثوں میں جو باتیں عوام کی نظر میں بہت مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ وہ اس علم کی ماہیت جاننے والے کے واسطے بہت ہی آسان معلوم ہوتی ہیں، اور جن سوالوں کا عقلی جواب دینے میں دنیا کے بڑے بڑے مذہب گہراتے ہیں اس فلاسفی کا جاننے والا آسانی سے اس کو بتلا سکتا ہے۔“

کے لئے ان مصائب کا دفیعہ کر دیا جائے۔ مگر اس سے کبھی اطمینان نہیں ہوتا
اول تو وہ شکایتیں ہمیشہ کے لئے دور نہیں ہو سکتیں، دوسرے ان کے پھر
بار بار ہو جانے کا احتمال ہوا کرتا ہے۔ ان سے قطعی نجات یا ناصرف گیان
سے ممکن ہے، اور وہ گیان پورش، پر کرتی، مادہ، عناصر وغیرہ کا سچا علم ہے۔

(۲) نینائے درشن :- مترجمہ سوامی درشتاندر۔ مطبوعہ رہبر پریس، مراد آباد ص ۳۸
سنہ درج نہیں۔

اردو ترجمہ سوال و جواب کے پیرائے میں ہے۔ اصل کتاب کا یہ طرز نہیں سنسکرت
عبارتیں جو ترجمے کے ساتھ دی ہوئی ہیں بہت مختصر ہیں۔ دیباچے میں مترجم نے نینائے درشن
کی غرض و غایت اس طرح سمجھائی ہے :-

”ہر ایک آدمی جو دنیا میں موجود ہے ہمیشہ دکھ اور سکھ محسوس کرتا ہے، اور
سب کی کوشش یہ ہے کہ وہ دکھ سے چھوٹ کر سکھ حاصل کرے۔ لیکن
باوجود سکھ کی خواہش اور دکھ سے نفرت کے نہ تو ہر ایک کو سکھ حاصل ہے
اور نہ ہی دکھ سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ اس عجیب حالت کو دیکھ کر
کہ سکھ کو حاصل کرنے اور دکھ سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ ناکامیابی
کیوں ہوئی جب اس کے اسباب کی تحقیق کی جاتی ہے تو پتہ لگتا ہے کہ
انسان کی ساری طاقتیں محدود ہیں۔ اس واسطے اس کا علم بھی محدود ہے
اس کا تعلق جو اشیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ بذریعہ حواس یا من کے ہوتا
ہے، اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ان ادزاروں سے معلوم نہیں ہوتیں
اس واسطے تیسری چیز معلوم کرنے والی عقل ہے۔ اگر ان تینوں چیزوں میں
سے کسی میں فرق آجائے تو گیان میں ضرور فرق آجائے گا اور جہاں
گیان میں فرق ہوگا۔ وہاں عمل بھی غلط ہوگا۔ اور جہاں عمل میں غلطی ہوئی

ایک کتاب ملی ہے۔

۱) سانکھ فلّاسفی :- مولفہ بابوشیو برت لال درمن - مطبع سیتہ دھرم پرچارک جالندھر - ص ۹۰۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے دیباچے کا ایک اقتباس ابھی پیش کیا گیا ہے۔ سانکھیہ کے اصول کی توضیح کرتے ہوئے بابوشیو برت لال لکھتے ہیں :-

”سانکھیہ کی تعلیم کے بموجب ہر قسم کی تکالیف و مصائب سے نجات پانا جیوا آتما کا فرض عین اور اعلیٰ مقصد ہے۔ اور سانکھیہ اس تدبیر کی اشاعت کرتا ہے جس سے یہ حالت انسان کے جیتے جی یا موت کے بعد حاصل ہو جائے۔ تین قسم کے دکھوں کے نام ادھیاتک، ادھ دیوک، ادھ بھوٹک ہیں۔ پہلی قسم میں جملہ امراض جسمانی، قلبی، و غلیات نفسانی وغیرہ شامل ہیں اور اپنی خاص ذات سے متعلق ہیں۔ باقی دو قسم کے دکھ خارجی ہیں اور خارجی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ عناصر، سورج وغیرہ کی حرارت، تمازت، رعد وغیرہ کی گرج سے جو دکھ ہوتے ہیں وہ ادھ دیوک، اور جانور، حشرات الارض وغیرہ سے جو تکالیف پیدا ہوتی ہیں وہ ادھ بھوٹک کہلاتی ہیں۔ ان سب مصائب سے نجات پانا آتما و سرور کی حالت ہے۔ کپل اور ان کے پیروکاروں نے تلقین کیا ہے کہ صرف سچے گیان سے نجات مل سکتی ہے۔ ان کی سمجھ میں خارجی تدابیر قابل اطمینان نہیں ہیں۔ ان شکایتوں کے دفعے کی دو تدبیریں ہیں۔ ایک ظاہری، دوسری شرعی۔ ظاہری تدابیر میں ہر طرح کے معالجات، ضروری پرہیز اور لوازمات کا شمول ہے۔ شرعی تدابیر شریعت کے اراکین کے انجام دینے سے مراد ہے۔ یہ ہر دو طریقے غیر مکمل و ناقص ہیں۔ ممکن ہے عارضی طور پر کچھ عرصے

۸۔ اور اس کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اپنے بدن سے ایک قسم کی خلقت پیدا کرنی چاہئے۔ تو اس نے پہلے پانی یعنی رچ کو پیدا کیا۔ پھر اس پانی میں بیج ڈالا۔

۹۔ تب وہ بیج مثل طلا و آفتاب کے بصورت ہیرا کی گولائی کے انداز میں گیا۔ پھر اس سے برہما بھی یعنی دیدوں کے جاننے والے ابو ج رشی جو تمام مخلوقات کے پیدا کرنے والے ہیں۔ آپ سے آپ پیدا ہوئے، (ص ۱-۲)

درشن یعنی کتب فلسفہ حقیقتہ مذہبی کتابوں میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن ان کا شمار مذہب کی معقولات میں ہوتا ہے۔ ہندو مذہب کا بنیادی اصول موکش یعنی نجات ہے۔ اسی منزل تک پہنچنے کے لئے عمل (کرم)، علم (گیان)، اور محبت و عقیدت (بھگتی) کے تین راستے اختیار کئے گئے۔ ہندو حکما منقولات کو اس مقصد کے لئے کافی نہ سمجھ کر معقولات کی طرف متوجہ ہوئے، اور انھوں نے مسئلہ نجات کی فلسفیانہ تشریح کر کے اس کے حصول کے طریقے بتائے۔ لیکن چونکہ عقلی مباحث میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہوتی ہے اس لئے ہندو فلسفے کے بھی مختلف اسکول یا مذاہب قائم ہو گئے۔ ان میں سے چھ جو کھٹ درشن کہے جاتے ہیں زیادہ مشہور اور مستند ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ میمانسا مرتبہ جیمینی
- ۲۔ ویشیشک " کنا دیشی
- ۳۔ مینائے " گوتم
- ۴۔ سانکیہ " کیل
- ۵۔ یوگ " پتینجلی رشی
- ۶۔ ویدانت " ویاس

بایو شیویرت لال درمن اپنی کتاب "سانکیہ فلاسفی" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:-

(۴) منو سمرتی۔ مترجمہ مارٹر آتمارام۔ مطبوعہ واشنگٹن پریس، لاہور۔ ص ۲۸۸ سنہ طباعت درج نہیں۔ اس کے ابتدائی حصے کا اقتباس حسب ذیل ہے، اس سے برہما جی کی پیدائش کا حال معلوم ہوتا ہے:-

۱۔ منوجی بخاطر جمع بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کے آس پاس بڑے بڑے رشی لوگ آئے اور باہم ادب آداب کے بعد یہ بات کہی کہ

۲۔ ہے بھگوان، سب درنوں اور درن شنکر دن کا دھرم ٹھیک ٹھیک ہم سے کہئے، کیونکہ

۳۔ اے پرکھو، خیال سے باہر اور لامحدود اور قدیم وید میں بیان کئے ہوئے جو بہت طرح کے کرم ہیں ان کے اصل مطلب کے جاننے والے ایک آپ ہی ہیں۔
۴۔ جب ان ہاتماؤں نے اس طرح سے اس نورانی صورت مہاتما سے پوچھا تب سری منوجی نے ان سب رشیوں کی پوجا کر کے کہا کہ سنئے:-

(نوٹ:- منوجی کی رشی یوجن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مکان پر آئے ہوئے چھوٹے کا بھی یوجن ہوتا ہے)

۵۔ یہ سب جگت پہلے پر کرتی یعنی جزو لا تجزئی کی حالت میں چھپا ہوا تھا، اور اس کا کچھ علم و نشان نہ تھا اور نہ دلیل سے معلوم ہو سکتا تھا۔ خواب کی سی حالت میں تھا۔

۶۔ اس کے پوشیدہ دلائل و احوال قوت رکھنے والے اور اندھکار کا ناش کرنے والے پریشور پر ماتما نے عناصر اور سائیکلیک یعنی ماں باپ کے بغیر پیدا ہونے والے لوگوں کو پیدا کیا۔

۷۔ جو مکت جیواندریوں سے الگ دباریک و پوشیدہ و ہمیشہ بے فکر و سب مخلوقات کی جان ہے۔ آپ سے آپ سائیکلیک شریروں میں داخل ہوئے۔

۲۔ اے بھگوان، سب ورنوں اور درن شنکروں کے دھرم کو ٹھیک ٹھیک ہم سے کہئے۔ کیونکہ۔

۳۔ اے پرکھو، اچنت و سجد وقاریم ویدیاں بیان کئے ہوئے جو بہت طرح

کے کرم ہیں اُن کے اصل مطلب کو جاننے والے ایک آپ ہی ہیں۔“ (ص ۱۱)

(۳) منو سمرتی: مترجمہ گرپارام شرمہ جگرانوی۔ مطبوعہ ویدک دھرم پریس، دہلی ص ۴۹۲ سنہ درج نہیں۔

یہ ترجمہ متن کے ساتھ ہے اور کہیں کہیں نوٹ بھی دے دئے ہیں۔ عبارت میں نسبت سابق دو ترجموں کے زیادہ سلاست اور شستگی ہے مثلاً

۱۔ دھرم کے مطابق چلنے والے مرد و عورت کے وصل اور جدا ہونے کے قدیم

طریقوں کو بیان کرتے ہیں کہ کس وقت عورت کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے

۲۔ رات دن عورت کو پتی کے ذریعے سے بے اختیار رکھنا چاہئے، اور جو

عورت دشے کی خواہش رکھتی ہو اس کو بالکل آزادی نہ دینی چاہئے بلکہ وہ

مالک کے ساتھ رہے۔

۳۔ لڑکپن میں باپ اور جوانی میں شوہر اور بڑھاپے میں بیٹا عورتوں کی حفاظت

کرے، کیونکہ عورتیں خود مختار ہونے کے لائق نہیں ہیں۔

۴۔ کینا دان کے وقت کینا کو نہ دیوے تو باپ اس کا پاپی ہوتا ہے، اور

حیض سے فراغت ہونے پر شوہر اس سے جماع نہ کرے تو وہ پاپی ہوتا ہے

اور بچا لیت و فاق شوہر کے بیٹا اپنی ماں کی حفاظت نہ کرے تو وہ پاپی ہوتا ہے۔

۵۔ تھوڑی صحت سے بھی عورتوں کی حفاظت کرنا چاہئے۔ عورتیں غیر محفوظ رہنے

سے دونوں گُل دیہنی خاندان شوہر و خاندان والدہ کو رنج پہنچاتی ہیں۔“

(نواں ادھیائے۔ ص ۳۲۷)

کنٹھ مالا بنا کر روحانی زندگی کا سرور حاصل کریں گے اور بچے بھی اس کے
سبق سے بہرہ ور ہو کر گمراہی و بربادی دھرم سے محفوظ رہیں گے۔

.....
اس انتخاب میں یہ بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جو اشلوک کسی خاص
فرقے کے متعلق تھے وہ یہ لحاظ فرج خصوصیت اس انتخاب میں شامل نہ
داخل نہیں کئے گئے تاکہ تمام کا فہ اعظم اہل ہندو کے جمیع فرقے اور ہر ایک
شعبہ و شاخ پیر و ان مذہب ہندو کے ممبر اس دریا ئے فیض سے یکساں
فیض یاب ہو سکیں“

مندرجہ بالا عبارت ایک ہندو پنڈت کے قلم کی ہے۔ اس مولویانہ طرز تحریر سے آج
مسلمان بھی پرہیز کرتے ہیں۔ پنڈت سند رلال نے اس کتاب کی تالیف پر جن اسباب سے
”اہل ہندو“ کی احسان مندی کا اظہار کیا ہے۔ وہ قابل غور ہیں۔ ان کے اس خیال سے تولید
کم لوگ متفق ہوں گے کہ ہندوؤں میں ایسے بھی ہیں جو بھاشا سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت
سے کسی انصاف پسند کو انکار نہ ہوگا کہ اردو کے ہندو دردا نوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے
علاوہ سیکڑوں دوسری کتابوں کے جو ہندوؤں نے اردو میں تعینف، تالیف، یا ترجمہ کر کے
شائع کی ہیں۔ منو سمرتی جیسی مذہبی کتاب کا انتخاب اردو میں تیار کرنا تاکہ ”اہل ہندو کے جمیع
فرقے اور ہر ایک شعبہ و شاخ پیر و ان مذہب ہندو کے ممبر اس دریا ئے فیض سے یکساں فیض یاب
ہو سکیں“ اور ”بچے بھی اس کے سبق سے بہرہ ور ہو کر گمراہی و بربادی دھرم سے محفوظ
رہیں“ ہندوستان میں اردو کے مقبول عام ہونے کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

ترجمے کا انداز یہ ہے :-

”ا۔ من جی سچت میٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس بڑے بڑے رش لوگ آئے
اور پرت پوجن کر کے یہ بات کہی کہ۔

ہے اور بیخ کی جڑ بے صبری ہے۔

۱۳۔ من جملہ معاش مفصلہ بالا کے کسی معاش سے اوقات گزاری کرے، اور
وید پڑھنے سے فارغ ہو کر سواترن کے واسطے اندریوں کو قابو میں لاوے
اور سورگ اور عمر اور نیک نامی کے واسطے مفید برت جو آگے کہیں گے
اس کو کرے۔“ (ص ۱۷-۱۱۵)

(۲) جگت سمرتی :- مطبوعہ مطبع بھارت، سیالکوٹ۔ ص ۱۱۵۔ سنہ طباعت درج
نہیں۔ مترجم کا نام بھی کتاب پر نہیں ہے۔ سرورق پر یہ عبارت درج ہے :- ”ترجمہ گرنٹھ
لاٹانی۔ منو سمرتی زبان سنسکرت جس کو شاہزادہ جگجوت سنگھ صاحب، خلف کنور پشوار
سنگھ، نیرہ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب سرگیاشی، والی ملک پنجاب نے بصرہ نذر کثیر
بڑے بڑے عالم و فاضل پنڈتوں سے واسطے رفاہ عام کے اصل زبان سنسکرت سے زبان
اردو میں ترجمہ کرایا۔“

یہ کتاب منو سمرتی کا پورا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کا انتخاب ہے جیسا کہ دیباچے میں
تصریح کر دی گئی ہے۔ دیباچہ پنڈت سندر لال دو بے، مالک اخبار بھارت و مطبع بھارت
کے قلم سے ہے، اس کے مندرجہ ذیل حصے خاص توجہ کے مستحق ہیں :-

”ناظرینان والا نظر پر مخفی و محتجب نہ رہے کہ جناب شاہزادہ جگجوت سنگھ
صاحب نے اس کتاب مستطاب موسوم بہ جگت سمرتی کے تالیف کرانے
سے تمام گروہ اہل ہنود پر ایک ایسا احسان بنظیم فرمایا ہے کہ جس کے بار
منت سے ہم اور ہماری آئندہ نسلیں کبھی بسکدوش نہ ہو سکیں گی، اور
اہل ہنود اس لئے کبھی تا بہ زندگی بار احسان نہ بھولیں گے کہ سنسکرت
کے نہ جاننے والے، بھاشا سے نفرت کرنے والے اور اردو کے قدر دان
اس مقدس صحیفے کو پڑھ کر اپنے دھرم و کرم میں محفوظ رہیں گے اور اس کی

منوسمرتی منوسمرتی۔ ہندوؤں کا نہایت مشہور اور مستند دھرم شاستر ہے۔ اس کا زمانہ تالیف بعض محققین کے نزدیک پانچویں صدی قبل مسیح ہے۔ لیکن پروفیسر لولر (BUHLER) کا خیال ہے کہ یہ کتاب اپنی موجودہ شکل میں دوسری صدی عیسوی کے اوائل سے پہلے موجود نہ تھی، اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ مضامین کے اعتبار سے یہ بہت کچھ اپنے سابق نسخوں سے ماخوذ ہے۔ مجھے اس کتاب کے جو اردو ترجمے مل سکے وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) منوسمرتی۔ مترجمہ سوامی دیال۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ بارششم ۱۸۸۹ء ص ۴۹۲
ترجمہ سنسکرت متن کے ساتھ ہے۔ نمونہ یہ ہے :-

”ادھیائے ۱۔ معاش و اخلاق“

۱۔ تمام عمر کے چار حصے فرض کر کے اول حصے تک گروکل میں باس کرے
دوسرے حصے تک شادی کر کے گھر میں رہے۔

۲۔ جو وجہ معاش ایسی ہے کہ حاصل کرنا اس کا بحالت عدم ایذا رسانی
جانداران یا کم ایذا دہی جانداران ممکن ہے اس سے براہمن اپنی بھر
اوقات کیے، بشرطیکہ وقت مصیبت نہ ہو۔

۳۔ اعمال نیک سے اور ایسے طریقے سے کہ جس سے بدن کو تکلیف نہ
ہو صرف اپنے کھانے بھر کو دولت جمع کرے

۱۱۔ واسطے حصول معاش کے دروغ گوئی و شیریں زبانی و منہجہ نہ اختیار
کرے۔ دروغ و فریب والی معاش کو ترک کر کے براہمنوں کی نیک
معاش سے اپنی بسر اوقات کرے۔

۱۲۔ قناعت کر کے اوقات کو قابو میں لاوے، کیونکہ خوشی کی بنیاد قناعت
لے ہندوستان کے بڑے مذاہب ”ازبائی“ ص ۳۷

منظوم گنیش کی کتھا کر حاصل ابھی نقد مدعا کر

اس کے بعد ”آوارہ ہونا راجہ جے دھشٹر حاکم ہستنا پور کا وطن سے اور تند بیہ فرمانا سری کرشن جی کا واسطے حصول سلطنت کے“ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ہر دم رہے دل کو یاد گنیت	ہر لحظہ ہو اعتقاد گنیت
تھا ہند میں اک شہر معمور	مشہور زمانہ ہستنا پور
حاکم تھا وہاں تجتہ اختہ	ذی مرتبہ راجہ جے دھشٹر
شہ زور تھے شہ کے چار بھائی	سربایہ لطف و آشنائی
جبار و جری، فہیم و بے ریلو	ارجن، نکل، اور بھیم، سہیلو
اقبال نے دفعتاً کمی کی	ادبار نے شہ کی سہمی کی
آثار خزاں چین میں آیا	خورشید فلک کہن میں آیا
کھلا جو وہ نیک بد کے چوسر	دم بھر میں حریف نے لیا زر
قسمت میں بدی ہوئی کھی خواری	دولت وہ تمام بد کے ہاری
ثروت گئی، شہ کا راج چھوٹا	دولت گئی، تخت و تاج چھوٹا
چھکے چھٹے ان کے ایک دم میں	پانچوں پھنسے پنجہ الم میں
ششدر ہوئے صاف اُنہ وار	صحر اکو گئے وہ چار و ناچار
چکرا دئے بخت ناتواں نے	گردش یہ دکھائی آسمان نے
شی کرشن سے ہو کے دل شکستہ	کی شہ نے یہ عرض دست بستہ
تدبیر بتائے مہاراج	لوں راج عدد کو کر کے تاراج
فرمایا کہ اے شہ جواں بخت	ہو جائیں گے دور صد مہ سخت
پو جا سے سری گنیش جی کی	ہر لحظہ امید ہے خوشی کی (ص ۲)

میں تمام خواہشات سے بے خواہش ہو جاؤں گا۔ پس اس خیال کو دل میں
میں جگہ دی کہ سوائے پر ماتما کے دوسرا کوئی نہیں ہے۔ جب کہ وہی
ذات مطلق ہے تو دنیا اور عقبی کا خیال محض وہم ہے اور اس سے
کوئی مطلب نہیں رہتا۔ یہ جسم انسانی بمنزلہ ایک کشتی کے ہے جس
کے وسیلے سے دریائے معرفت سے پار اترتے ہیں۔ جیب دریا سے
عبور کر گئے اور دوسرے کنارے پر جا پہنچے تو کشتی سے کوئی واسطہ
نہیں رہتا۔ پس اطمینان ہو گیا کہ جسم عدم ہے اور مجھے اس جسم سے
کوئی تعلق نہیں ہے.....“ (ص ۳۱) °

(۴) فسانہ توحید :- یہ دشمن پوران کے باب دوم، سوم، چہارم، پنجم و ششم کا
خلاصہ ہے۔ جسے پنڈت امر ناتھ مدن ساہو دہلوی نے اردو میں پیش کیا ہے۔ مطبوعہ رام
نرین پریس، متھرا، ۱۹۲۱ء ص ۱۲۸۔

(۵) گنیش پوران منظوم۔ مترجمہ منشی شنکر دیال فرحت۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ،
۱۹۲۸ء ص ۱۶۔

مترجم کو نظم اردو پر بڑی قدرت حاصل ہے ان کے ترجمہ رامین کا ایک نمونہ
ادھر گزر چکا ہے۔ گنیش پوران کے ترجمے میں بھی زبان کی سلاست و روانی کا وہی عالم ہے
شروں میں اپنے بعض دوسرے ترجموں کا بھی ذکر کرتے ہیں :-

جب چھپ گیا شو پیران اردو	مطبوع ہوئی زبان اردو
فرمایش دوستاں ہوئی اور	میں طابع حکم تھا بہر طور
منظوم کیا جو پریم ساگر	رغبت ہوئی جانی بجے پر
نسخے کے جب یہ میں نے تحریر	مطبع میں چھپے وہ باتصاویر
اک دوست نے پھر کیا اشار	کیوں بحر سخن سے ہے کنار

پورانوں میں صرف تین کے اردو ترجمے مجھے مل سکے۔ کلکی پوران، وشنو پوران، اور گنیش پوران، یہی تین زیادہ مقبول عام معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) کلکی پوران۔ مطبوعہ لکشمی نارائن پریس، مراد آباد۔ ۱۸۹۷ء ص ۱۳۴۔ مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ سرورق پر صرف یہ عبارت درج ہے: ”منشی منوہر سوہرپ دہانے بھاشا سے اردو میں ترجمہ کیا کہ لکشمی نارائن پریس، منٹرا، میں چھپوا کر شائع کیا“ تیسرے ادیب کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے :-

”سوت جی کہتے ہیں کہ ہے رشیو، خوش دل راجہ ششی دھوج سبھا میں موجودہ لوگوں کے قریب اپنا حال بیان کر کے ہاتھ جوڑ کر کلکی بھگوان سے کہنے لگا۔ (۱) راجا ششی دھوج بولا کہ ہے ہرے، تم ترلوکی کے ناٹھ ہو۔ یہ سب راجے آپ ہی کے سہارے ہیں، اور ان راجاؤں کو اور مجھے اپنا فرمانبردار خیال کیجئے۔ (۲) میں اب لوگوں کا جو دل پسند ہو دارہے وہاں عبادت کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ یہ سب میرے بیٹے پوتے وغیرہ آپ کے بھروسے پر ہیں۔ آپ ہی ان کی پرورش کریں گے۔ (۳) ہے دیو دیو، میرا جو مقصد ہے سو آپ جانتے ہی ہیں۔ پہلے اوتار میں آپ نے جامبوان اور دوبیدی ناجی بندروں کو قتل کیا تھا۔ وہ بھی آپ کو یاد ہی ہے.....“ (ص ۱۰۸)

(۲) کلکی پوران۔ مترجمہ پنڈت ہر دیال شرما۔ مطبوعہ صادق المطابع، میڑٹھ۔ ۱۸۹۷ء ص ۱۷۸۔ ”شری دیاس بھگوان رچت سنسکرت سے باحیادہ اردو میں ترجمہ کیا گیا“ ترجمے کا نمونہ یہ ہے :-

”سوت جی نے کہا کہ زان بعد برہما جی کے کہنے کے بموجب سب دیوتا یا ادب سامنے بیٹھ کر کہنے لگے کہ اے دیو، کلکی کے پاپوں سے دھرم کو

میں اکثر وہ پانچ لکشن نہیں پائے جاتے۔ برعکس اس کے کتنے پوران ہیں جن میں بلیکشن یعنی محمدی و غیرہ قوموں کا ذکر ہے۔ سو موجودہ پوران عفریب سب کے سب نئے ہیں اور بودھ مذہب کے زوال کا یا ام میں بلکہ بعض اس سے پیچھے تصنیف ہوئے۔“

لالہ لاجپت رائے اپنی تالیف ”مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم“ و مطبوعہ ہندوستانی برقی پریس، لاہور، ۱۹۱۹ء میں ”پورانوں کی تاریخی منزلت“ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ہر ایک تعلیم یافتہ ہندو جانتا ہے کہ پورانوں کی تعداد اٹھارہ ہے، اور ان کے علاوہ ایک کثیر تعداد پشتکوں کی آپ پورانوں کے نام سے مشہور ہے، اور یہ کتابیں اس قسم کے قصے کہانیوں اور گپا شک سے پُر ہیں کہ کوئی ذی ہوش معقول طور سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ جو روایات ان میں مندرج ہیں حقیقہ صیح ہیں عموماً ان کا بڑا حصہ تو خلاف عقل و نقل اور خلاف قانون قدرت (منجھ) اور خلاف فہم اور خلاف قیاس تذکرات سے پُر ہے۔“

انگریزی محققوں اور آزاد منش ہندوستانی فاضلوں نے بالا اتفاق یہ فتویٰ دیا ہے کہ موجودہ پوران وہ پوران نہیں ہیں جن کا ذکر آپ نشدوں وغیرہ مقدس کتابوں میں پایا جاتا ہے اور ان محققوں نے ان پورانوں کی تصنیفات کا زمانہ بھی قائم کیا ہے، اور ان کے اخذ کردہ نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ پورانوں میں سے کوئی پران بھی بزم سمیت کے آغاز سے پہلے کا نہیں ہے بلکہ سمت بکرمی کے بہت عرصے کے بعد کے ہیں۔ بعض پورانوں کی تصنیفات کا زمانہ تو چودھویں یا پندرھویں صدی عیسوی تک قائم کیا گیا ہے اس کے علاوہ خود پورانوں کے مندرجہ ذیل حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم پوران کم ہو گئے اور موجودہ پوران زمانہ حال میں بنائے گئے ہیں۔“ (ص ۲۱)

۱۔ ”ویدک تصنیفات“ (اردو) مولفہ پروفیسر بی بی، رائے، مدر سر علم الہی، سہارن پور۔ مشائع کردہ کرپین لکچر سوسائٹی، لاہور۔ (ص ۵)۔

کے قدیم حصوں کے بعد عمل میں آئی۔ لیکن اپنی موجودہ شکل میں یہ مہا بھارت سے شاید ایک صدی پہلے کی کتاب ہے۔ مہا بھارت کا طرح راسن میں بھی الوہیت کا برہمنی تصور اوتار کی شکل میں پیش کیا گیا ہے اور انسانی سوراؤں کو دیوتاؤں کا درجہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ جس طرح مہا بھارت میں سری کرشن وشنو کے اوتار تھے اور حتیٰ کو باطل پر غلبہ دلانے کے لئے ظاہر ہوئے تھے، اسی طرح راماین میں بھی رام چندر جی وشنو کے اوتار ہیں جنہوں نے راو ن کو نیست و نابود کرنے کے لئے انسانی شکل اختیار کی تھی۔

مہا بھارت اور راماین کے علاوہ ہندو مذہب کی اٹھارہ کتابیں پورا نوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ اٹھارہ اور کتابیں ہیں جن کو آپ پراں یعنی ادنیٰ درجے کے پورا ن کہتے ہیں۔ اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ پرا نوں کے نام سے جو کتابیں مشہور ہیں وہ حقیقتہً قدیم نہیں ہیں چنانچہ پروفیسر بی۔ بی۔ رائے اپنی کتاب ”ویدک تصنیفات“ میں لکھتے ہیں۔

”لفظ پورا ن کے لفظی معنی قدیم کے ہیں۔ یعنی قدیم تصنیفات کو پورا ن کہتے ہیں یا یوں کہو کہ پورا ن وہ تصنیفات ہیں جن میں قدیم کہانیاں مندرج ہیں۔ لیکن درحقیقت پورا ن نہ قدیم تصنیفات ہیں اور نہ ان کی کل کہانیاں ہی قدیم ہیں ممکن ہے قدیم زمانے میں اس قسم کے چند رسالے موجود تھے پر اب وہ معدوم ہو گئے اور ان کی جگہ پر انہی ناموں کے دوسرے رسالے لکھے گئے ممکن ہے کہ موجودہ نئے رسالوں میں بھی چند قدیم قصے قدیم پورا ن اور دیگر تصنیفات سے اقتباس ہوئے بیان کا شمار بہت تھوڑا ہے اور زیادہ تر پورا ن ان کہانیاں نقل کیا دی ہیں۔“

موجودہ پورا ن کہاں تک تئے ہیں، اس بات کی تحقیقات کرنے کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔ امرکوش نام مشہور سنسکرت لغات میں پورا نوں کے پانچ لکھ یعنی خاصیات دکھائی گئی ہیں لیکن موجودہ پورا نوں

لائی دھن بیاہ کے شادی ہوئی کمال آفت یہ آئی مجھ پر ہوئے جیہ فیض دیال

چھٹی ہوں ان سے جو گ لیا میں کے واسطے

کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر گھر جن کے یہ چرانہ رہے آہ عمر بھر

رہتا مارا بھی نخل متنا جو بے ثمر یہ بھائے جبر تھی کہ دعائیں نہیں اثر

لیکن یہاں تو بن کے مقرر ہو چکا گیا

پھل پھول لاکے باغ متنا اچھڑ گیا

سرد ہوئے تھے مجھ سے خواہاں کیا کتا منجھو دھار میں جو لوں مری کشتی ہوئی تباہ

آتی نظر نہیں کوئی امن دہاں کی را اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پتا

تقصیر میری خاتنی عالم پہل کرے

آس ان مجھ غریب کی مشکل حل کرے

پوران ہندوؤں کی مذہبی تصنیفات میں پوران ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں قدیم کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ مہا بھارت اور رامائن بھی پورانوں میں شامل ہیں مہا بھارت دنیا کی سب سے طویل نظم ہے۔ اس میں کوکشیتر کے معرکہ جنگ کے علاوہ جو اس کا مرکزی موضوع ہے اور بہت سی حکایتیں ہیں جن کو ایک مسلسل نظم کی صورت میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ اس کے متعدد حصے قدامت میں ویدک عہد سے جا ملتے ہیں۔ بعض حصے نسبتاً عہد جدید سے متعلق ہیں یہ کتاب ہندو دیومالا کے تمام ادوار پر مشتمل ہے خیال کیا جاتا ہے کہ مہا بھارت ایک ناہمی مرتب شکل میں حضرت عیسیٰ سے پانچ سو سال قبل سے موجود ہے۔ لیکن اس کے پورا اس میں بہت کچھ اضافے بھی ہوتے رہے ہیں بلکہ

راماین ہندوؤں کی دوسری طویل ترین رزمیہ نظم ہے۔ اس کی تصنیف مہا بھارت

نہیں ملتی چکبست نے رامائن کا ترجمہ نہیں کیا، صرف اسی ٹکڑے کو اردو نظم میں پیش کر دیا ہے اور ان کی یہ نظم اپنی فطرتی اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ اس کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اہل قلم جو اردو ادب کا صحیح ذوق رکھتے ہیں۔ زبان کے معاملے میں مذہب اور قومیت کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتے۔ ذیل کے اقتباس میں فارسی اور عربی کے الفاظ بھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں لیکن وہ اس خوبی کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں کہ ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ ہندو خواتین کی بول چال میں یہ الفاظ کہاں تک مناسب ہیں۔ یہ نظم پنڈت برج نرائن چکبست کے مجموعہ کلام میں شامل ہے جو ”مصحح وطن“ کے نام سے انڈین پریس، الہ آباد میں طبع ہوا ہے۔

رد کر کہا خوش کھڑے کیوں ہو میری جاں میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی ہی ہو تو صحر اکو ہو رزاں لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بیچ دوں

جو گی بنا کے راج دلارے کو بیچ دوں

دینا لگا ہو گیا ہے یہ کیسا ابو سفید اندھا کئے ہوئے ہو زروال کی امید

انجام کیا ہو، کوئی نہیں جانتا یہ بھید سوچے بشر تو جسم ہو لڑاں مثال بید

لکھی ہے کیا حیات ابدان کے واسطے

پھیلا رہے ہیں جاں یہ کس دن کے واسطے

نعتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ ہم

دُستانہ سانپ بن کے تجھے شوکت چشم تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و راج کو

تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو!

کن کن ریاختوں سے لڑا رہا وہاں دیکھی تمہاری شکل جیسا ہے میرے ذہن میں

دل میں کب ابنوہ غم رہنے لگا۔ بن کے آنسو آنکھ سے بہنے لگا

(ص ۱۶)

(۷) رامائن خوشتر :- از منشی جگن ناتھ خوشتر۔ مطبع نو لکشور، لکھنؤ، سولہواں ایڈیشن
۱۹۲۴ء ص ۲۵۶

”ابو دھیا کا نڈر بن باس ہونا راجہ رام چندر کا“

پدر کے سامنے آئے شایاں زبں حال پدر دیکھا پریشاں
زمیں پر مضطرب ہے شکل ماہی کہیں کلخی، کہیں ہر تاج شاہی
زمیں پر اس طرح تھا شاہ کا حال ہما عطاں ہے گویا یہ پرد بال
گہا تیب رام نے با اشکباری کہ ہے کس واسطے یہ سو گوری
جو ہو تقصیر میری وہ عطا ہو بجا لاؤں جو صاحب کی رضا ہو
ہنس در کار مجھ کو افسرد تخت رضائے والدین ہے حاصل نخت
وہی ہے نیک لڑکا اس سر میں رہے مادر پدر کی جو رضا میں
خدا دل شاد ہے ایسے پسر سے نہ ہو جو منحرف حکم پدر سے
سنبی جب رام کی خبریں یہ تقریر اٹھا روئے زمیں سے شاہ دگیر
جو آیا دیکھنے سے رام کے ہوش ہوا باگر یہ دزاری ہم آغوش
زبں غم سے نہ تھا یا لائے گفتار رہا مانند نرگس محو دیدار

(ص ۱۷)

(۸) رام چندر جی کی رخصت کا منظر دکھانے میں رامائن کے ہر مترجم نے حتی الامکان اپنا
نور قلم صفت کر دیا ہے لیکن جو درد و اثر پنڈت برج نرائن چکبست کی نظم میں ہے جس میں
انھوں نے رام چندر جی کا بن باس ہونے کے لئے ماں سے رخصت ہونا دکھایا ہے اس کی نظیر

کچھ اعلیٰ شخصیت ہے جس کی ترقی کی انتہا نہیں ہے۔ یہ خصوصیت صرف رامائن ہی میں نہیں پائی جاتی۔ بلکہ سسکرت کی اور اعلیٰ انظم کی کتابوں میں بھی ہے۔۔۔ مہاراج تلسی داس جی کی یوں تو کئی رامائیں ہیں۔ مثلاً گیتا دلی، کیتا دلی بردا، بچھے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دو ہاچ پائی میں جو رامائن لکھی ہے اور جس کا اصلی نام رام چرت مانس ہے وہ جیسی مقبول عام ہوئی ویسی مشکل ہی سے کوئی کتاب ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔۔ اس کی سیکڑوں ایڈیشنیں چھپ چکی ہیں اور بیسیوں ٹیکے یا شریں ہیں، مگر مانگ ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی بسا اکتے تین سو برس قریب سے یہ مہترک کتاب ہندوستان میں مروج ہے اور اس کا رواج دن دو دن اور رات چو گنی ترقی کرتا رہا ہے۔

میرے ذوق دلی اور قلمی محنت کا نتیجہ یہ کتاب ہے اسے تلسی کرت رامائن کا ترجمہ نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ میں نے دایلیکی رامائن، ادھیاتم رامائن اور یوگ داسشٹ سے بھی مضامین لئے ہیں۔ ترتیب مضامین اپنی کی ہے ہاں جہاں جہاں تلسی داس جی کے مضامین خاص خوبوں کے ساتھ ہیں ان کا بعض جگہ ترجمہ دے دیا ہے اور بعض جگہ نفس مطلب۔،

مہتر کی نظم میں زبان دیوان کی وہ خوبیاں نہیں ملیں جن کا نمونہ فرحت کے معلوم ترجمے میں اوپر گزر چکا ہے۔ مثلاً ”بن باس کی تیاری“ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کہہ کے یہ کوشیلا روتے لگیں	یام کو چھاتی سے لپٹا کر دیں
جانکی آئیں اسی اشائیں واں	اور یہ دیکھا انھوں نے بھی سماں
بیٹھیں چکی اپنی گردن کو جھکا	سن چکی ہتھیں حال دل میں ڈیر تھا
لام جی جس دقت جنگل کو چلیں	دیکھئے ہمراہ مجھ کو لیس نہ لیں
ساتھ جاتے دونوں ہیں تن اور جان	یا قنط ہمراہ جاتے ہیں پران

دینہ ہے، شاعری کا دلکش مذاق ہے، اخلاق اور طریق معاشرت سے بھرتا ہے، دھرم ہے، گیان، بھگتی، لوگ اور کرم ہے، غرض دنیا دہشتی دونوں کی بہتری کے سامان موجود ہیں۔ اور پھر یہ سب باتیں اس دلکش پیرائے میں دی گئی ہیں کہ طبیعت بے اختیار ان کی طرف کھینچتی ہے.....

سب سے قدیم مائیں داسکی مہاراج کی مشہور ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور اس میں رام چندرجی کی کتھا دی ہوئی ہے۔ داسکی رشی شری رام چندرجی کو دشمنو بھگوان کا اوتا را در میرا دا پر شو تم بتاتے ہیں، یعنی ایسا اوتا رحس نے دنیا میں اصول اخلاق و معاشرت و تمدن وغیرہ وغیرہ قائم کئے ہیں، منو بن کر لوگوں کو نیکی کا راستہ بتایا ہے اور اس پر چلایا ہے۔ اسی لحاظ سے انھوں نے رام چندرجی کی ایشور تار پر زیادہ زور نہیں دیا ہے بلکہ انھیں انسان کامل کی حیثیت میں دکھایا ہے کہ انصاف اور اخلاق بحکم ہیں جس سے جس قسم کا برتاؤ ہے وہ ایسا ہے کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ ان کے گرد و پیش جو مرد اور عورتیں ہیں وہ بھی منو نے کی شخصیتیں ہیں جن سے بہتر نہیں ہو سکتیں۔

اس نادرا لوجود کتاب میں خاوند اور بیوی کی محبت، ماں باپ کی اولاد اور اولاد کی ماں باپ سے محبت، بھائی بھائی کی محبت، آقا کی نوکر اور نوکر کی آقا سے محبت، بیار کی بیار سے محبت، گوروا اور چیلے کا رشتہ، بادشاہ اور رعایا کا رشتہ، ارباب تمدن کا یا بھی رشتہ، اخلاقی اصول پر کاربندی، سیتہ کا پالمن غرض وہ سب نیکیاں جو نیک زندگی بسر کرنے کی مدد دلاتی ہیں، جیتہ جیتہ پائی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی زندگی کو اس کرہ ارغی کے تعلقات پر بھی حتم نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ بیچ بیچ میں کرم لوگ، بھگتی، گیان کے متعلق سدا ذات اٹھائے ہیں اور بتایا ہے کہ انسان نہ صرف جسم خاکی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہت

چلے پاؤسی خوش دامن خاص ہوئیں حاضر براہ لطف داخل خاص
کہا مجھ کو بھی ارشاد سفر ہو کہ تسکین دل و جان و جگر ہو
سنی جس دم یہ خوش دامن نے گفتار کئے دامن کے پرزے جیب کے تار

----- (ص ۴۱-۴۲)

(۵) راماین بہار :- ازبانکے بہاری لال بہار۔ مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۸۸۶ء۔ ص ۱۰۹۔
یہ رامائن کا ترجمہ نہیں بلکہ اردو نظم میں اس کا خلاصہ ہے۔ جیسا کہ مترجم نے شروع ہی میں لکھا ہے۔

تپتلی کرت تلسی داس جی کی لکھا مطلب بھارت میں کمی کی
لکھوں تو صیف شاہ ہفت اقلیم وہ دسترت صاحب ابرنگ و دیہیم
اددھ کے راج میں نامی تھا راجہ شہنشاہ تھا سلاطین جہاں کا
یت برتاہتیں اس کی تین رانی محبت میں وہ بھتیں یکتا لکھانی
کو شلا نام باتو اولیں تھی دوم میں کیسکی الفت گزیں تھی
سو نتر نام سویم مہ جیں تھی وفا کیش وانیس و نازیں تھی
اجو دھیا جائے تیر تھ ہندواں ہے سلف سے راج دستر کا مکاں ہے (ص ۷)

(۶) راماین مہار :- مترجمہ منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۴ء۔
ص ۳۵۴۔

”مہیدی مضمون“ میں جناب مہر نے رامائن کے متعلق ضروری اور مفید معلومات یکجا کر دی ہیں۔ اس مضمون کے بعض حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

”سنسکرت علم و ادب میں دو کتابیں آج نہیں بلکہ صدیوں سے ہندو عزیز ہیں۔ ان میں سے ایک مہا بھارت ہے اور دوسری رامائن۔ انھیں کتابیں نہ سمجھو بلکہ بیش بہا علمی خزانے ہیں جن میں روایات کا ذخیرہ ہے۔ تاریخی واقعات کا

ایک غیر معمولی جوش پیدا ہوا اور چہرے پر بال ڈال کر بولیں کہ بس آپ کی محبت
 دیکھ لی۔ آج معلوم ہوا کہ ظاہری جوش الفت خالی لغافہ ہی لغافہ تھا۔ ہائے
 میں تو لوگ لاج میں مری جاتی ہوں جس وقت جنگ پیر میں خبر پہنچی میرے
 پتا جی کیا کہیں گے۔ ساری دنیا میں بدنامی پھیل جائے گی۔ کہ واہ سری رام
 چند جی اپنی استری کا بھی بڑا نہ کر سکے۔ کل جہان میں شور ہوگا کہ واہ دھول
 کے اندر پول۔ بہادری دکھاوے ہی کی تھی۔ تیج پر تاب نمائشی ہی تھا۔ اونچی
 وکان پھیکا کھکھوان اسی کو کہتے ہیں۔ بھلا فرمائے تو مجھے ساتھ لے چلتے ہیں
 آپ کو کون ہوا کاٹ کھائے گا.....،، (ص ۳۴۶)

(۴۱) رامائن منظوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ مطبع نول کشور، کانپور، ۱۹۶۷ء ص ۸۔
 رامائن کے منظوم ترجموں سب سے قدیم جو مجھے دستیاب ہوا وہ یہی ترجمہ ہے۔ لیکن
 یہ پوری کتاب کا ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ اس کے صفحات کی تعداد صرف (۱۵۸)۔
 اور رامائن ایک ضخیم کتاب ہے۔ بظاہر مترجم نے محض تلخیص کر دی ہے نظم کی شاعرانہ
 خوبیاں خاص طور پر قابل تحسین ہیں۔ ایک مقام کا اقتباس حسب ذیل ہے:-
 یہاں پیچیدہ گیسوئے سخن ہے جبین صفحہ پر ثابت شکن ہے
 ورق ہے صورت مسطر کشیدہ دوات آسا قلم ہے آبدیدہ
 بیان رخصت و عزم سفر پر حروف تانہ خاک افشان ہیں سر پر
 خباب جانکی نے جب سنا حال تو جوش گریہ سے آنکھیں ہوئیں لال
 ہوئی آسائش خاطر فراموش اٹھا اوج ہوا پر طائر ہوش
 نہ تھا ضبط شکیبائی کا یارا ہوئی شوہر کی فرقت ناگوارا
 جانے آگے گو دامن لیا تھام مگر جوش محبت نے کیا کام
 خیال آیا کہ ہمارا ہی میں رہے صبا بن کر ہوا خواہی میں رہئے

ہوادونوں فوجوں کا یکجا ہجوم پڑی تھی لڑائی کی میدان میں دھوم
 ہوئی اس قدر جمع جنگی سپاہ خجالت سے پانی تھا ابرسیاہ
 حواس فلک میں تھل پھڑا نشان ناف گھاؤ زمین پر گرا
 سواروں کی کثرت ہو کس سے بیاں چھپی گرد سے صورت آسمان
 زمین کثرت نقش ستم سے فلک نہ کس طرح ہو چرخ کا اس پر شک

(ص ۱۷۲)

(۱) رامائن کا غالباً پہلا اردو ترجمہ ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا۔ اس کا ذکر دتاسی نے اپنے سو لہویں خطے۔ مورخہ ۳۷ دسمبر ۱۸۶۶ء میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔
 لکھنؤ سے رامائن کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اس میں کئی سو تصاویر ہیں، یہ ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ دتاسی نے یہ بتایا ہے کہ نشر میں ہے یا نظم میں قیاس ہے کہ نشر میں ہوگا۔
 (۲) رامائن بالیکلی : اردو بھاشا۔ ساتوں کانڈ، مترجمہ پریش دیال۔ مطبع تول کشور لکھنؤ
 بار دوم ۱۹۱۵ء ترجمہ نشر میں ہے۔ زبان میں ہندی کے ثقیل الفاظ بہ کثرت ہیں۔ اگرچہ نظم لفظ فارسی ہے۔

(۳) مکمل رامائن بالیکلی۔ مترجمہ ددار کا پرشلو افق لکھنؤی۔ مطبوعہ کپور آرٹ پریسنگ
 ورس، لاہور ۱۹۲۱ء۔ ص ۱۰۳۔

ترجمے کی زبان سلیس اور بامحاورہ ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کو محاوروں کے استعمال کا خاص شوق ہے اور اس سلسلے میں وہ موقع و محل کی سوز دینیت کو کبھی کبھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:-

”سری جانی جی کو جس قدر رام چند راجی کا ادب ملحوظ تھا۔ اُس کی نظر ملنا ناممکن۔
 اُن کا جوش محبت بھی وہ تھا جو دنیاوی عورت کے لئے ایک سبق ہے۔ مگر نہیں،
 جس وقت سری رام چند راجی ان کی باتوں کو غور سے مانتے گئے تو انھیں

(۳) مہاجرات منظوم :- از منشی طوطا رام شایاں - مطبع نول کشور، کان پور - طبع خیم ۱۸۹۳ء
ص ۳۰۱ -

یہ مثنوی دس ہزار بیتوں پر مشتمل ہے - اور فارسی ترجمہ مہاجرات کا خلاصہ ہے :-
مہاجرات کا ترجمہ فارسی میں فیضی نے کیا تھا - مگر وہ نثر میں تھا - اردو میں یہ پہلا منظوم ترجمہ
ہے - اپنی شاعرانہ خوبیوں و نیز اختصار کی وجہ سے یہ بہت مقبول ہوا - ذیل کا اقتباس اس کے
پانچویں ایڈیشن سے لیا گیا ہے جو ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا - زبان کی فصاحت اور نظم کی روانی قابل
داد ہے - مترجم نے کتاب کو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع کیا ہے ، اور پہلے حمد لکھی ہے -
جس کے چند اشعار یہ ہیں :-

ربان قلم گل نشانی پہ ہے	بہار مضامین جوانی پہ ہے
دکھائے ورق تھوڑے گل کا رنگ	صریر قلم بانگ بلبلی کا رنگ
مہک اُٹھے ناز کی صورت دوات	نہ ہو جس سے سر سبز غنچے کی بات
ہمائے سخن کے کھلیں بال و پر	لکھوں وصف فرماندہ بحر و بر
نگارندہ نقش لوح و قلم	خداوند ملک حدوث و قدم
علیم و خبیر و سمیع و بصیر	کریم و غفور و رحیم و قدیر
وہ رتبہ دیا قطرہ آب کو	خجالت سے ہے داغ مہتاب کو
دکھائی خدا نے وہ قدرت کی شان	کہ مٹی کے پتیلے کو بخشی ہے جان

ص ۱۲۱

میدان جنگ کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں :-

رواں اب ہوا ہے نشان قلم	صفوں میں ہے سطروں کی شان علم
دکھائے ورق اب چین کی بہار	گلستان سعدی ہو اس پر نثار
صف آرائی نقطوں کی منظور ہے	کہ میدان فوجوں سے معمور ہے

مہا بھارت | (۱) مخزن مہا بھارت :- مع ترجمہ اردو - از بابو جلال پرشاد بھارگو
 مطبع ست پرکاش اگرہ - یہ ترجمہ تن کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں چھپا ہے جلد اول
 کے صفحات کی مجموعی تعداد ۱۱۴۸ ہے - ہر پرپ کے صفحوں کے نمبر الگ الگ ہیں -
 ترجمے کا نمونہ یہ ہے -

”مہا بھارت - آد پرپ - ادھیا دوم“

”شیونک رشی بولے کہ اے سوت کے بیٹے، تم نے جو سمت پنچک نام
 تیرتھ کو کہا اس کے حال مفصل کو کما حقہ سننا چاہتے ہیں سوت تیر بولے
 کہ اے براہمنوں تم سمت پنچک نام تیرتھ کی سند رکھتا بھی تھیں تم سے
 سنو - تیرتھ اور دوا پر جگ کے ملاپ یعنی اخیر تر تیرتھ اور دوا پر شروع ہونے
 کے وقت سلیاروں میں افضل پر شرام جی نے غصے سے متحرک ہو کر تنو
 چھترفات کو فنا کیا - پر شرام اگن کے برابر روشنی رکھنے والے نے تمام خاندان
 چھتری کے فنا کر کے سمت پنچک نام زمین پر بڑے بڑے پانچ کنڈون
 سے بھر لئے - پھر غصے سے مورجھاواں پر شرام جی نے ان خون کے کنڈوں میں

خون صورت جل سے اپنی میٹروں کا ترپن کیا“ (جلد اول ص ۴۹)

(۲) سری رام کرت مہا بھارت - مترجمہ منشی سری رام کالیستھ ماتھر دہلوی - اس کا
 پہلا ایڈیشن ۱۸۹۵ء میں مطبع و دیا درپن، میرٹھ میں چھپا تھا - دوسرا مطبع ذول کشور، لکھنؤ
 میں ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۵ء میں چار جلدوں میں چھپا پہلی اور چوتھی جلد ۵۰، ۵۱ اور ۵۲ پر مشتمل
 ہیں ۱۹۱۵ء میں طبع ہوئیں، اور دوسری اور تیسری جن کی ضخامت (۳۱۱) اور (۳۲۴) صفحات
 ہے ۱۹۱۶ء میں - عبارت میں بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ کا غلبہ ہے، گورنمنٹ لکھنؤ

اندر دنیا میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ یہ اندرونی گورو گھٹ گھٹ میں موجود ہے، اور آدمی کا ادھکار رکھنا شرط ہے کہ فوراً ساکشات درشن دیتا ہے اور دھرم کی لڑائی میں رکتہ بان بن کر ادھکاری کو فتح و ظفر پانے کا طریق بتاتا ہے جس پر کار بند ہو کر وہ لڑائی جیتتا ہے اور موکش روپ راج کا مالک بنتا ہے۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے اور کچھ نہیں کہ انسان علیٰ حق دینی میں پھنسا کر اپنے آئندہ روپ کو بھول جاتا ہے۔ یہ اگیان کے ہاتھ سے اس کے راج کا پھینا جاتا ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ اسے دنیا سے بیزاری اور روحی سکھ کی تلاش ہوتی ہے۔ بعض طبائع میں تو یہ خیال اٹھ کر رہ جاتا ہے، اور بعض میں جو پختے ادھکاری ہیں حقیقت میں جدوجہد کے ساتھ تلاش شروع ہوتی ہے۔ ابتدا میں آدمی یا کتاب سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ بیرونی گورو ہے جو راستہ دکھانے میں کسی قدر بے شک مددگار ثابت ہوتا ہے۔ طالب کی طلب صادق جس قدر بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر اندر سے خود بخود پیر دے اٹھتے اور روشنی کے جلوے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اندرونی گورو کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں، اور اسی کو آتما روپ گورو کہا جاتا ہے۔ یہی کرشن بھگوان ہیں چنانچہ گیتا میں خود کہتے ہیں ۷

میں ہی ہوں آتما جہاں میں سب کا جو سب کے قلب میں ہی مخفی رہتا آخر ادھکاری کی سمجھ میں وہ آدرش یا معراج کمال آجاتی ہے جس پر اسے چڑھنا ہے۔ مبارک ہیں وہ پوتر آتما میں جو اپنے آتم روپ کو سمجھ کر اس کو پراپت ہوتی ہیں۔ یہی دھرم میدھ میں موکش روپ کا فتح پانا ہے، ”ص ۳۱-۳۳“

دُریودھن یعنی سخت جنگجو ہے، جس پر بڑی مشکل سے غلبہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کی پشتی پر معاونین کی لاتعداد فوج ہے۔ یہ من کی تمام ایسی برتیاں یا کیفیات نفسانی ہیں جو آدمی کو آتما سے بمکھ کرنے والی ہیں۔ ان سب کا جیتنا بڑا کٹھن کام ہے۔

جیو کے معاونین کی بھی تعداد بڑی ہے۔ یہ ایسی برتیاں ہیں جو آدمی کو اخلاق، دھرم، اور آتما کی طرف متوجہ کرنے والی ہیں۔ ان میں سے چار اس کے بھائی، بیٹی بڑی معاون دمد گارتیاں ہیں۔ یہ چار ائمہ کرن یعنی ساواک من، پت، بُدھی اور انہکار ہیں۔ ان کے ذریعے سے اندھے اگیان کی فوج سے دھرم کی لڑائی شروع ہوتی ہے۔ جس میں جیو اگیان پر غلبہ پا کر موکش روپ سواراجیہ کا سکھ حاصل کیا چاہتا ہے۔

سری کرشن بھگوان گورو روپ پر بُدھ آتما ہیں۔ جو پر م دیا اور کرپا لتا ہے۔ ادھکاری کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کا کام صرف رہنمائی یا ادھکاری کو خطروں سے آگاہ کر دینا ہے۔ اسی واسطے رکتھ بان ہو کر بیٹھتے ہیں۔ لڑتے اور ہتھیار نہیں اٹھاتے۔ تمام جدوجہد خود ادھکاری کو کرنی پڑتی ہے۔ یہ روحانیت کا سرخفی ہے۔ گورو راستہ دکھاتا ہے۔ اس پر بہت ودیر کے ساتھ گامزن ہونا اور منزل مقصود پر پہنچنا ادھکاری کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ تمام مراحل خود ادھکاری کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ گورو اس کو چڑھی پر چڑھا کر یا آغوش محبت میں لیکر خود طے نہیں کر دیتا۔

گورو اول اول بیر ونی صورت میں ملتا ہے اور اپدیش کرتا ہے جوں جوں آدمی اگیان کے مدارج پر چڑھتا جاتا ہے گورو کی صورت اُٹیل یا آدرش کی ہوتی جاتی ہے۔ یعنی وہ بیہ دنیاات کے دائرے سے نکل کر

کے واقعات دیکھتا جاتا ہے۔ اور راجہ دھرتراشٹ کو گھر بیٹھ سنا تا جاتا ہے۔ سنے
 راجہ کا رتھ بان تھا اور اُسے اپنے مالک کے ساتھ نہایت الفت تھی چونکہ راجہ
 اندھا تھا۔ اس واسطے لڑائی میں شریک نہیں ہو سکا۔ بھگوان دیاس نے سنے
 کو چشم بصیرت عطا کر دی تھی۔ وہ گھر بیٹھے تمام واقعات جنگ دیکھتا اور راجہ
 کو سنا جاتا تھا۔ (ص ۲۸، ۲۹)

اس کے بعد گیتا کا فلسفہ نہایت خوبی اور شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ ذیل کا ٹکڑا جس
 کا عنوان ہے ”گیتا کی اندرونی گیتھا“ اس کتاب کی معنوی تعلیمات پر بہت واضح روشنی ڈالتا ہے۔
 ”میرے دوستو، یوں تو کوکرشیترا کا میدان جہاں مہا بھارت کا رن پڑا ہے ضلع
 کرنال میں بتایا جاتا ہے اور پنجاب کے ہر ایک نقشے میں دکھایا جاتا ہے، لیکن حقیقت
 یہ ہے کہ کوکرشیترا ہر ایک گیان کے ادھکاری یعنی طالب صادق کا جسم خاکی ہے
 اور مہا بھارت کی لڑائی اُن دن گھٹ گھٹ میں ہوا کرتی ہے۔ ارجن۔ ادھکاری
 جیو ہے۔ سری کرشن گیانی کت پرش ہیں، جو بیر دنی سرور سے گرد روپ ہیں
 اور اندرونی سرور سے گھٹ گھٹ لہاسی آتما روپ ہیں سہی مہاراج ہر
 ایک ادھکاری کو اپنے نفس سرکش کے ساتھ دھرم دھند میں فتح پانے کا طریق بتا
 ہیں۔ اور مبارک ہیں وہ پوتر آتمائیں جو اُن کے پُندیش پرکار اپنے ہو کر موکش
 روپ فتح حاصل کرتی ہیں۔

ارجن جیو کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھگوان کرشن اور ارجن کو زنا راجن کا
 اوتار بتایا جاتا ہے۔ جیو اپنا راج کھو بیٹھا ہے۔ اور وہ راج اپنے سچا اندر سرور
 میں مستغرق ہے۔ اسی کو موکش کہتے ہیں، جہاں آنند ہی آنند ہے، دکھ کا نام
 نہیں۔ یہ راج دھوکے سے اندھے اگیان کے بیٹے نے چھین لیا ہے جو دنیا
 کے دھوکوں میں پھنسانے والا تا سہی نہہکار یا نفس امارہ ہے۔ اس کا نام

ہیں ناف زمیں کی شک بیزی (۹) جلتی ہوئی آگ میں ہیں تیزی
 جاندار جہاں میں ہیں یہ جتنے ہوا میں بقا کی شان مجھ سے
 ہوں جو ہر کائنات میں ہی ہوں مادہ حیات میں ہی
 جو ہیں مرتاض یا سعادت میں ان میں ہوں صورت ریا،^{صفت}

(ص ۷۸-۸۰)

(۱۶) فلسفہ گیتا۔ از منشی سورج نرائن ہمدرد دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۵۷ء ص ۳۳۳
 یہ کتاب بھگوت گیتا کا ترجمہ نہیں، بلکہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے گیتا کے فلسفے کی
 شرح ہے۔ شرمسٹ میں جناب مہر نے ”گیتا کی بے دریغ تھکا“ کے عنوان سے مہا بھارت کی سرگزشت
 چند صفحوں میں بیان کی ہے۔ اس بیان کے آخر میں گیتا سے متعلق ایک غلط فہمی دور کرنے کی غرض سے
 لکھتے ہیں:-

”جو لوگ اپنے ذہن میں یہ سمجھ ہوئے ہیں کہ گیتا، مہا بھارت کا حصہ نہیں، بلکہ بعد
 میں اس کتاب میں داخل کی گئی ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ گیتا، مہا بھارت ہی کا
 حصہ ہے، اور کسی کتاب کا نہیں ہے۔ ناظرین کو یہ خیال رہے کہ موجودہ صورت
 میں گیتا، شری دیاس جی کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔ بھگوان نے ارجن کیسے جنگ
 میں یہ سات سوشلوک اور ان کے سات سات سو صفحات کی مجلد شری نہیں
 سنائی تھیں۔ اپدیش زبانی تھا، اور چونکہ اپدیش یا خود ہیاو گیشور ہری ہیں اور
 ارجن جیسے ادھکاری کو اپدیش دیا گیا ہے، گھڑی آدھ گھڑی کافی کیا کافی سے
 بھی زیادہ ثابت ہوئی ہوگی۔ اس اپدیش کو بعد میں مید ویاس جی نے سات
 سوشلوکوں میں منظوم کیا ہے، اور ان سات سوشلوکوں پر سیکڑوں آدمیوں نے
 بعد میں شرمیں لکھی ہیں جو ضخیم مجلدات ہیں۔ یہاں یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ
 دیاس جی اپنے سات سوشلوکوں کی پرداز اس طرح اٹھاتے ہیں کہ سب سے تمام مہا بھارت

(۵)

ارجن جو کردگے ان پہ تم غور
پر میری صفت اک اور بھی ہے
ادنی انھیں پاؤ گے بہر طور
حاصل جسے خاص برتری ہو
بالا تر ہے مقام جس کا
مشہور ہے روح نام جس کا
جو وجہ قیام دو جہاں ہے
جو اصل نظام دو جہاں ہے

(۶)

یہ امر ہے جاننے کے قابل
ہوتی ہیں جب صفات یکجا
یہ بات ہے ماننے کے قابل
پڑتی ہے بنائے نظم دنیا
ہستی ہے تمام انھیں سے سدا
میں ہی مختار ہوں فنا کا
امکان مجھی سے ہے بقا کا

(۷)

یہ امر ہے طے شدہ دہنچے
کچھ کبھی میرے سوا نہیں ہے
مجھ سے بڑھ کر نہیں کوئی شے
میں ایک ہوں، دوسرا نہیں ہے
جس طرح سے ہمارے گندھے ہوں
موتی اک تار میں گندھے ہوں
اسباب جہاں ہیں نظم مجھ میں
یہ کون دمکال ہیں نظم مجھ میں

(۸)

خورشید میں نور، ماہ میں تاب
ہوں زبیدہ روزگاریں ہی
ہوں اے ارجن میں لذت آب
ویدوں میں ہوں ادلکاریں ہی
میں ہی آواز ہوں خلا میں
میرا ہی ظہور ہے خلا میں
مردوں میں ہوں مردی کا جوہر
تائبہ مجھی سے ہے یہ گوہر

ان خوبیوں کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے ہو سکے گا:-

”ساتواں ادھیائے۔ علم معرفت یعنی گیان و گیان کی تعلیم“

بھگوان ہیں جو خوش بیانی (۱) فرماتے ہیں آپ گل نشانی
لے پار تھ دل اپنا مجھ کو دے کر زیر دامن پناہ لی کر
شغل پیہم سے جوگ کے پاک تم جیسے کرو گے مجھ کو ادراک
اب حال سنو بغور اس کا کیا ڈھنگ ہو، کیا ہو طور اس کا

(۲)

دہ راز نہاں عیاں کر دل گنا تفصیل اس کی بیاں کروں گا
علم مطلق ہے علم جس کا امر برحق ہے علم جس کا
واقف اس سے بشر جو ہو جائے ایک بار اس پر نظر جو ہو جائے
پھر کوئی نہیں ہے امر ایسا رہ جائے جو آگہی سے تشنا

(۳)

ہونے کو تو لاتعد بشر ہیں ایسے انسان کم مگر ہیں
ہے کسب کمال کام جن کا ہے شغل یہی مدام جن کا
دُھن کے پکے جو مرد شغل کر لیتے ہیں منزلت یہ حاصل
ان میں بھی ہیں ایسے چند انساں جن کو مراد واقعی ہے عرفاں

(۴)

مٹی اور اس کے بعد پانی پھر آگ کا پردہ نہاں
عالم بعد اس کے ہے ہوا کا پھر کرہ محیط ہے خلا کا
پھر ہیں دل و عقل سلسلہ وار ان کے آگے ہے ستر نیندار
ہیں یہ آکھوں صفات میری محبوب ہے ان سے ذات میری

”ارجن کا سوال :- کرم یوگی عارف کون ہے ؟

کرم یوگی کون ہر بتائیے اے خوش خصال اُس کا اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے، کیسی بول چال
سری کرشن کا جواب -

خواہشیں دل سے ہٹا کر جو ہوا خود آشنا عارف کامل جہاں میں اس کو کہنا ہے روا
جو دکھی دکھ سے نہ ہو، سکھ سے نہ ہو جسکو خوشی جس نے چھوڑا خوف و غصہ، چاہ، عارف ہو دہی
جسکو ساری باتیں، اچھی یا بُری، ہیں ایک سی جو برائی یا بھلائی سے نہ ہو نالاں نہ شاد
جسکو حاصل ہو گئی اس دہر میں اتنی سمجھ چاہے کہنا اُسے یکسوئی ہے یا مراد

(ص ۱۲۷)

(۱۵) بھگوت گیتا منظوم - موسوم بہ ”نسیم عرفان“ از منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی مطبوعہ
کورونیشن پرنٹنگ ورکس دہلی - ۱۹۳۶ء ص ۱۹۶۔

اس ترجمے کے تعارف میں ”نسیم عرفان پر ایک نظر“ کے عنوان سے پیڈت برج موہن
داتا تریہ کیفی لکھتے ہیں :-

”گیتا کے بے شمار ترجمے اردو کی نثر اور نظم میں ہو چکے ہیں اور بہت سے اچھے
اور مقبول ہو چکے ہیں۔

پر بحر سخن سدا ہے باقی دریا نہیں کار بند ساقی

میں نے پیش نظر منظوم ترجمے کو جستہ جستہ دیکھا۔ نفس معنی میں اصل مطلب سے
مطابقت اور خوبی بیان میں حسن ادا کی جان پایا۔ ان اوصاف اور اصل موضوع
کی دقیق اہمیت کے باوجود نسیم عرفان باغ فصاحت کے دلدادوں کے لئے
شیمم جاں پرور بھی ہے، بیان کی سلاست، بندش کی چستی، اسلوب کی تازگی
و دلا دیزی اور مشکل پسندی سے اجتناب میں یہ کتاب ایک ممتاز حیثیت
رکھتی ہے۔۔۔۔۔۔“

نہایت آسان زبان میں قلم بند کرتے ہیں تاکہ عوام بخوبی سمجھ جائیں، کیونکہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں عوام کے لئے ہی لکھتے ہیں.....“

(۱۲) ”بھگوت گیتا“ کے ایک اور اردو ترجمے کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنے پندرہویں خطے مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۴۵ء میں کیا ہے۔ یہ اٹا وہ سے شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ دتاسی نے اس کا کوئی اقتباس نہیں دیا ہے۔ (خطبات گارساں دتاسی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء ص ۴۷۹)

(۱۳) ”بھگوت گیتا“ کے منظوم ترجموں میں سے جو ہندوؤں کے قلم سے ہیں صرف تین مجھے مل سکے۔ ان میں سے ایک محزن اسرار کے نام سے پنڈت دینا ناتھ مدن کا ہے اور موصوف کے والد پنڈت جاجی ناتھ مدن کے ترجمہ گیتا موسوم بہ ”فلسفہ الوہیت“ کے پانچویں ایڈیشن کے ساتھ ۱۹۲۱ء میں رام نراین پریس، ممبئی میں چھپا تھا۔ طباعت کا اسلوب یہ ہے کہ پنڈت جاجی ناتھ کے ہر شلوک کے ترجمہ نثر کے نیچے پنڈت دینا ناتھ کا منظوم ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ ذیل کا اقتباس فلسفہ الوہیت کے چھٹے ایڈیشن، ۱۹۳۵ء سے ماخوذ ہے:-

”ساتواں ادھیان۔ گیان و گیان یوگ“

جس نے مجھ سے دل لگایا اسے طالب کوسلا	شغل میں جیسا نظر آتا ہے جلوہ ذات کا
اس کو بالتشریح سن ارجن، یہ ہو علم صفات	اس کے محرم کو میسر ہے علاق سے نجات
اس میں ہو دشوار کوشش، شاذ و نادر ہو کمال	مجھ کو ویسا جاننا جیسا کہ میں ہوں، ہو محال
خاک و آب و آتش و باد و خلا، ادنیٰ صفات	جذیبہ دل، عقل اور نپندار ہیں اعلیٰ صفات

(ص ۴۷-۴۸)

(۱۴) شرید بھگوت گیتا، معروف بہ ”غذائے روح“ مترجمہ پنڈت پربھو دیال مصر عاشق لکھنوی۔ مطبوعہ نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۹۳۶ء ص ۱۱۵۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے:-

سے بھی نزدیک ہیں

گورونانک دیوجی فرماتے ہیں :-

نانک سے اکیھاں بتیں جنھی دسند و ما پری

یعنی وہ آنکھیں اور ہیں جن سے میرا پیارا یعنی پر بھونظر آسکتا ہے۔

کیہر بھگت جی کہتے ہیں کہ پر ماتما کے درشن چاہتے ہو تو۔

باہر کے پٹ بند کر، اندر کے پٹ کھول

الغرض ددیہ نیر چشم بینا، عطا کرنے کے بعد بھگوان نے ارجن کو اپنا وارث روپ

دکھایا جس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے..... (ص ۹۶-۹۸)

(۱۰) گمیان پرکاش۔ معروف بہ ”نور ہدایت“ مولفہ چودھری روشن لال ایم۔ اے۔ مطبوعہ

پکوری آرٹ پرنٹنگ درکس، لاہور ۱۹۳۳ء ص ۲۶۳

(۱۱) گیتا گیان۔ معروف بہ ”روح معرفت“ مولفہ چودھری روشن لال ایم۔ اے۔ مطبوعہ

پکوری آرٹ پرنٹنگ درکس لاہور ۱۹۳۳ء ص ۲۵۹

ان دونوں کتابوں میں بھی گیتا کی تعلیم کے مختلف حصوں پر مولف نے روشنی ڈالی ہے

اور شرح کا تقریباً وہی انداز قائم رکھا ہے جس کا نمونہ ان کی پہلی کتاب ”گیتا امرت“ کے ذکر میں

اوپر پیش کیا گیا ہے۔ ”گیتا گیان“ کے دیباچے میں بہاری لال جگیا سو، ایڈیٹر ”دلش بھگت“

ملتان، لکھتے ہیں :-

”چودھری روشن لال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ سی۔ ایس۔ کے ”دلش بھگت“

اجناس کے اندر شائع شدہ مضامین کا ایک حصہ پہلے ”گیتا پرکاش“ کے نام

سے چھپ چکا ہے۔ اب دوسرا حصہ گیتا گیان کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے

..... چودھری صاحب کی مستفادہ حیثیت کی سب سے بڑی غوثی یہ ہے

کہ وہ اردو اور فارسی کے زبردست عالم ہونے کے باوجود اپنے خیالات کو

لطف اور دل چسپی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مثلاً:-

(سنسکرت شلوک)

(شلوک فارسی رسم الخط میں)

”ترجمہ۔ جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر جس کی بدولت آنکھیں دیکھتی ہیں اس کو تو پرما جان۔ وہ پرما تما نہیں جس کی تو اپاسنا کر رہا ہے۔

کٹھ اپ نشد کا بھی متر ہے۔ (متر سنسکرت۔ پھر وہی متر فارسی رسم الخط میں)
ترجمہ:- پرما تما کا روپ نظر میں نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی آنکھ سے اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔ صاحبان، اسی خیال کو فارسی زبان کے زبردست شاعر خواجہ حافظ نے یوں ادا کیا ہے:-

دیدن روئے ترا دیدہ جاں می باید دیں کجا مرتبہ چشم جہاں بین من است
یعنی اے خدا تیرے چہرے کو دیکھنے کے لئے اندرونی آنکھ یعنی روحانی آنکھ چاہئے میری ظاہری
آنکھ میں یہ طاقت کہاں کہ تیرا جلوہ دیکھ سکے۔ اسی موضوع پر مولانا روم فرماتے ہیں:-
چشم سر را طاقت دیدن نہ بود چشم دل را لایق دیدار کرد
مطلب:- بیرونی یا ظاہری آنکھ کو پرما تما کے جلوے کے دیکھنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے
دل کی آنکھ یعنی روحانی آنکھ کو دیدار کے قابل بنایا۔ سر اقبال کا شعر ہے:-
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی
یعنی دل کی آنکھ کھولنے سے ہی پرما تما کا دیدار ہوتا ہے۔ پنجاب کے مشہور عارف بلے شاہ صاحب
فرماتے ہیں:-

جیہہ توں دل دیاں چشمال کھولیں ہو اللہ ہو اللہ بولیں

میں مولا کہہ ماریں چیک اللہ شہ رگ تھیں نزدیک

یعنی دل کی آنکھ کھولنے سے ہی تمہیں پرما تما کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے اور پرما تما تو شاہ رگ

مل جائے جس سے اُسے پاپ بھی نہ لگے اور وہ اپنے اس کرم میں بھی مصروف ہو جائے جو کشتری دھرم کی رو سے اس کے لئے مقرر ہے۔

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تکمیل فرائض کا گیان ہی گیتا کا حقیقی مقصد ہے، اور باقی تمام باتیں اس مقصد کے حصول کے لئے کہی گئی ہیں۔ یعنی وہ مضمون کے سلسلے میں آگئی ہیں۔ اس لئے گیتا دھرم کا راز بھی شغل عمل یعنی تکمیل فرائض ہی ہونا چاہئے۔“ (ص ۲۴-۲۵)

(۹) ”گیتا امرت“ معروف بہ ”اکیس روح“ از چودھری روشن لال۔ ایم۔ اے۔ مطبوعہ پکپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور ۱۹۳۶ء۔ ص ۲۳۴۔

اس کتاب کا دیباچہ سر گوکل چند نارنگ، سابق وزیر حکومت پنجاب، نے لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ:-

”اس کتاب میں چودھری صاحب نے بھگوت گیتا کا عطر نکال کے رکھ دیا ہے اور اس کی حقیقی تعلیم پر نہایت خوش اسلوبی سے روشنی ڈالی ہے نیز شلوکوں کے ساتھ مختلف بزرگوں اور عارفوں اور مختلف زبانوں یعنی ہندی، اردو، فارسی، پنجابی اور انگریزی کے باکمال شعر کا کلام درج کر کے اس چھوٹی سی بزم معرفت کو نہایت آراستہ کر دیا ہے۔“

دیباچے میں یہ تصریح بھی ہے کہ:-

”یہ کتاب درحقیقت وہ ایڈریس ہے جو چودھری روشن لال ایم۔ اے نے بحیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی پنجاب پراونشل گیتا کانفرنس میں جو ماہ فروری ۱۹۳۵ء میں بمقام ملتان منعقد ہوئی تھی پڑھا تھا۔“

مترجم نے سنسکرت شلوک لکھ کر پہلے اسے فارسی رسم الخط میں نقل کیا ہے، پھر اردو ترجمہ اور شرح لکھی ہے۔ شرح میں مختلف زبانوں کے ہم معنی اشعار کے اندراج سے کتاب کے

اس جنگ کا خاتمہ کوئی حقیقی مقدمہ نہیں تھا۔ اسے صرف دوسرے ورہے کا بیا
 ارتھ وارد (جملہ معترضہ) سے تعلق رکھنے والا سمجھنا چاہئے۔ لیکن ایسی بووی
 اور بوسیدہ دلائل سے گیتا کے آغاز اور انجام کے نتائج ٹھیک ٹھیک ثابت
 نہیں ہو سکتے۔ یہاں (کورکشیتر کے میدان جنگ میں) تو اسی بات کی غفلت
 دکھانے کی ضرورت تھی کہ اپنے دھرم سے تعلق رکھنے والے اپنے فرائض کو
 طرح طرح کی مصیبتیں جھیل کر اور صعوبتیں برداشت کر کے بھی ادا کرتے رہنا
 چاہئے۔ اس منشا کو ثابت کرنے کے لئے سری کرشن چندر جی نے گیتا بھر
 میں کہیں کوئی ایسی بے سرو پا وجہ نہیں بتائی جیسی بعض لوگوں نے مذکورہ
 بالا اعتراض میں پیش کی ہے۔ اگر کوئی ایسی بے دلیل اور بودی وجہ بتائی
 بھی جاتی تو ارجن جیسا عقلمند اور بال کی کھال نکالنے والا انسان اس پر
 ایمان کیسے لاتا۔ اس کے دل میں سب سے اہم سوال کیا تھا۔ یہ ہی کہ
 خاندان کی خوفناک تباہی کو آنکھوں کے سامنے صاف دیکھ کر مجھے جنگ کرنا
 چاہئے یا نہیں۔ اور اگر جنگ کرنا بھی چاہئے تو اس کا ایسا طریقہ کون سا
 ہو سکتا ہے جس سے مجھے بالکل پاپ نہ لگے۔ اس ٹیسرے سوال کے واس
 اہم ترین) جواب کو کہ ”نشکام ہو کر جنگ کر یا کرم کر“، ارتھ وارد کہہ کر کبھی
 ٹالا نہیں جاسکتا۔ ایسا کرنا گویا گھر کے مالک کو اسی کے گھر میں مہمان بتانا
 ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ گیتا میں دیدانت، بھگتی اور پانچل لوگ کا اپدیش
 بالکل نہیں دیا گیا، بلکہ ان تینوں مضامین کا گیتا میں جو میل کیا گیا ہے وہ صرف
 ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جس سے متضاد (ایک دوسرے کے مخالف) دھرم
 کی خوفناک تشویش میں پڑے ہوئے ”یہ کروں یا وہ“ سوچنے والے اور
 اپنے فرض کے متعلق ریت و لعل میں پھٹے ہوئے ارجن کو کوئی ایسا راستہ

کا استعمال کر کے ارجن کو شغل فرائض کا یہ فیصلہ کن اُپدیش کیا کہ اس لئے ہے ارجن تو یہ دھ کر (گیتا ۲-۱۸)، اس لئے اے کنتی کے پتر تو جنگ کرنے کا یقینی فیصلہ کر کے اٹھ (گیتا ۲-۳۷)، اس لئے تو موہ چھوڑ کر اپنا فرض ادا کر (گیتا ۳-۱۹)، اس لئے تو کرم ہی کر (گیتا ۴-۱۵)، اس لئے تو میرا سمرن کر اور لڑ (گیتا ۸-۷)، کرنے والا سب کچھ میں ہی ہوں۔ تو صرف ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے دشمنوں سے جنگ کر کے ان پر فتح پیا (گیتا ۱۱-۳۳) شاستر و کت فرائض سہرا انجام دینے تجھے مناسب ہیں (گیتا ۱۶-۲۴) نینراٹھارویں ادھیائے کے خاتمے پر بھگوان نے اپنی تصنیف کن اور اعلیٰ رلے کو اور بھی ایک مرتبہ اس طرح صاف کیا ہے۔ اس لئے ان سب کرموں کو کرنا ہی چاہئے (گیتا ۱۸-۶) اور آخر میں (گیتا ۱۸-۷۲) شری بھگوان نے ارجن سے یہ سوال کیا ہے کہ ”ہے ارجن تیرا موہ ابھی تک نشٹ ہوا ہے کہ نہیں؟“ اس پر ارجن نے یہ اطمینان دلانے والا جواب دیا ہے کہ ”اے غیر متزلزل دکھی ڈانوا ڈول نہ ہونے والے، اپنے فرائض کے متعلق میرا موہ اور شک و شبہ سب دور ہو گیا۔ اب میں آپ کی ہدایت کے مطابق سب کام کروں گا۔“ ارجن کا یہ جواب محض زبانی ہی نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کہا دکھایا۔ جنگ کیا اور جنگ میں درحقیقت بھیشم، کرن، جیدرتھ وغیرہ سب کو مار گرایا۔ اس پر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھگوان نے ارجن کو جو اُپدیش دیا ہے وہ محض ”ترک فرائض“ سے تعلق رکھنے والے گیان، لوگ، یا بھگتی کا ہی ہے، اور یہ ہی گیتا کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ لیکن جنگ کا آغاز ہو جانے کی وجہ سے بیچ بیچ میں تعمیل فرائض کی بھی تھوڑی سی تعریف کر کے بھگوان نے ارجن کو جنگ ختم کرنے کا موقع دیا ہے۔ گویا

بڑی قیقلح۔ ص ۱۵۲۔

یہ دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں شائع ہوئی ہیں گیتا رہیہ "میں لوکمانہ تک نے گیتا کی تعلیم کی تشریح و توضیح کے علاوہ اس پر عالمانہ بحث بھی کی ہے۔ دوسری کتاب میں شلوکوں کا اردو ترجمہ اور ان کی شرح ہے۔ گیتا رہیہ کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

گیتا کا مقصد

اگر ہمیں گیتا کے اُپدیش کاراز جاننا ہے تو اس کے آغاز اور انجام کو ضرور دھیان میں رکھنا پڑے گا۔ بھگتی سے موکش کیسے ملتی ہے۔ برہم گیان یا پاتنجل یوگ سے۔ موکش کی شدت بھی کیسے ہوتی ہے۔ دیگرہ وغیرہ۔ محض ترک افحال یا کرم تیاگ اور سیناس دھرم سے تعلق رکھنے والے سوالات کی چرچا کرنے کا وہاں کچھ موقع نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت بھگوان سنری کرشن کا مقصد نہیں تھا کہ ارجن سیناس لیکر اور بیراگی بن کر بھیک مانگتا پھرے یا نگوئی باندھ کر یا نیم کے پتے کھا کر تاحیات ہالہ کی گپھاؤں میں لوگ ابھیا س سادھتا رہے۔ بھگوان کی منشا یہ نہ تھی کہ ارجن دھنشن بان پھینک دے اور ہاتھ میں بن یا مردنگ لیکر کورشتیر کی دھرم بھوجی میں کھڑے ہوئے تجارت یو دھا کشیر یوں کے سامنے بھگوان کا نام زور زور سے روتا ہوا بری ہٹلا کی مانند ایک مرتبہ پھر ناپاچ کرے۔ کیونکہ اب تو روپوشی کا زمانہ ختم ہو گیا تھا اور ارجن کو کورشتیر میں کھڑے ہو کر اور ہی طرح کا ناپاچ ناچنا تھا۔ اس لئے بھگوان نے گیتا کہتے کہتے جاگہ جگہ پر طرح طرح کے مختلف وجوہات بیان کر کے آخر میں نتیجہ ظاہر کرنے والے پُر زور لفظ "تسمات" (اس لئے)

لے بری ہٹلا " وارٹ دیش میں اپنی جلا وطنی کے زمانے میں ارجن نے اپنے آپ کو بھڑا ظاہر کر کے اور اپنا نام بری ہٹلا کر مہاراجہ وارٹ کی لڑکی کو ناپاچا سکھایا تھا۔"

رہ کر جاتے ہیں۔ جاہل تموگن یعنی صفت ادنیٰ کے غالب ہونے کی وجہ سے اس کے سمجھنے سے معذور رہتے ہیں اور انسانوں میں صرف صفت اور فعل کا فرق ہوتا ہے۔ آتما تو سب میں یکساں موجود ہے۔ وہ آتما جسمانی اعمال اور ان کے نتیجے سے بے تعلق رہتی ہے۔ پس انسان بے تعلق ہو کر فعل کرنے سے آتما میں وصل ہو سکتے ہیں۔ کرم سنیا س یعنی ترک فعل کے یہی معنی ہیں فعل دو قسم کے ہیں۔ فعل با تعلق اور فعل بے تعلق۔ اول قسم کے فعل میں نیک و بد کا تمیز ہوتا ہے، اور وہ ادنیٰ ہے۔ دوسری قسم کے فعل میں نظریہ کی اور بدی دونوں سے اٹھ جاتی ہے، اور وہ عارفوں کے طریقے کے مطابق ہے۔ اس طرح یہ عمل کرنے سے تمام افعال آتش عرفان میں سوخت ہو جاتے ہیں اور انسان ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ دید میں جتنے عملی طریقے درج ہیں ان کا اصلی مطلب اور نتیجہ علم معرفت کا حاصل کرنا ہے، اور علم معرفت وہ سب سے اعلیٰ شے ہے جس کے بغیر شکوک رفع نہیں ہوتے اور آرام نہیں ملتا۔ پس انسان کو واجب ہے کہ وہ اسی کا طالب ہو۔“ (ص ۱۱۴)

(۶) حشر چٹہ عرفان۔ مترجمہ منشی جگناتھ پرشاد عارف۔ مطبوعہ نامی پریس، میرٹھ، ۱۹۲۵ء ص ۱۹۲۔

مترجم نے ترجمہ سے پہلے ۳۲ صفحات کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں ہندو لٹریچر کی مذہبی اصطلاحات کے معنی بیان کئے ہیں اور تمام ادھیائوں کے مضامین کا خلاصہ دیا ہے۔

(۷) 'شرید بھگوت گیتا' رہیہ، مولفہ لوکمانیہ بال گنگا دھرم ملک۔ مترجمہ شانتی ناراین مطبوعہ امرت پریس لاہور۔ ٹیسٹریڈیشن ۱۹۳۵ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۳۶۰۔

(۸) 'شرید بھگوت گیتا' از لوکمانیہ ملک۔ مترجمہ شانتی ناراین۔ امرت پریس لاہور

صاف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آتما ہمیشہ بدستور ہے اور سب میں محیط ہے جب انسان کا بطون کثافت جہل سے صاف ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس میں علم ذات کا اشتراق ہونے سے دومی کا حجاب اٹھ جاتا ہے چنانچہ مذکورہ بالا آتما میں اس علم نے وقتاً فوقتاً اشتراق پایا تھا۔ اس ادھیما کے چھٹے منتر میں اس منتر کا مطلب ظاہر کیا جائے گا۔

(۲) (سنسکرت منتر).....

”اے ارجن جو علم اس طرح پر زمانہ قدیم سے چلا آیا تھا اس کو راج رشی جانتے تھے۔ وہ علم اب زمانہ دراز سے محجوب ہو گیا ہے“

راج رشی وہ لوگ تھے جو باوجود اپنی ریاست کا کاروبار کرنے کے متراض اور اس علم سے واقف تھے۔ کرشن بھگوان کے زمانے سے پیشتر علم راج اُن راج رشیوں میں باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے انھوں نے پھر اس کا اعلان کیا۔

۳۔ (سنسکرت منتر).....

”وہی قدیم علم میں تجھے اب بتاتا ہوں۔ تو میرا معتقد اور رفیق ہے اور یہ عالی اسرار ہیں“

علم ذات ایک ہے اور وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ پس کرشن بھگوان نے انھیں رموز کو جو عارفان گزشتہ کے سینے میں تھے از سر نو ظاہر کیا۔“ (ص ۵۵-۵۶) مترجم نے ہر ادھیما کا خلاصہ بھی اس کے آخر میں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ چوتھی ادھیما کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

”آتما لازوال، غیظ اور قدیم ہے، اور مصدر علم و سرور ہے۔ اس کا علم کبھی نتائج نہیں ہوتا، البتہ کبھی پوشیدہ اور کبھی آشکارا ہوتا رہتا ہے صرف عارف اس

جن سیناسی اسی کو کہتے ہیں جس کے من میں میرے چرن کمل کے بنا اور خواہش نہیں خواہشیں اس وقت تک نہیں مٹ سکیں جب تک ایک من ہو کر میرا سمن نہ کیا جائے۔ اور جب تک خواہشات باقی رہتی ہیں اس وقت تک میرے دھیان میں لین نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سیناس اور یوگ ایک سے ہیں۔ میرے ساتھ جڑنے کے لئے ست کرم کرنے چاہئیں ... (ص ۹۸-۹۹)

(۴) بھگوت گیتا۔ مترجمہ منشی دیبی پرشاد۔ مطبوعہ رام پریس، میرٹھ ۱۹۱۳ء۔ ص ۹۰

اس کتاب میں ترجمے سے پہلے ہر ادھیاء کے مضمون کا خلاصہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔
(۵) شری مد بھگوت گیتا۔ موسوم بہ ”فلسفہ الوہیت“ مع ترجمہ و تشریح از لے بہادر پنڈت جاجی ناتھ مدن دہلوی۔ مطبوعہ رام نرائن پریس، ممبئی، پانچواں ایڈیشن، ۱۹۲۲ء۔ ص ۳۴۳۔

بھگوت گیتا کے جتنے اردو ترجمے ہیں نے دیکھے، زبان و بیان کی خوبیوں اور مطالب کی وضاحت کے لحاظ سے ”فلسفہ الوہیت“ کو ان سب پر فوقیت حاصل ہے۔ پنڈت جاجی ناتھ کو فلسیفائے اور الہیاتی مسائل کے بیان پر بڑی قدرت ہے۔ ان کی زبان کی شستگی اور روانی بھی پڑھنے والے کو خاص طور پر متاثر کرتی ہے۔ ترجمے اور تشریح کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

”چوتھی ادھیاء۔ کرم سیناس یوگ“

(۱) (سنسکرت منتر) -----

”شری بھگوان نے فرمایا: ”میں نے یہ لازوال علم معرفت دیوسوت کو بتایا دیوسوت نے منو کو۔ منو نے اکشواک کو۔“

علم ذات راجہ دیوسوت کے بعد منو کو اور منو کے بعد راجہ اکشواک
سری مام چندرجی کے دادا کو حاصل ہوا تھا۔ موحہ کے لئے ضمیر کلام بالکل

” (سنسکرت عبارت)

(۱) ارجن نے کہا، اے کرشن مہاراج آپ کرم کا تیاگ یعنی ترک فرماتے ہیں اور پھر جوگ یعنی اختیار کرنا بھی لازمی کہتے ہیں۔ پس ان دونوں میں سے ایک جو درحقیقت بہتر ہو وہ مجھ سے فرمائے۔

(۲) شری بھگوان نے فرمایا کہ کرم کا ترک اور اختیار دونوں نجات دینے والے ہیں۔ لیکن کرم کے ترک سے کرم کا اختیار اعلیٰ ہے۔

ٹیکہ..... لیکن دونوں میں کرم نہ کرنے سے کرم کا کرنا بہتر ہے کیونکہ کرم کا نہ کرنا آتم گیانی یعنی عارف کو لازم ہے، اور اگیانی کے واسطے جس کو دیہ اور آتما میں تمیز نہیں ہے، یعنی جسم ہی کو آتما مانتا ہے، کرم کا کرنا ہی پُر ضرور ہے اور تم دیہہ یعنی جسم کو آتما یعنی نفس ناطقہ مانتے ہو اور بھائیوں کے مرنے کا غم کرتے ہو، لہذا اگیانی ہو۔ پس تم کو کرم جوگ یعنی کرم کرنا ہی بہتر ہے۔ جب کرم کرتے کرتے بعد صفائی باطن کے تم کو گیان ہوگا تب تم کرم کے ترک کر دینے کے لائق ہو گے۔ یہ دونوں امر موافق درجے اور لیاقت کے بیان کئے گئے۔“ (مس ۲۹-۱۲۸)

(۳) شری بھگوت گیتا۔ مطبوعہ مرکز کائنات پریس، لاہور۔ سمت ۱۹۷۷ء بمقام ۳۱۴۔ چھٹی ادھیہ کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے۔ اس میں یوگ اور سیناس کے معنی سمجھائے ہیں :-

” شری کرشن جی بولے کہ اے ارجن جو منش کرم یوگ سادھ کر مجھ سے ملنا چاہتے اور پھل کچھ نہ مانگے تو اسی کو سیناسی جان۔ میرے ساتھ جڑنے سے تو اس کو یوگی مان۔ پھل کی خواہش نہ کرنے سے سیناسی ہو جاتا ہے۔ جٹا بڑھانے، بھسم رمانے اور دھرمی جلا کر بیٹھنے سے سیناسی نہیں بن سکتا۔ اے پانڈو، یوگی

جو پہلی بار ۱۸۶۳ء میں دو سو صفحات پر گیان پر لیں، اکبر آباد میں چھپا تھا۔ اس میں گیتا کی چوتھی ادھیہا کے چند اشلو کوں کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

سری کرشن کہتے ہیں:-

”اے ارجن، کرم جوگ یعنی تہذیب اخلاق عمدہ چیز ہے اور یہی لازوال ہے۔ میں نے سب سے پہلے یہ علم آفتاب کو سکھایا تھا، اور آفتاب نے ’بیوست مَن‘ کو، اور اس نے اچھواک کو، اس علم کے جاننے سے راجے فضیلت پاتے ہیں کیونکہ درویش صفت ہو جاتے ہیں۔ لیکن انقلاب سے زمانے کے یہ علم معدوم ہو گیا ہے۔ یہ جوگ قدیم اور نہایت شریف ہے تجھے اپنا عزیز سمجھ کے بتاتا ہوں۔ ارجن نے کہا:- اے کرشن، تم اب پیدا ہوئے ہو ادا آفتاب بدھ بدھ سے ہے پس میں کیونکر باور کروں کہ تم نے یہ علم آفتاب کو سکھایا۔“ کرشن نے جواب دیا:- اے ارجن، میں اور تو قدیم ہیں، لیکن اس کی حقیقت تو نہیں جانتا ہے، میں جانتا ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی بیٹا، اور صاحب تمام عالم کا ہے۔ مگر طبیعت سے تنازع میں پھنسا ہوں جب اخلاق حمیدہ گم ہو جاتے ہیں اور شر و فساد زیادہ ہو جاتا ہے تو اعتدال دینے کو ایک صورت پیدا ہوتی ہے۔ میں وہ صورت ہوں۔ واسطے مدد دینے نیکوں کے اور استیصال بدوں کے اور قائم کرنے بنیاد عقل کے اور اکھاڑنے دیوار ظلم کے میں پیدا ہوا ہوں تاکہ آئندہ کوئی اپنی حد سے باہر پاؤں نہ دھرے اور افراط و تفریط نہ ہونے پاوے۔“ (ص ۵۶-۵۸)

(۱۲) بھگوت گیتا مع اردو ترجمہ۔ مترجمہ منشی شیا م سندر لال۔ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۳ء ص ۴۱۲۔ اس کتاب میں ترجمے کے ساتھ متن اور اس کی شرح بھی ہے جس کا نمونہ یہ ہے:-

کردن طبیب نے فرمایا کہ فی الحقیقت سب ہمارا ہے۔ اب تم بھگوت بھگتی اور سوانہو
سیوا اختیار کر کے آدمی جسم کہ کمال مشکل سے نصیب ہوتا ہے پھل کرو۔ راجہ
نے قبول کیا، اور چونکہ بھگوت بھگتوں سے اور بھگوت کے درشنوں سے دل کو
صفائی ہو گئی تھی۔ ایسا بھگت ہوا کہ تمام راج میں بھگوت بھگتی کا رواج ہو گیا
یہ ہنس پر سنگ لالہ سمجھنے کے ہے کہ جانواران کو تو یہ بھگتی ہو اور آدمی کہ
صاحب تیز اور عقل در ہوتا ہے۔ وہ دیکھ ہووے تو وہ آدمی ہے یا جانوروں
سے بدتر، اور چہنہی ہو گیا یا نہیں۔“ (ص ۲۸-۱۲۷)

بھگوت گیتا | بھگتی کا قدیم ترین صحیفہ، جیسا کہ ڈاکٹر تارا چند نے لکھا ہے، بھگوت
گیتا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی ادب میں یہ کتاب اپنی اعلیٰ تعلیمات
اور مقبولیت کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں اس کے ترجمے
ہو چکے ہیں۔ اردو میں بھی اس کے ترجمے نشر و نظم میں بکثرت کئے گئے ہیں جن میں سے بعض مسلمانوں
کے قلم سے بھی ہیں۔ مثلاً خواجہ دل محمد کا ترجمہ جو ”دل کی گیتا“ کے عنوان سے ہے اور ڈاکٹر خلیفہ
عبدالحکیم کا ترجمہ۔ یہ دونوں منظوم ہیں۔ بھگوت گیتا کی تعلیمات کی اشاعت کے لئے ہندوؤں
نے اردو زبان کو جس حد تک ذریعہ بنایا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل ترجموں اور شرحوں سے
ہو سکتا ہے۔ یہ صرف وہ ترجمے ہیں جو مجھے دستیاب ہو سکے۔ ان کے علاوہ اور بھی ہوں گے
جن کی تلاش کا مجھے موقع نہ ملا۔ جہاں تک میری واقفیت ہے۔ ہندو مذہب کی کسی دوسری
کتاب کا ترجمہ اردو میں اس کثرت سے نہیں ہوا ہے، یہاں تک کہ راماین کا بھی نہیں۔

(۱) ’بھگوت گیتا‘ کا سب سے قدیم اردو ترجمہ جو مجھے ملا وہ منشی کنیہا لال عرف الیکھ
دھاری کا ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں۔ جنہوں نے دیدول سے متعلق بھی اردو میں سب سے پہلی
کتاب (جہاں تک مجھے علم ہے) الیکھ پرکاش، کے نام سے لکھی تھی جس میں چاروں دیدول کا
خلاصہ پیش کیا تھا۔ بھگوت گیتا کا ترجمہ انہوں نے گیان پرکاش کے عنوان سے مرتب کیا

سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اس سے ترجے کی خوبی کا بھی اندازہ ہوگا۔ یہی ترجمہ ہے جس کی نسبت یاوشیو برت لال نے لکھا ہے کہ بہت مقبول ہوا:-

کتھا ہنس پر سنگ

”ایک راجہ کو مرض جذام تھا۔ بہت علاج کیا آرام نہ ہوا۔ طبیب نے کہا کہ ہنس جانوروں کے گوشت سے شفا ممکن ہے۔ راجہ نے صیاد بلائے واسطے لائے ہنسون کے تاکید کی۔ صیادوں نے عرض کیا کہ ہنس مان سرور پر رہتے ہیں اور غیر جنس کو دیکھ کر اڑ جاتے ہیں، ہم کس طرح لاویں۔ راجہ نے حکم دیا اگر نہ لاؤ گے سزا ہوگی۔ لاچار چلے اور باہر گر مشورہ کیا کہ ہنس بھگوت بھگتوں سے خوت نہیں کرتے۔ سو سادھو روپ بنا کر گئے۔ اگرچہ ہنسون نے فریب صیادوں کا جان لیا لیکن بھیکھ کو نہ ماننا بھگوت دھرم سے بعید جان کر دانستہ گرفتار ہو گئے۔ صیاد پکڑ کر راجہ کے پاس لائے۔ ہنوز بند میں تھے کہ ’بھگت تیل مہاراج، جو ہر دقت واسطے سہمائے اپنے بھگتوں کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں بہ لباس طبیب اس شہر میں موجود ہوئے۔ اولاد ہاں کے بازار میں بازار طبابت کا گرم کیا اور پھر راجہ کے پاس پہنچے۔ راجہ نے حال اپنی بیاری اور گرفتار کر کر منگائے ہنسون کا بیان کیا۔ خود بدولت نے تشفی فرما کر کہا کہ تم کو بہت جلد شفا ہو جاوے گی۔ ان جانوروں کے گرفتار رکھنے کی کچھ ضرورت نہیں، چھوڑ دو، راجہ کو بہ سبب بہت تلاش سے منگائے کے تامل ہوا تو کچھ دوا منگا کر راجہ کے بدن پر ملوائی کہ شفا کامل ہو گئی۔ راجہ کمال خوش ہوا اور ہنسون کو اسی وقت چھوڑ دیا۔ طبیب کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ مال د منال، راجہ وغیرہ سب آپ کا ہے، جو کچھ مطلوب ہووے ارشاد ہو کہ پیش

میں ملتا ہے۔ ممکن ہے اور لوگوں نے بھی اس کے ترجمے کی جانب توجہ کی ہو لیکن میری واقفیت محدود ہے۔ پروفیسر ولسن صاحب مرحوم انگریز نے اپنی مشہور کتاب ”ہندو ازم“ کی تصنیف میں اس سے بہت مدد لی ہے۔ ان سب تراجم سے صاف ظاہر ہے کہ بھگت مال، بڑے پائے کی کتاب ہو۔“

اس کتاب کے پہلے باب کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

”بھگتی تین قسم کی ہے۔ کرم بھگتی، آپاسنا بھگتی، اور گیان بھگتی تینوں میں

سے اگر کوئی باقاعدہ بن آوے تو نتیجہ یکساں ہوتا ہے۔ سبب ظاہر ہے۔

”بھگتی“ سنسکرت لفظ ”بھج“ سے نکلا ہے جس کا اصلی اور لغوی مطلب

”سیوا“ یا ”خدمت“ ہے، اور خدمت کا تعلق دل سے ہے۔ چاہے کرم ہو

یا آپاسنا ہو، چاہے گیان ہو، تینوں ہی دل سے کئے جاتے ہیں۔ دل کا

شامل ہونا ہر حالت میں لازم ہے۔ بغیر اس کی شمولیت کے کوئی کام نہیں

ہوتا۔ بھگتی اس طرح تین ہی قسم کی ہے۔ ہاں اس کی شاخیں (شٹھائیں)

متعدد ہیں جن میں سے کئی ایک کی وضاحت بتدریج آئندہ ہوتی چلے گی۔

کرم بھگتی میں دل کے ساتھ جسم، جسمانی اعضاء اور جسمانی کاروبار

شامل رہتے ہیں۔ آپاسنا بھگتی میں دل، دلی جذبات اور دلی کاروبار

کا شمول ہے۔ گیان بھگتی میں دل کے ساتھ عقل، عقلی جذبات، تخیلات،

انجھو، اور عقلی سوچ و چار اور غور و فکر کا میل رہتا ہے۔ یہ ان کے درمیان

ظاہری فرق ہے۔ (ص ۱۱)

(۱۵) بھگت مال۔ مترجمہ منشی تلسی رام۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۹۵۷ء بڑی تقطیع ص ۵۲

”نا بھاجی“ کا یہ دہری مشہور کتاب ہے جس کی تعریف بابوشیو برت لال نے

”نیا بھگت مال“ کے دیباچے میں کی ہے بھگتی کی تلقین کے لئے جو حکایتیں اس میں درج ہیں ان میں

مطالعہ کرتے ہیں۔ بعضوں کو تو اس پر اس قدر دشواں ہے کہ ان کے عقیدے میں مردہ لاش کے سینے پر بھگت مال کی پوتھی رکھ دینے سے از سر نو زندگی آگئی ہے۔ ہندو اس کتاب کو ہر پہلو سے متبرک، پاک اور قابل تعظیم سمجھتے ہیں، اور اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ صاف باطن عام طبیعت کے آدمی کو اس کے پڑھنے سننے، سوچنے و چارے سے بھگتی کی دولت مل جاتی ہے۔

ناجھاجی کی اصل کتاب ہندی نظم میں ہے جس کی زبان مشکل اور غیر فہم ہے۔ پریاداس جی نے اس کی شرح ہندی نظم میں لکھی ہے۔ وہ بھی آج کل کے آدمیوں کے لئے آسان نہیں ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں لالہ لال جی داس جی کالیستھ نے سوامی پریاداس جی کے پوتے کی مدد سے اس کا عام فہم ترجمہ کیا۔ اور بھی ایک آدھ صاحبوں نے اس پر طبع آزمائی کی۔ لیکن ان کی کتابوں کی کافی اشاعت نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے وہ اب بھی کسی کسی کتب خانوں میں ہوں لیکن عام طور پر دستیاب نہیں ہوتیں۔^{۱۸۱۵} بکرمی میں لالہ گمانی لال صاحب کالیستھ، ساکن رہتک، نے فارسی زبان میں اس کا عالمانہ ترجمہ کیا جو برسوں مقبول عام اور ہر دل عزیز تھا، لیکن غیر ملکی زبان ہونے کی وجہ سے اس کی بھی اشاعت جاتی رہی اس کے بعد سمت ۱۹۱۶ء بکرمی میں لالہ تلسی رام صاحب اگوال نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا جو بہت مقبول عام ہوا۔ مترجم نے نہایت عوق ریزی اور محنت سے کام لیا ہے۔ یہ ترجمہ بار بار چھپا اور اب بھی بہ کثرت ملتا ہے ان کے بعد ہندی نظم میں مہاراجہ رگھو راج سنگھ صاحب بہاولپور راج "ریواں" نے بھی ترجمہ کیا جو بہت ضخیم ہے۔ اور بمبئی کے چھاپے خانے

میں اشارۂ اور مختصر بیان کی گئی ہیں وہ ”بھگتی رہسہ“ میں زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پیش ہوئی ہیں۔

”بھگتی رہسہ“ چونکہ سوامی جی مہاراج کے ان لکھروں کا ایک نادر مجموعہ ہے جو آپ نے امریکہ میں وہاں کے باشندوں کے سامنے دئے تھے۔ اس لئے آپ نے ان لکھروں میں جگہ جگہ یسوع بھگتی کا ذکر کیا ہے، اور یسوع کی روحانی زندگی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی تعلیم کی عظمت اور پاکیزگی کو تسلیم کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ظاہر کیا کہ عیسائی مت کے موجودہ مبلغ بھگوان مسیح کی مثالی پیروی نہ کر کے صرف ان کی زندگی کے ایک پہلو کا ہی پرچار کرتے ہیں، اس لئے ان کی مکمل تعلیم سے دور جا پڑے ہیں۔“ (۳) بھگتی اور ویدانت (نارائن دیک، مالا۔ موتی ۳) مصنفہ سوامی ویدیکانند مترجمہ شانتی نارائن۔ مطبوعہ میفدرام پریس، لاہور۔ ص ۲۰۰۔

یہ اس سلسلے کی تیسری کتاب ہے۔ اس کا ذکر ویدانت کی کتابوں کے ذیل میں آچکا ہے۔

(۴) نیا بھگت مال، جلد اول، ”جس میں نئے اور پرانے بھگتوں کے دلچسپ حالات اور میفدارشادات بھی کہیں کہیں شامل کئے گئے ہیں۔“ از شیو برت لال، مطبوعہ ہندوستانی پریس، لکھنؤ۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ ص ۶۱۰۔

یہ کتاب رسالہ ”سنت سہاگم“ کی جلد ۲ شمارہ ۲۱-۲۴ پر مشتمل ہے اس سلسلے کے ایڈیٹر یاوشیو برت لال تھے۔ انھوں نے متعدد تصوفیانہ اور اخلاقی کتابیں لکھی ہیں۔ ”نیا بھگت مال“ بھی اسی سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:-

”بھگت مال کے مصنف ناجا جی ہیں جو ویشنو تھے اور نہایت بلند خیال اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ یہ کتاب جس قدر مقبول عام ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اکثر معتقد اسے دینی اور دنیادی مراعات حاصل کرنے کی نیت سے

پر بھگتی کی اس لامحدود گراں بہادری کو پا کر ہی انسان دنیا بھر کے جانداروں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اس وسیع دنیا کو ہی اپنا گھر سمجھنے لگتا ہے، اور اس انمول رتن کو حاصل کر کے اطمینان دل اور سکون قلب کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ بھگوان ناراد فرماتے ہیں۔
(سنسکرت عبارت)۔ یعنی ”جس انسان کو پر بھو پریم کی یہ بے مثال دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں رہ جاتی جسے حاصل کرنے کی خواہش کبھی اس کے دل میں پیدا ہو سکے۔“

اور سب چیزیں تو زیادہ سے زیادہ پرماتما کو حاصل کرانے ہی کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ مگر بھگتی ایک ایسی لازوال نعمت ہے جو خود ہی مطلوب بھی ہے اور مطلوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ اسی لئے اس دولت عظمیٰ کے حاصل ہونے پر جب طالب اپنے مطلوب کو پالیتا ہے تب اسے اور کوئی خواہش باقی نہیں رہ جاتی۔۔۔۔۔ (ص ۱۰۹)

(۲) بھگتی رہسہ (دویک مالا۔ دوسرا موقی مضفہ سوامی دیکانند مترجمہ شانتی ناراین مطبوعہ ہندوستان پریس، لاہور ۱۹۳۳ء ص ۲۱۲)۔
یہ بھگتی کے سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ مترجم نے اس کا تعارف سطور ذیل میں کر دیا ہے۔

”ناراین دویک مالا کا دوسرا موقی“ بھگتی رہسہ کے روپ میں آپ کی نذر ہے۔ یہ لپتک و حقیقت پہلی لپتک ”بھگتی“ کی تشریح و توضیح ہے۔ پہلی لپتک میں شری سوامی دیکانند جی نے اپنے ہندوستانی بھگتوں اور پریمیوں کو بھگتی مارگ کی اہمیت سمجھائی تھی۔ دوسری میں آپ نے اپنے امرکین شردھا لوگوں کو بھگتی امرت پلانے کی غرض سے بھگتی مارگ کی زیادہ وضاحت کیساتھ تشریح و توضیح کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی باتیں جو بھگتی

یہی تمام اجزاء مذہبِ بعقیدت کے ہیں۔ یعنی ایک شخص فی خدا کا وجود، اس کا فضل و کرم، بعقیدت مند کا اپنے تئیں خدا کی پرستش اور محبت کے لئے وقف کر دینا، ذات اور فرقے کی تفریق کے بغیر سب کے لئے رہائی کا وعدہ، اور متصفانہ وصلؑ

بھگتی پر سہوؤں کی لکھی ہوئی صرف مندرجہ ذیل کتابیں مجھے مل سکیں :-
(۱) بھگتی - (دویک مالہ) پہلا موتی (مصنفہ سوامی دویکانند - مترجمہ شانتی نارائن مطبوعہ پنجاب پریس، لاہور - ص ۱۶۰ -

سوامی دویکانند نے بھگتی کے سلسلے میں جو کتابیں لکھی ہیں یہ اس کی پہلی کڑی ہے شروع میں بھگتی کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

بھگتی کے لکشن

”اپنے دل سے ہر طرح کی نمائش، پھل کپٹ، اور مکر و دیا کو دور کر کے سچے دل سے پریم تپا پر ماتما کی تلاش اور جستجو میں لگ جانے کو اصطلاحی طور پر بھگتی کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا پر بھو پر ماتما کے چرن کل میں لمحی یعنی نہایت ہی مختصر اور قلیل للعیاد و رغبت اور محبت سے ہوتی ہے جو رفتہ رفتہ نشوونما پاتی ہوئی اور ترقی کرتی ہوئی آخر میں لا محدود اور بے پایاں محویت اور محبت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایشور کے پریم میں یہ محویت و از خود رنگی ہی آخر میں دائمی نجات کا باعث، ذریعہ اور وسیلہ ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ دیورشی نارنجی نے بھی اپنے بھگتی سوتر میں فرمایا ہے۔

رسنکرت شلوک ”بھگوان کے چرنوں میں بیحد پریم اور پریت کا نام

ہی بھگتی ہے“ (پہلا انوفاک، دوسرا سوتر)

لے نہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر“ وانگریز کا من ۲۰۲۰ء

پہلو میں راسخ ہوتی ہیں، جیسے علم کی اس کے ذہنی، اور عمل کی اس کے ارادی پہلو میں نفسیاتی طور پر یہ ناممکن ہے کہ ان تینوں پہلوؤں میں سے کوئی ایک کسی مذہبی نظام سے بالکل مفقود ہو۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ کوئی ایک پہلو بہ نسبت دوسرے کے زیادہ نمایاں ہو اور تاریخ کے کسی دور میں دوسرے پہلوؤں پر غالب ہو جائے چنانچہ بھگتی کا چشمہ جو ویدک عہد میں ایک تپلی سی دھار کی صورت میں جاری ہوا وہ امتداد زمانہ کے ساتھ پورے ملک پر ایک سیلاب کی طرح چھا گیا۔

پرجوش عقیدت کا قدیم ترین صحیفہ بھگود گیتا ہے۔ کرشن کی تعلیم یہ ہے کہ صرف اس کے (یعنی خدا کے) ساتھ غیر متزلزل عقیدت رکھنے سے انسان اس تک پہنچ سکتا ہے۔ خدا ان تمام چیزوں کو قبول فرماتا ہے جو عقیدت کے ساتھ اس کے سامنے پیش کی جائیں، خواہ ایک تپتی، ایک پھول، ایک پھل ہو، خواہ صرف پانی۔ عقیدت کا مقصد یہ ہے کہ تمام اعمال اس کے لئے وقف کر دئے جائیں۔ کیونکہ سچے طالب اور پرستار اپنی ہستی خدا کی ذات میں رکھتے ہیں۔ خدا اپنے اپنے پایاں فصل و کرم اپنے پرستاروں پر نازل فرماتا ہے۔ گناہگار پرستاروں سے بھی وعدہ ہے کہ ان کا شمار نیکوں میں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ یکسوئی کے ساتھ عبادت کریں، نیز یہ وعدہ بھی ہے کہ وہ کبھی نیت و نالودنہ کئے جائیں گے۔ خدا کی نظر میں تمام پرستار برابر ہیں۔ خواہ وہ گناہ میں پیدا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اور خواہ وہ کسی ذات یا فرقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ عقیدت ہی کے ذریعے سے خدا کو دیکھا اور معلوم کیا جاسکتا ہے اور اس سے داخل ہوا جاسکتا ہے۔ سچا عقیدت مند خدا کا محبوب ہوتا ہے، یہی محبوب، کیونکہ خدا ہی باپ، شوہر، ماں اور دوست ہے۔

مولف۔ حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ راجہ جنک اس باغیچے میں واسطے تلاش گیان کے نہیں گیا تھا، اور جستجو واسطے تحصیل علم کے نہیں کرتا تھا۔ عنایت ربی سے کالمین کی باتیں اس کے کان میں پڑیں اور اس کے ذہن نے خود بخود اس کی حقیقت سمجھ لی۔ پس علم لدنی اسی طرح سے ثابت ہوتا ہے اور وہب یہی ہے جس کا ذہن رسا ہوتا ہے اور جو قوت ادراک کی قوی رکھتا ہے۔ وہ بات میں سے بات اور خاک میں سے لعل نکال لیتا ہے، اور جو غبی اور کنذہن ہوتا ہے۔ اس کو بیدار و شاستروں کے پڑھنے اور برہمنوں کے چرن و صودھو کر پینے اور تمام عمر لپچھٹیوں کے پاٹ کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔۔۔۔

(ص ۱۲)

بھگتی

اس باب کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ ہندو اپنے مذہب کو نجات کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے یہاں نجات حاصل کرنے کے تین خاص طریقے ہیں۔ ایک کرم، دوسرا دیھان، تیسرا بھگتی، بھگتی کے متعلق ڈاکٹر تارا چند اپنی تحقیقی کتاب ”ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر“ (انگریزی) میں لکھتے ہیں :-

”نجات کا تیسرا راستہ عقیدت اور بھگتی کا راستہ ہے۔ بھگتی کی تعریف مختلف طریقوں پر کی گئی ہے۔ مثلاً کسی شخصی دیوتا کی پوجا و محبت کے جذبے کے ساتھ کرنی، یا ایک شخصی خدا سے شخصی عقیدت رکھنی، اس سے ایسی محبت کرنی جیسی کسی انسان سے کی جاتی ہے، اُس کے لئے ہر شے کو وقف کر دینا اور اس کے

نہ کہ علم یا قوت یا با

(۷) ”الکھ امواج“۔ ”سری یوگ باسشٹ کا عطر“۔ مولفہ کنھیا لال الکھ دھاری مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ نسخہ قدیم۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ بڑی تقطیع ص ۸۶

”یوگ لبشٹ“ میں وہ نصیحتیں ہیں جو راجہ دسرتھ کے وزیر اور پیر و بہت لبشٹ جی نے بہ حیثیت اتالیق رام چند رجبی کو دی تھیں۔ اس میں حکایتوں کے ذریعے سے راجہ نیت اور ویدانت کے مضامین سمجھائے ہیں۔ ”الکھ امواج“ اس کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ خلاصہ ہے۔ مجھے پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ”الکھ امواج“ کے مختلف حصے۔ رسالہ ”ذخیرہ رفاہ عام“ کے ایک نمبر میں بھی ملے۔ تعجب ہے کہ اس رسالے پر نہ سنہ درج ہے نہ مطبع کا نام۔ ذیل کا اقتباس کتاب کے حصہ چہارم سے لیا گیا ہے۔ جو رسالہ مذکور میں شائع ہوا تھا۔

” معرفت کی دولت دو طرح سے ہاتھ میں آتی ہے۔ ایک راہ مشہور ہے، یعنی ارشاد مرشد اور بیدوں اور شاستروں کی تعلیم اور عمل نیک اور صحبت صالحین سے دوسری محض عنایت الہی سے کہ بغیر سعی و تلاش کے کسی کو نصیب ہووے، مثل اس میوہ کے کہ از خود اوپر سے درخت کے گریڑے۔ دوسری طرح سے جو بعضوں کو یہ دولت ہاتھ آتی ہے وہ اس حکایت کے مانند ہے۔

(حکایت) راجہ جنک موسم بہار میں باغ کی سیر کو گیا تھا۔ باغ کے ایک چمن میں سات صاحب کمال باخود بات کرتے تھے۔ راجہ نے پوشیدہ ان کی باتیں سنیں۔ ایک نے کہا کہ میں جس لذت کا طالب ہوں یہ مقابلہ اس کے لذت اس کی کہ معشوق جمیل و نوجوان و لطیف مزاج سے ایک مدت ہم آغوش رہے اور ہفت اقلیم پر فرماں روا لگی کرتا رہے اور تندرستی اور خوبصورتی اور دولت مندی، ذرہ ہے۔ دوسرے نے کہا کہ جو بہرہا اور لیشن اور دوسرے اعلیٰ ہے۔ اور جس سے تمام موسوم اور موہوم بنے ہیں، میں اُس

کا طالب ہوں (ص ۸، ۹)

سمجھے گا کہ بھگوان پتنجلی کی تعلیم کیسی پرمغز، حکیمانہ، مثالی اور مفید مطلب ہے۔ جبنا
 سمجھے گا فلسفہ یوگ کی حقیقت کھلے گی اور مضمون میں دل چسپی بڑھے گی۔ دوسرے
 حصے میں بھگوان پتنجلی کے یوگ سوتریں۔ ان کی نسبت سوامی لکھتے ہیں کہ
 ترجمہ آزادانہ دیا گیا ہے اور شرح سرسری کر دی گئی ہے حقیقت میں سوامی
 نے یوگ سوتروں کا جو ترجمہ دیا ہے۔ وہ بعض مقامات پر بہت ہی آزادانہ
 ہے اور پرانے سنسکرت شارحوں کے معنی سے نہیں ملتا.....“

(۶) ”گیان یوگ“۔ ”برہم گیان پر سوامی دوپکانند کے لکچروں کا ترجمہ“ از منشی سورج نارین
 تہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی۔ ۱۹۱۳ء ص ۳۲۰۔

مترجم نے ان لکچروں کا تعارف اس طرح کر لیا ہے:-

”۱۹۰۳ء میں شہر شکاگو واقع امریکہ میں مذاہب کی ایک بڑی بھائی پار
 یا مجلس منعقد ہوئی تھی جس میں دنیا کے ہر مذہب کے وکلاء ہر ملک سے شریک
 ہوئے تھے۔ مہاراجہ کھیتری نے جن کی ریاست صوبہ برار اس میں واقع
 ہے سوامی دوپکانند کو ہندو دھرم کی توجیح کے واسطے ہندوستان سے
 امریکہ بھیجا..... جب پارلیمنٹ کے جلسے ختم ہو گئے تو امریکہ کے
 مختلف شہروں اور مختلف جماعتوں نے سوامی کو بلا دے دئے کہ آئیے اور
 برہم گیان پر لکچر دیجئے چنانچہ بعض شہروں میں سبک لکچر ہوئے۔ بعض جگہ
 ویدانت کی انجمنیں منعقد ہوئیں۔ بعض مقاموں میں جماعتیں کھولی گئیں سوامی
 سب جگہ جاتے اور لکچر دیتے۔ امریکہ میں جب پرچار کارنگ جم گیا تو سوامی
 نے انھلستان کا رخ کیا اور یہاں آکر سبک لکچروں اور پارلیمنٹ جماعتوں
 کے ذریعہ سے ویدانت کا پرچار کرنے لگے۔“

اس کتاب میں سولہ (۱۶) لکچر ہیں۔

(۷) ”دھیان“ کے معنی ہیں دھارتا کی دھار برابر ایک رس جاری رہتی۔ پس دھار ناگوار اگر نقطہ فرض کیا جائے تو یوں سمجھو کہ دھیان خط کی مانند ہے۔

(۸) ”سادھی“ کے معنی ہیں ترو دھ کی حالت کا ہم پہنچنا، یعنی برتیوں کا تمام پھیلاؤ سمٹ جانا اور سروپ میں قیام کالقیب ہونا“ (ص ۱۷، ۱۸)

(۹) ”یوگ درشن“ مع شرح از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس دہلی، ۱۹۱۲ء ص ۱۴۳۔

دیباچے میں یوگ کے فائدے اور اس کتاب کی خوبیاں ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
 ”فقیہ مہر کی نظر میں یوگ نہایت ہی پیارا اور بکار آمد فلسفہ ہے! اس میں اخلاقی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے کی ہے۔ اس میں اضطراب قلب کو دور کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس میں شانتی اور اطمینان و تسکین کی راہیں دکھائی گئی ہیں اس میں سادھی کی حالت ہم پہنچانے کے وسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بھگوان تنجلی سانکھیہ شاستر کے ماننے والے ہیں، لیکن یہ پیارا شاستر صرف سانکھیوں کے لئے ہی نہیں ہے، بلکہ کرم کی راہ پہ چلنے والوں بھگتوں اور گیانیوں کے واسطے بھی یکساں مفید ہے۔ اس واسطے سب کو پڑھنا چاہئے.....“

(۵) ”راج یوگ“ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء (ص ۲۰۰)۔ دیباچے میں جناب مہر لکھتے ہیں:-

”یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک میں یوگ کی تعلیم پر لکچر ہیں جو سوامی (دو دیکانند) نے نیویارک میں جگیا سوؤں کی ایک جماعت کے سامنے دئے تھے۔ یہ نہایت ہی دل چسپ، مفید، اور یوگ کے مضمون پر صاف روشنی ڈالنے والے لکچر ہیں جو شخص انہیں پڑھے گا وہ آئینہ کی طرح صاف صاف

کو سادھی کی حالت کہتے ہیں۔ سادھی لوگ کی معراج ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ سادھن ہے۔ اسی سادھن کی حالت سے سات درجے بھگوان تنجلی قائم کرتے ہیں۔ آٹھویں حالت سادھی ہے۔ اس طرح گویا لوگ کے آٹھ انگ یا حصے ہوئے۔ انھیں کوشٹانگ، یوگ، یعنی آٹھ حصے والا یوگ کہتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تجل طور پر ان آٹھوں انگوں کی تعریفیں بیان کر دی جائیں۔ ہر ایک کا مفصل بیان آگے دیا جائے گا۔ آٹھوں انگ مندرجہ ذیل ہیں:-

یم، نیم، آسن، پیرانیام، پرتیاہار، دھارنا، دھیان، سادھی،

(۱) "یم" کے معنی ہیں روکنا۔ یعنی خاص باتیں من کو نہ کرنے دینا۔ بھگوان تنجلی ان کی تعداد پانچ بتاتے ہیں۔

(۲) "نیم" کے معنی ہیں عہد کر کے کرنا، یعنی خاص باتیں عہد کر کے رزمہ کرتے رہنا۔ ان کی تعداد بھی پانچ ہی مقرر کی گئی ہے۔

(۳) "آسن" کے معنی ہیں عجز نشست۔ یوگی کو چونکہ ایجیاس کے واسطے بیٹھنا پڑتا ہے اس واسطے ایسے عجز نشست کی خاص ضرورت ہے کہ وہ آرنہم سے بیٹھ کر ایجیاس کر سکے اسے آسن کہتے ہیں۔

(۴) "پیرانیام" کے معنی ہیں پرانوں کا روکنا۔ یہ آتے جاتے سانس کے روکنے سے شروع کیا جاتا ہے۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ جو سوشم یا لطیف قوتیں جسم خاکی کو حرکت دے رہی ہیں، ان پر قابو حاصل ہو جائے۔

(۵) "پرتیاہار" کے معنی بدلتا ہیں، یعنی اندریوں کو من کی صورت میں اس طرح بدل ڈالنا کہ کھٹو بواکان آواز نہ سن سکے، کھلی ہوئی آنکھ رنگ و صورت نہ دیکھ سکے، غرض اندریوں بشیوں سے متاثر نہ ہونے پائیں۔

(۶) "دھارنا" کے معنی ہیں من کو ایک نقطے پر اس طرح قائم کر لینا کہ وہاں سے ہلنے جلنے نہ پائے بلکہ وہیں الٹا رہے۔

سفید بلور کا رنگ، چھپ کر وہ پتھر بھی سرخ یا زرد وغیرہ جس رنگ کا پھول ہو اسی رنگ کا معلوم ہوتا ہے۔ اور جب وہ پھول علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ تب وہ بلور بدستور جیسے کا تیسرا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح درجہ غایت کے شفاف شدہ ست آتما کے قریب چیت کی برقی ولے نوع بنوع کے خیالات کے ہونے سے آتما بھی نوع بنوع کا معلوم ہوتا ہے۔ اور جب چیت میں سے خیالات دور ہو گئے تب آتما اپنے سروپ سے ظاہر ہوتا ہے۔“ (ص ۱، ۲)

(۲) ”یوگ سارا اردو“:- مطبوعہ میکی پریس، گوجرانوالہ ۱۹۰۹ء ص ۴۰۔

”جس میں نہایت مختصر طور پر یوگ ودیا کا دلکش منظر دکھایا گیا ہے۔ مولفہ متہ جے سوامی رامانند سادھو سنیاسی۔“

”اتماس از مولفہ“ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:-

”اس میں کلام نہیں کہ اس زمانے میں یوگ ابھیاس کے عامل گرو بہت مشکل سے دستیاب ہو سکتے ہیں، اور یہ ودیا غیر گروسدھ ہونی مشکل ہے۔۔۔۔۔۔ یہ ودیا نہایت ہی کٹھن اور درلجھ ہے۔ بہت سے مہاتماؤں نے اس پر گزرتھ بھی تھینف کے ہیں۔ مگر چونکہ وہ سب کے سب دیوناگری میں ہیں۔ اردو خواں اصحاب ان کو نہیں سمجھ سکتے اور بے بہرہ ہی رہتے ہیں۔ اس تکلیف کو محسوس کر کے محض اردو خواں اصحاب کے لئے میں نے اس پستک کو تیار کیا ہے۔ اس میں اشٹانگ یوگ کے جو آٹھ انگ یم، نیم، آسن، پرائانیام، پرتیار، دھارنا، دھیان، سادھنی، ہیں ان پر بھی دیا گیا کی گئی ہے۔۔۔۔۔“

(۳) ”اشٹانگ یوگ“:- از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی۔ ۱۹۱۵ء ص ۲۶۴۔

”باب اول۔ دوسری فصل اشٹانگ یوگ کیا ہے؟

”یوگ کے معنی ہیں تمام برائیوں کا پھیلاؤ سمٹ کر نروندہ کی حالت کا ہم پہنچنا اسی

یوگ یوگ پر اردو میں جو کتابیں ہندوؤں نے لکھی یا ترجمہ کی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل مجھے مل سکیں:-

(۱) یوگ ساشتر:- مطبوعہ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ۔ ۱۹۰۰ء ص ۱۰۰۔ سرنامے پر یہ عبارت درج ہے:-

”مہرشی یتجنجی کے یوگ سوتر کا اردو ترجمہ مع اصل دونوں وضمیمہ اس میں یوگ کے اصول و تراکیب مفصل سمجھائے ہیں اور اس کی مختلف اقسام کا بھی بیان ہے۔ بالو پیارے لال زمین دار بروٹھالے ہرگتوں کے واسطے تیار کرایا۔“

ترجمے اور نوٹ کا نمونہ حسب ذیل ہے:-

”۱۔ یوگ کے اپدیش کو شروع کرتے ہیں۔

۲۔ (سنسکرت عبارت) چت کی برتی ضبط کرنے کا نام یوگ ہے۔

نوٹ:- متزلزل خیالات کے ساکن ہو جانے کا نام یوگ ہے، اور متزلزل خیالات کو چت کی برتی کہتے ہیں۔

۳۔ (سنسکرت عبارت) چت برتی ضبط ہونے کے بعد درشتا آتما پرش اپنے

خاص شانت سروپ میں مستقل ہوتا ہے۔

نوٹ:- متزلزل خیالات کے ساکن یعنی چت برتی نروددھ ہو جانے پر دھیم کے

اندربود دیکھنے والا اور گواہ ساکشی جیتن آتما کا ہے۔ اپنے بے عیب سروپ خاص میں مقام ہوتا ہے۔

اس موقع پر اس کی تمثیل یتجنجی رشی اور اس کے مطابق بجاش کاروں نے لکھی ہے

کہ جیسے بلور پتھر اصلیت میں صاف شفاف سفید درجہ غایت کا ہے۔ مگر اس بلور کے اوپر انہٹا قریب جب کسی رنگ کا پھول (مثلاً سرخ رنگ کا گودھڑا کا پھول) رکھا ہوتا ہے، تو اصلی رنگ

”کتاب پنچ دشی، یعنی پندرہ باب کی کتاب ویدانت میں نہایت مستند اور ہر دماغ پر اور شری بدیارنیہ سوامی کی بہترین کتاب ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کو پیش نظر رکھ کر سوامی نشیمل داس جی نے اپنی کتاب پچار ساگر مرتب کی ہے جس طرح ہندی میں ویدانت پڑھنے والے پچار ساگر سے شروع کیا کرتے ہیں اسی طرح سنسکرت میں زیادہ تر یہ کتاب شروع کی جاتی ہے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ جامع بھی ہے اور آسان اور عام فہم بھی۔ اچاریہ بحث و مباحثہ بھی دیتے ہیں اور سدھانت بھی۔ نہ محض خشک منطقی دلائل پر انحصار رکھتے ہیں نہ صرف اپنی نشر و تبلیغ کے لیے سندا پیش کرنے پر۔ کتاب اس طریق پر لکھی ہے کہ ویدانت کے تمام و کمال مضامین بھی آگئے ہیں اور وہ پڑھنے میں بھی گراں نہیں گزرتے ساتھ ہی نہ بہت طوالت ہے نہ بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔“

(۱۰) ”جیون مکتی“ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۲۵ء ص ۱۸۰۔

سوامی بدیارنیہ کی اس کتاب میں ویدانت کے علمی سادھنوں کا بیان ہے۔ جناب مہر ”تمہیدی مضمون“ میں لکھتے ہیں :-

یہ کتاب جیون مکتی ”جواب ہر یہ ناظرین کی جاتی ہے۔ چھ سات سو برس سے ویدانت کی کتابوں میں نہایت ہر دل عزیز ہے۔ بدیارنیہ سوامی تیسویں صدی میں ہوئے ہیں۔ گزشتہ ایام میں ان کا نام ساین اچاریہ تھا اور ریکارایا، راجہ بیجا نگر کے وزیر تھے۔“

(۱۱) ”ویدانت“ کے نام سے اردو میں ایک اور کتاب ۱۹۲۴ء میں مرکنٹائل پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی جس کے صفحات کی تعداد (۱۶۰) ہے۔ مولف کا نام رام موہن کھیش ہے۔ اس کی زبان عام فہم نہیں ہے۔ عبارت میں بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار ہے۔

واسطے اشعار پر ہند سے دے دئے ہیں۔ مصنف مہاتما ایک داد و بخشی سادھو تھے۔ دہلی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ بنارس میں پڑھے تھے اور سمت ۱۹۲۰ بکری میں دہلی میں مرے تھے۔ ” (ص ۴)

(۶) منشی سورج نرائن مہر نے سوامی ودیکانند کے لکچروں کا ترجمہ بھی اردو میں کیا ہے۔ عملی ویدانت کے عنوان سے اس سلسلے کا پہلا حصہ ۱۹۱۷ء سیوک اسٹیٹم پریس، لاہور، میں (۱۴۰) صفحات پر چھپا تھا۔ اس مجموعے کے لکچروں کے موضوع یہ ہیں:-
علم و عمل۔ عبادت کس کی اور کیونکر کرنی چاہئے۔ محدود و غیر محدود۔
کا تعلق۔ وید اور ویدانت۔

(۷) اسی سلسلے کا دوسرا حصہ منشی صاحب موصوف نے ”عملی ویدانت اور لاہور لکچر“ کے نام سے ۱۹۱۷ء میں سادھو پریس، دہلی سے شائع کیا۔ اس کے صفحات کی تعداد (۱۴۲) ہے یہ سوکھا ودیکانند کے اکیس لکچروں کا مجموعہ ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:-

مذہب کی ضرورت۔ عالم گیر مذہب کا آدرش، انسان حقیقی و نمودی (نیویارک لکچر)
انسان حقیقی و نمودی (لندن لکچر)، مایا اور بود نمودی، مایا اور ارتقا کے خیال خدا، مایا اور آزادی۔ برہم اور شکتی، کائنات عالم کبیر، کائنات عالم صغیر، تنازع، بجائے دھام یا لاقائیت۔ خدا ہر چیز میں ہے، آتم انوار یا کشف ذات، کثرت میں وحدت، آزادی روح عملی ویدانت، علم عملی ویدانت، عبادت کس کی اور کیونکر کرنی چاہئے۔ عملی ویدانت ۲ محدود اور غیر محدود، عملی ویدانت ۳ محدود و غیر محدود کا تعلق۔ ویدانت (لاہور لکچر)

آخری پانچ لکچر پہلے حصے کے ہیں جو اس مجموعے میں بھی شامل کر دئے گئے ہیں۔

(۸) چہل درویش۔ گیان دیبان کی کہانیوں کا مجموعہ۔ از منشی سورج نرائن مہر۔

دہلی۔ مطبوعہ ہندوستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس دہلی۔ بار دوم۔ ۱۹۲۴ء ص ۶۵
سنسکرت میں حکمت و دانش کی متعدد کتابیں مثیل انداز میں لکھی گئی ہیں تاکہ ان

۱۹۲-۹۷	یا "تبیخ عرفان"	دوسرا ترن - شت شلوکی
۲۵۰-۱۹۳	یا "کشف ذات بے دوی"	تیسرا ترن - ادویت انوبھوتی
۲۷۲-۲۵۰	یا "مہا داکیکہ کے معنی"	چوتھا ترن - داکیکہ ہرتی
۲۸۰-۲۷۳	یا "گہر زہیل"	پانچواں ترن - موہ مدگر
۳۲۶-۲۸۱	یا "توہنج ذات"	چھٹا ترن - سواتم نروپن
۳۷۴-۳۲۷	یا "امرت بانی"	ساتواں ترن - داکیکہ مدھا
۴۱۴-۳۷۴	یا "عرفان ذات"	آٹھواں ترن - آتم بودھ
۴۴۸-۴۱۴		نواں ترن - دیدانت ستوتر

(۵) اردو بچار ساگر "سوامی نشچل داس کی مشہور و معروف کتاب کا آسان اور عام فہم اردو میں ترجمہ مع تشریحات و حل مشکلات از منشی سورج نارائن مہر دہلوی مطبوعہ سادھو پریس، دہلی، ۱۹۱۳ء - ص (۲۵۰)

اس کتاب اور اس کے مصنف کے متعلق منشی سورج نارائن لکھتے ہیں:-

"سوامی نشچل داس کی یہ ہندی کتاب نہایت ہی ہر دھرم پر ہے کیا سادھو اور کیا معمولی گہرستی آدمی زیادہ تر اسی کتاب کو پڑھتے ہیں۔ اس میں دیدانت کے تمام و کمال مضامین لئے گئے ہیں اور صاف ہندی میں عام فہم طریق سے دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے یہ کتاب لکھی ہی اس غرض سے تھی کہ سنسکرت سے نادان و آدمی دیدانت کے اپنے فلسفیانہ مسائل ہندی میں پڑھ اور سمجھ سکیں۔ اس لئے ہر مضمون کو صاف اور عام فہم لہاس میں دیا ہے جہاں نئی اصطلاحیں آئی ہیں ان کو بار بار دہرایا ہے۔ جہاں دلیل ذرا پیچیدہ ہے۔ تمثیل و تشبیہ سے اس کو کھول دیا ہے۔۔۔۔۔۔ بچار ساگر نظم کی کتاب ہے مصنف نے خود اس پر نثر میں شرح لکھی ہے۔ میں نے نظم کا ترجمہ نثر میں کیا ہے مگر بھی ان کے

اور قناعت، غم، رحم، سادگی، شائقی اور ضبط نفس کا سیوا ان امرت کی طرح نہایت عزت کے ساتھ کر۔۔

”بشے بش یعنی زہر کی طرح باعث ہلاکت ہیں۔ زہر کا علاج امرت ہے پس بشیوں کے زہر کا اثر دور کرنا ہے تو قناعت یعنی سنتوش، غنوی یعنی چھما، رحم دلی، من کے شتم اور اندریوں کے دم کا امرت پی۔ دیکھ بشیوں کی خواہش پیدا کیونکر ہوتی ہے۔ پس اسی طرح کہ فلاں شخص کے پاس روپیہ ہے، ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس کا علاج سنتوش ہے۔ فلاں نے ہماری مذمت کی ہے یا بُرا بھلا کہا ہے، اس سے عوص لینا چاہئے۔ اس کا علاج غنوی یا چھما ہے یہ روپیہ ہمارا ہے۔ ہم اسے کھائیں۔ غریب و محتاج و ضرورت مند کو کیوں کیا اس کا علاج رحم ہے۔ ہم بڑے آدمی ہیں یہ لحاظ ذات، علم، زر، جاہ و مناب، کیوں کسی سے نیچے ہو کر چلیں۔ اس کا علاج سادگی ہے۔ من بشیوں کی طرف دوڑتا ہے اور اندریاں اسے گھسیٹ کر لے جاتی ہیں۔ ان دونوں کا علاج شتم اور دم ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے آدمی سے بیشے و اسنا چھوٹتی ہے اور وہ راہ ترقی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔“ (ص ۵۵-۵۶)

(۴) دیدانت کے رتن۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء (ص ۴۴۸)

منشی سورج نرائن ہمارے دو کا ایک مذہبی رسالہ ”سادھو“ دہلی سے نکالتے تھے۔ اس میں منناین کے علاوہ کبھی کبھی وہ سنسکرت کی مذہبی کتابوں کو بھی ترجمہ کر کے شائع کرتے تھے۔ چنانچہ ”دیدانت کے رتن“ کے عنوان سے جو مجموعہ انھوں نے شائع کیا تھا وہ دیدانت کے مندرجہ ذیل نو رسالوں پر مشتمل ہے:-

پہلا رتن۔ اپروکش انوبھوتی یا مکشف ذات

کے مضمون پر تحریر شدہ کتابوں میں سب سے قدیم آپ نشد کے شروع میں ہی ملتا ہے کہ ”اس دنیا میں جو کچھ کمی ہے اور جہاں کہیں کمی ہے وہ سب ہی برہم سے یعنی برہم سے پُر ہے۔“ بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں پر بھروسہ کر کے نیند کی لالچ میں نیکی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے نہیں، بلکہ دنیا کی ہر چیز میں ایشور کی طاقت اور اس کی رستی کو حاضر و ناظر سمجھ کر ہیں تمام سنسار کو برہم سے بھر پورا دیکھنا چاہئے، اور اس طرح ہیں سنسار کا تیاگ کر دینا چاہئے۔ سنسار تیاگ دینے کے بعد کیا رہ جائے گا۔ برہم، صرف برہم“ (ص ۷۴)

(۱۴) دو ایک چوڑا منی معروف بہ ”رۃ التلج عرفان“۔ از فشی سورج نرائن مہر دہلوی مطبوعہ سادھو پریس، دہلی۔ ۱۹۱۶ء۔ ص (۲۵۶)

مہر صاحب ”تہیدی مضمون“ میں کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

”یہ کتاب جواب دی جاتی ہے ویدانت کی کتابوں میں بڑا اونچا درجہ رکھتی ہے..... کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف بھگوت پوجیہ پادشری شنکر آچاریہ ہمارا ج ہیں۔ مگر یہ تپہ لگانا مشکل ہے کہ یہ وہی شنکر سوامی ہیں جنہوں نے برہم سوتروں اور آپ نشدوں اور شری بد بھگوت گیتا پر بھاشہ لکھے ہیں یا ان کی چار گدیوں پر جو آچاریہ اوقات مختلفہ پر بیٹھے اور شنکر آچاریہ کہلاتے رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کی تصنیف سے ہے۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس میں تمام و کمال ویدانت کا فلسفہ ہے۔ اور ایسے اچھوتے خیالات کے ساتھ کہ تعریف نہیں ہو سکتی.....“ (ص ۵)

اس کتاب کے ایک اشلوک کا ترجمہ اور اس کی شرح ذیل میں درج کی جاتی ہے:-
اشلوک نمبر ۸ ”اگر تجھے خواہش نجات ہے تو بیشیوں کو بیش یعنی زہر کی طرح دور ہی سے چھوڑ،

مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) دیدانت فلاسفی: دیدانت کیا ہے۔ دیدانت سے کیا مراد ہے۔ اس کی قسمیں۔ اس کی اصلیت وغیرہ پر سلیط بحث۔ از بابوشیو برت لال درسن۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور میں ۳۶۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ بابوشیو برت لال لکھتے ہیں۔

”دیدانت کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی فرض کی ہوئی محدود شخصیت کے خیال کو بھول جاؤ اور اس قدر وسیع النظر اور وسیع الخیال بن جاؤ کہ کسی طرح کی تنگی، کوتاہ نظری کا خوف نہ رہے۔ اور یہی تمہارا اصلی روپ ہے۔ اب دیکھو یہی صولح کریم کا نڈھی کی ہے۔ وہ کریم بلا کسی معاوضے کے تمام دنیا کی بھلائی کے لحاظ سے کرتا ہے۔ اس کا دل اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ اس میں کل کائنات کی ہمدردی کی گنجائش رہتی ہے۔ وہ اپنی تنگ شخصیت کو بھول کر تمام سنسار کو اپنا روپ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح آپا سنایا عبادت و بھگتی کا آدرش یہ ہے کہ بھگت اپنے آپ کو بھگونت کی ذات میں محو کر دے جو محیط کل ہے۔ گیانی بھی یہی کرتا ہے۔ وہ سارے بھگت کو اپنے سے مختلف نہیں سمجھتا۔“ (ص ۱۸)

(۳) بھگتی اور دیدانت۔ مصنفہ سوامی وویکا نند جی مترجمہ شانتی نارائن۔ میعد عام پریس لاہور (ص ۱۲۰۰)۔ اس کتاب میں سوامی وویکا نند نے ”دیدانت کا مقصد“ اس طرح بیان کیا ہے:-

”دیدانت در حقیقت اس جہان کو نظر انداز نہیں کرتا۔ ترک اور تیاگ کے اس نصب العین نے دیدانت سے زیادہ بلند مرتبہ اور کہیں بھی نہیں پایا۔ مگر پھر بھی دیدانت یہ تعلیم ہرگز نہیں دیتا کہ بد مزگی اور بے لطفی کے ساتھ خود کشی کر لی جائے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ سنسار کو برہم سے یعنی برہم سے بھرا ہوا دیکھو یہ دنیا جیسی نظر آتی ہے، جسے تم عالم حقیقت سمجھتے ہو اسے بھول جاؤ اور حقیقی عالم حقیقت کو چھو جو برہم سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ذرے ذرے کو سرسبز برہم سے پُر دیکھو۔ دیدانت

پریس، جالندھر میں چھوٹی تقطیع کے (۳۶۸) صفحات پر ۱۹۳۹ء میں چھپی تھی۔ شروع میں ایک دیباچہ نواب سر امین جنگ کے قلم سے ہے۔

”اُپ نشدوں کی پھلواری کا نفیس ترین پھول یعنی سواہنگ اسی (وہ میں ہوں) کے عنوان سے بھاگ مل سائنی لکھتے ہیں:-

”آج تک برہم کو کسی نے ایسا کر کے نہیں دیکھا کہ یہ برہم ہے۔ اور یہ میں دیکھنے والا ہوں۔ یعنی بطور معلوم کے اُسے کبھی دیکھا نہیں جاسکتا۔ بطور معلوم کے دیکھنے والا شخص دہو کے میں ہے۔ چونکہ تم خود ہی برہم ہو اُسے اپنی ذات سے علیحدہ کر کے کیونکر دیکھ سکتے ہو..... جب تک حضرت انسان میں مکمل روحانی بیداری نہیں آتی اس وقت تک وہ حسی اور ذہنی طبقے کا ہی نو اسی رہتا ہے۔ وہ اُپ نشدوں کی سدا بہار پھلواری کے نفیس ترین پھول ”سواہنگ اسی“ کی خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو معطر کرنے کے ابھی بالکل ناقابل ہے۔ وہ اس وہم میں ہوتا ہے کہ میں ناقص ہوں، وہ پاک ہے۔ اپنے آپ کو، وہ میں ہوں“ سمجھنا حقیر مگر کو کرشن سمجھنے کے مصداق ہوگا۔ ذرے کی کیا بساط کہ پہاڑ ہونے کا دعویٰ کرے۔ ناچیز قطرے کی کیا عجاہل کہ بحر بیکراں ہونے کا دم بھرے حقیرانگہ کی کیا طاقت کہ آفتاب تاباں کی تاب لا سکے۔ وہ کبیر قدیر دنیا کو پیدا کر کے اس کو اپنے نظام میں رکھتا ہے۔ میں چیونٹی کو پیدا یا فنا نہیں کر سکتا۔ وہ چشمہ در ہے، میں دکھی ہوں۔ وہ ہمہ دان اور عقل مگل ہے، میں قدم قدم پر غلطیاں کرتا ہوں۔

چہ نسبت خاک را با ہستی پاک ” (ص ۳۴۶)

(۴) معیار المکاشفہ، حصہ اول۔ ترجمہ چھاندوک اُپ نشد از باد انگینا سنگھ بیدی مطبوعہ آنند پریس، لاہور۔ ضخامت ص (۱۲)

ویرانت | ویرانت پر اردو میں متبرک دکتا میں ہندوؤں نے لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض

”وید میں بار بار لکھا ہے کہ برہمہ گیان کے بدون یہی بلا خدا شناسی خود شناسی کے کتنی (دنیا سے نجات) نہیں ہوتی، اور جب خودی محو ہو تو اودیت (وحدت) ایک برہمہ ہمارے جاتا ہے۔ اس کا نام برہمہ گیان (علم الہی) ہے۔ اس برہمہ گیان کا تین مراتب کی تعمیل سے حصول ہوتا ہے۔ اول میک (تیسرا) دوم بیراگ (ترک ہمس) سویم دم (محسوسات اور قلب کو قابو میں کرنا اور مکشتا (نجات) کی خواہش)۔ اور ان تینوں بیک، بیراگ، وغیرہ کا حصول تب ہوتا ہے جب اُن کے حصول سے پہلے چت (دل) تمام آلائش سے پاک و مستقل ہو جاتا ہے اور جب یہ دل کی صفائی و مستقلی نیک افعالی و عبادت سے ہوتی ہے۔ اس طرح یہ سب لازم طرہ منزل بہ منزل یکے بعد دیگرے ہیں۔ یعنی سب سے پہلے نیک افعالی (سچہ کرم) جس سے صفائی قلب (انتہہ کرن کی شدھی) اور نیز عبادت (دکٹی) جس سے دل مستقل ہو۔ پھر بذریعہ مستقل دل کے محسوسات اور قلب کے چت کی برقی، اندیشہ مراتبات ہر سہ زمانہ ماضی، حال، مستقبل کا ضبط کرنا اور تمام نیک، و بد کی تمیز کر کے سب اشیائے دنیوی کو دنیا کے نام سے ترک کر کے ایک آتما برہمہ روپ بنانا۔ تب خودی (میں میری) تین تیری) تمام تر کاکورم ہو کر صرف برہمہ سروپ رہ جانا۔ اس کا نام برہمہ گیان ہے اور ایسے گیان سے کتنی رنجات از دنیا حاصل ہوتی ہے جس کو دینے بار بار کہا ہے اور اس بنا پر وید میں پہلے کرم کا بڑا مثل درخت، پھر بھگتی کا بڑا مثل پھول، اور اخیر پر گیان کا بڑا مثل پھل کے کہا ہے۔“ (ص ۵۶)

(۳) پیام راحت (امر کتھا) یعنی ایسا واسیہ اپ نشد کے پہلے آٹھ منتروں کا مشر ترجمہ، یہ ایک بہت دلچسپ کتاب ہے جس میں بھاگل مل سائینی نے اپ نشد کے بعض منتروں کے مطالب پاکیزہ زبان اور دل نشیں انداز میں بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب الکٹرک

” منتر ۱ :- اس دینائے مبتدل میں ہر ایک بدلنے والی چیز کو اس نظر سے دیکھو کہ سب میں ایشور بسا ہوا یا دیا پک ہے۔ جگت روپ سے تیاگ کر ایشور روپ انوبھو کرو۔ کسی کے مال کا لالچ نہ کرو۔“

ادپر کا ترجمہ محاورے اور ذرا تشریح کے ساتھ ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہے کہ :-

” اس دنیا میں جتنی بدلنے والی چیزیں ہیں وہ سب ایشور سے بسائے کے لائق ہیں۔ اس سے تیاگ کر بھوگو۔ کسی کے مال کا لالچ نہ کرو، یا لالچ نہ کرو کیونکہ مال کس کا ہے۔“

سب سے پہلے آخر عمل کو لو۔ مال سے مراد صرف روپیہ نہیں ہے، بلکہ دولت و عزت، عظمت و ثروت، کھانا پینا، سواری و لباس، زن و فرزند، مکان وغیرہ۔ جاں نداد، غرض جن چیزوں میں دنیا داروں کو دل بستگی ہوا کرتی ہے، سب مواد ہیں۔ شرتی بھگوتی کہتی ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی دل بستگی نہ کرو۔ یعنی سب سے بیراگ پیدا کرو، کیونکہ یہ کسی کی بھی نہیں ہیں۔ محض خواب کی سی صورتیں ہیں کہ ابھی ہیں ابھی نہیں۔ دم کے دم میں امیر مغلس بن جاتے ہیں، با اختیار آدمی کس دے بس ہو جاتے ہیں، تنہا اور صحت مند بیمار ہو کر مر جاتے ہیں.....

... ایسی ناپائیدار چیزوں میں کیلول لگانا جن کا نتیجہ دکھ ہی دکھ اور آواگون کے ہنڈولے میں چکر کھانا ہے، اور خاک نہیں۔ پس اول اشیائے دنیا کی طرف سے دل میں بیراگ پیدا کرنا چاہئے جو گیان کا پہلا قدم ہے..... (۱۰ ص ۴۰)

(۲) ”مجموعہ اپنشد“ کے نام سے بارہ اپنشدوں کا مجموعہ اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ بابو پیارے لال نے مرتب کرایا تھا جو سنہ ۱۹۳۹ء میں (۲۳۹ صفحات پر) دیا ساگر پریس، علی گڑھ میں طبع ہوا۔ اس کے ایک مقام کا اقتباس حسب ذیل ہے۔ تو سین کے الفاظ بھی مترجم کے ہیں۔

دلے نور کل پر ماتما کی صدق دل سے عبادت کرنی چاہیے۔“ ص (۱۷۱)

اُپ نشد (۱) منشی سورج نرائن مہر دہلوی نے اُپ نشد کی شرح چار جلدوں میں لکھی ہے جو ۱۹۱۴ء لغاتہ ۱۹۱۷ء میں علی الترتیب ۳۳۶ - ۴۲۸ - ۱۱۶۸ اور ۳۵۲ صفحات پر سادھو پریس، دہلی، میں چھپیں پہلی جلد میں ”تہیدی مضمون“ کے زیر عنوان اُپ نشد کے معنی سمجھائے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

”لفظ اُپ نشد کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ اس کا مادہ یا دھاتو سد ہے۔ اُپ یہ معنی قریب اور فی بہ معنی بالکل۔ دو اُپ سرگ ہیں تختیں انگریزی میں پریوڑزین اور زبانی فارسی، اردو میں حروف جار کا نام دیا جاتا ہے۔ سد چار معنی میں مستعمل ہے۔ ہلاک کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا، چلنا، اور میٹھنا۔ پہلے دو معنوں کے لحاظ سے اُپ نشد وہ بدیا یا علم ہے جس سے دنیا کا داہمہ باطل یعنی اگیان ناش ہو جاتا ہے یا اس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں۔ دوسرے دو معنوں کے لحاظ سے اُپ نشد وہ گیان ہے جو گورو کے پاس جا کر یا بیٹھ کر لیا جاتا ہے۔ اہل یورپ سد کے معنی زیادہ تر بیٹھنے کے لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں اچار یہ لوگ چیلوں کی جماعتوں کو بنوں میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔ اس واسطے اس بدیا کو اُپ نشد کہنے لگے۔ مجازاً اُپ نشد کے معنی راز خفی کے لئے جاتے ہیں اور اس کا اطلاق برہم بدیا پر ہوتا ہے چونکہ بعض کتابیں اسی برہم بدیا سے متعلق ہیں۔ اس واسطے اول اول ان کا نام اُپ نشد پڑا اور بعد میں اُپ نشد کا اطلاق صرف انہیں کتابوں پر ہونے لگا۔ وہ بدیا کا پہلا اطلاق جاتا رہا اب اُپ نشد یہی کتابیں کہلاتی ہیں۔ ان میں سے دس بہت قدیم ہیں جن پر بھگوت پوجیہ پانڈیتر شکر اچار نے شرحیں لکھی ہیں۔ ان میں ایسا واسیہ سب سے پہلا اُپ نشد ہے (۲) اس کے بعد اصل شرح یوں شروع کی ہے:-

(۳) سوامی دیانند نے مجر وید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ جو (۴۳۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ دھرم پال نے کیا تھا اور روز بازار اسٹیم پریس، امرتسر میں چھپا تھا۔ سند طباعت درج نہیں۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے :-

منتر ۱ :- اے کمار اور کماریو! جس طرح میں اعلیٰ عالم و فاضل کو اس لئے گرہن کرتا ہوں تاکہ اس سے علم کی دولت حاصل کروں، جسمانی اور روحانی طاقت پاؤں، تحصیل علم کے بعد نیک اولاد کی خاطر گرہ آشرم میں داخل ہو کر پراگرمی بنوں اور اس طرح خود بھی عالم و فاضل بنوں، اسی طرح تم بھی کرو۔

منتر ۲ :- اے دروان! تو سرودیا پیک پر مشور کو، اور پانی کے جائے قیام سمندر کو، اور بجلی وغیرہ کے کارن اگ کو بھلی پرکار جان۔ تیری روشنی عقل تمام اشیاء کا تجھے علم کراتی ہے۔ تیرا دل عارف ہے۔ تو بہان ہے تو نابالغ تعظیم ہے۔ تو ایک بہان شکستی پر مشور کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا۔

منتر ۳ :- پرما تمانا دی ہے۔ وہ علم کل ہے۔ وہ تمام اشیاء کو حالت لطیف سے حالت کثیف میں لانے والا ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ وہ نور کل ہے۔ وہی قابل پرستش ہے۔ سورج، چاند، زمین اور ستارے جو کہ آکاش میں قائم ہیں۔ وہ اسی کی ہستی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ وہ اپنی قدرت سے ان سب پر حاوی ہے۔ وہ تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء کو اور پر کرتی کی اولین حالت کو محیط کئے ہوئے ہے۔

منتر ۴ :- وہ اس تمام کائنات کا بچنے والا اور پرورش کرنے والا ہے وہ وحدہ لا شریک ہے۔ یہ تمام سورج، چاند، ستارے وغیرہ اسی کے سہارے پر ہیں۔ وہ اس کائنات کے حالت کثیف میں آنے سے پہلے موجود تھا۔ وہی تمام ارض و سما کا دھارن کرنے والا ہے۔ ہم کو اسی سکھ کے دینے

”وید کے ظاہر کرنے میں پریشور کی کیا غرض تھی۔

”سوال۔ یہ فرمائے کہ وید کے پیدا کرنے میں پریشور کی کیا غرض تھی۔

جواب :- ویدوں کے نہ پیدا کرنے میں اس کی پریشور کی کیا غرض (ہو سکتی) تھی۔

اگر تم یہ کہو کہ اس کا جواب تم نہیں جان سکتے تو بالکل ٹھیک ہے۔ اب ویدوں کے ظہور کی جو غرض ہے وہ سنئے۔

سوال :- ایشور میں کیا اننت دیا (لاحود و علم) ہے یا نہیں؟

جواب :- ہے۔

سوال :- اس کی وہ دیا کس مطلب کے لئے ہے۔

جواب :- اپنے ہی مطلب کے لئے جس سے کہ جہان کے پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا کام ہوتا ہے)

سوال :- اچھا یہ بتلائیے کہ آیا ایشور پراد پکار کرتا ہے یا نہیں۔

جواب :- پراد پکار کرتا ہے۔ پھر اس سے کیا مطلب۔

(نتیجہ) اس سے مطلب یہ ہے کہ علم اپنی اور دوسروں کی مطلب برآئی کے لئے ہوتا

ہے، کیونکہ علم کا یہی وصف ہے۔ اگر ہم لوگوں کے لئے پریشور دیا (علم) کا اپدیش نہ کرے تو

دیا کے دونوں وصفوں میں سے ایک وصف (یعنی پراد پکار) بے معنی ہو جائے گا۔ اس لئے

پریشور نے اپنی دیا کے اپدیش سے یہ مطلب (یعنی پراد پکار) سدھ کیا ہے۔ پریشور باپ

کی طرح ہم لوگوں پر بڑی عنایت رکھتا ہے جس طرح پرکہ باپ اپنی اولاد پر ہمیشہ مہربان رہتا

ہے اسی طرح پریشور نے بھی عنایت مہربانی سے سب انسانوں کے لئے دیا کا اپدیش کیا ہے

اگر پریشور ایسا نہ کرتا تو جہالت میں پھنس کر انسان، دھرم، ارتھ، کام اور موکش کے بغیر

پر آمد دینی راحت حقیقی سے بھی محروم رہتا۔“ (ص ۲۴-۲۵)

پوری کتاب سوال و جواب کے پیرائے میں نہیں ہے۔ یہ غز کہیں کہیں اختیار کیا گیا ہے

والوں کو بخشو۔ یعنی برہم گیان ہو اور گیان سے مکت ہو، اور نفاق اور دوئی دل سے دور ہو، کیونکہ جو برہم کو جانتا ہے وہ برہم ہو جاتا ہے۔ کوئی استھان اور کوئی سے اور کوئی دسا اور کوئی دل برہم سے خالی نہیں ہے کہ سب میں برہم بیا پاک ہے۔ جس کو یہ گیان ہوگا اور محسوسات کے طوئعات سے پاک ہو جاوے وہ برہم ہے۔۔۔۔۔“ (ص ۳-۱۰۲)

مولف نے بعض جگہ مضامین کا خلاصہ بھی بیان کیا ہے اور مطالب کی شرح بھی لکھی ہے۔ چنانچہ ایک باب کے آخر میں لکھتے ہیں:-

”انتہائے نظر سے دیکھنا اور امکان بشر تک نیک افعالی کرنا، یہی خلاصہ بیدار شاستر اور حکمت فلاسفہ کا ہے، اور اسی ایک مطلب کو بوجہ بارت مختلف ہر ایک آپ نکھد میں رتم کیا ہے۔ جو لوگ جہالت سے اپنی عمر کو ضائع کرتے ہیں اور مکاروں اور گمراہوں کے کہنے پر عمل کرتے ہیں اور اوٹوں کی طرح نکیل ناک میں ڈالے ساربانوں کے پیچھے چلتے ہیں اور بوجھ اپنی پیٹھ پر رکھتے ہیں اور نفع ساربانوں کو کھلاتے ہیں، اور آپ جاہل رہ کے دوسرے کے قول پر کام کرتے ہیں، اور جس طرح بندر والا بندر کو نچاتا ہے وہ ناپتے ہیں، دے دینا اور عقبی دونوں کو برباد کرتے ہیں اور ہم درجائے بھی آزاد نہیں ہوتے جو کوئی اس مطلب کو پاوے یقین ہے کہ اپنی اولاد کو اور خود بھی چھوٹے بچے درجائے آزاد ہو جاوے۔ یہی نکتہ ہے“ (ص ۲۳۵)

(۲) دید پر دوسری کتاب جو میری نظر سے گزری وہ سوامی دیاتند سرسوتی کی تفسیر برگ دید کا اردو ترجمہ ہے جو ”رگ دید آدی بھاش بھومکا“ کے عنوان سے ۱۹۵۰ء میں مطبع ست دھرم پر چارک، جالندھر میں چھپا تھا۔ اس کے صفحات کی تعداد (۱۸۴) ہے۔ اردو ترجمہ منشی رام جلیسا سو کے قلم سے ہے۔ عبارت میں جو الفاظ اور فقرے قوسین میں درج ہیں وہ بھی مترجم ہی کے ہیں۔ ترجمہ کا نمونہ یہ ہے:-

میں لائے جاسکیں۔ وید کو سمجھنے کے لئے چند اور علوم بھی مدون کئے گئے جن کو ویدانگ کہتے ہیں، یعنی وید کے ہاتھ پیر۔ ان میں صرف ونو، بتوید (سکھشا) ووض، جوتش، اور لغت کے علوم شامل ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن کے بغیر وید کو صحیح پڑھنا اور اس کے معنی سمجھنا ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو وید کے ہاتھ پیر کہتے ہیں۔

(۱) اردو میں ویدوں سے متعلق سب سے قدیم کتاب جو مجھے مل سکی وہ الکھ پرکاش وید ہے۔ اس کے سرنامے پر یہ عبارت درج ہے: ”خلاصہ چاروں وید، یعنی رگ، یج، بید، اور شام بید اور اتھرو بن بید، کا اردو زبان میں۔ ترجمہ پچاس اُنکھوں کا سر اکبر سے۔ نام صحیفہ شریفہ الکھ پرکاش۔ تالیف الکھ دھاری عرف منشی کنھیالال مطبع گیان پریس، آگرہ، میں باہتمام کنھیالال مولف کتاب اور مہتمم مطبع کے پان سو کاپی پہلی مرتبہ چھپی۔ جون ۱۹۰۵ء عیسوی،“ تقطیع اوسط۔ ضخامت ۸۴۸ صفحات۔

چاروں ویدوں کے متروں کا خلاصہ باؤن آپ نشدیں۔ ان کا فارسی ترجمہ ”سر اکبر“ کے نام سے شہزادہ دارا شکوہ نے کیا تھا۔ الکھ پرکاش، اسی کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

”انندی اُپنکھ۔ یہ سر اکبر میں ۳۱ اور بید میں ۹۱ ہے۔

”پانچوں کوش یعنی خزانوں کی تعریف میں۔

”آدمی کو چاہئے کہ پہلے اس عبارت سے مناجات کرے، اور دعا مانگے۔

”اے منتری یعنی محبت کے دیوتا، وائے برن یعنی پانی کے دیوتا، وائے ارجماروڑی

کے دیوتا، وائے اندر دیوتاؤں کے بادشاہ، وائے برہیت عارفوں کے اوستا، وائے

برہما پیدا کرنے والے خلق کے، وائے بشن، پالنے والے عالم کے، تم کو مشکار ہے، اور جو

کچھ میں بیان کرتا ہوں اس کا پھل مجھے اور میرے گورو اور سننے اور پڑھنے اور دیکھنے اور سوچنے

لے ماخوذ از منقلا ویدک لٹریچر، از شمس العلماء سید علی بلگرامی۔ رسالہ مخزن، ستمبر ۱۹۰۵ء

کی کتابوں کی زبان سے مختلف ہے۔ رگ وید کے بعد قدامت کے لحاظ سے سام وید کا درجہ ہے۔ یہ بھی دعائیں بھجوں کا مجموعہ ہے۔ تیسرا وید، یجر وید ہے۔ یہ اعمال کا وید ہے، یعنی اس میں ان اعمال کا بیان ہے جو مختلف اوقات، مختلف مواقع اور مختلف اغراض کے لئے کارآمد و مفید ہیں۔ چوتھا اٹھرو وید ہے۔ اس میں زیادہ تر تعویذ، گنڈے، مہجوت پریت کو دفع کرنے کی تدبیریں اور جڑی بوٹیوں کے خواص مذکور ہیں۔

ہندوؤں کی مقدس کتابوں کی ایک دوسری شاخ جس کو ویدک لٹریچر کا دوسرا حصہ کہہ سکتے ہیں ہرہنہ ہے۔ چاروں ویدوں کے ساتھ کئی کئی برہمن منسوب ہیں۔ ان میں مختلف قسم کے اعمال اور عبادات کے طریقے بیان کئے گئے ہیں، اور کہیں کہیں قدیم قصے اور حکایتیں بھی درج ہیں۔ انہی برہمنہ کے ساتھ ایک اور قسم کے رسالے بھی ہیں جن کو ارن نیک کہتے ہیں یعنی جنگل اور بیابان میں لکھے ہوئے رسالے۔ یہ عبادات سے متعلق ہیں۔ ان کے بعد آپنشد کا درجہ ہے جس کو دیدانت یعنی وید کا غنیمہ بھی کہتے ہیں۔ آپنشد میں ہندوؤں کا سارا فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ آپنشدوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ لیکن ان میں زیادہ مشہور اور متداول دس آپنشد ہیں۔

مذکورہ بالا کتابیں وہ ہیں جن پر بطور عام وید کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان کو سنکرت میں شرتی کہتے ہیں، یعنی وہ چیز جو نہ آنکھوں سے پڑھی گئی اور نہ قلم سے لکھی گئی، بلکہ کانوں سے سنی گئی۔ یہ گویا آواز غیبی ہے جس کو قدیم رشیوں نے سنا اور ان سے ان کے شاگردوں نے سنا، اور اسی طرح یہ علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آیا۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ایک دوسرا بڑا ذخیرہ وہ ہے، جس کو سوتر یا اسمرتی کہتے ہیں، یعنی وہ چیز جو یاد کی جاتی ہے۔ یہ سوتر بھی مختلف ویدوں پر منقسم ہیں۔ ان میں ہر قسم کے مسائل، جن کا تعلق مذہب سے ہے، مثلاً اعمال و عبادات، روزمرہ کے معمولات، کریاکرم، شادی بیاہ، موت وغیرہ بتائے انھما کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ آسانی سے یاد کر لئے جائیں اور ضرورت کے وقت کام

زمانہ حضرت عیسیٰ سے تین چار ہزار سال قبل خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے منتر موجود ہیں جن سے ابیرونی کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً

”ساری کائنات میں پانی ہی پانی تھا۔ اس پانی کے اندر آگ تھی اور وہ ایک بیک ظاہر ہو گئی۔ اس ذات واحد کا جلوہ نظر آیا۔ جو سب دیوتاؤں کی جان ہے۔ ہم کس کو نذر دیں اور کس کی عبادت کریں.....“

”وہ حق تعالیٰ جو زمین کا خالق ہے، آسمان کا خالق ہے، جو سرست اور زبردست سمندر کا خالق ہے۔ دعا ہے کہ اس کا قہر ہم پر نازل نہ ہو۔ ہم کس کو نذر دیں اور کس کی عبادت کریں۔“

”اے کائنات کے مالک، تیرے سوا کسی نے یہ مخلوق پیدا نہیں کی تیری عبادت کے مقصد کو پورا کر۔ ہمیں دولت اور راحت عطا کر۔“

ہندو اپنے مذہبی لٹریچر میں وید کو آسمانی کتاب مانتے ہیں۔

سب سے پرانا وید رگ وید ہے جو تین ہزار سے چار ہزار سال

ہندوؤں کی مذہبی کتابیں

قبل مسیح مدون ہوا۔ مدون ہونے سے یہ مراد نہیں کہ ضبط تحریر میں آیا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس شکل میں یہ آج موجود ہے۔ اسی شکل میں حضرت مسیحؑ سے کم از کم تین ہزار سال قبل بھی موجود تھا۔ اس زمانے میں علم سینہ بہ سینہ استاد سے شاگرد کو پہونچتا تھا۔ اور صرف ایک ہی طبقے کے اشخاص یعنی برہمنوں تک محدود تھا۔ برہمنوں کے بچوں کا فرض تھا کہ سن شعور کو پہونچنے کے بعد اپنی عمر کے بارہ سال وید کے سیکھنے اور اس کو زبانی یاد کرنے میں صرف کریں۔ وید کے چار حصے ہیں۔ سب سے پہلا رگ وید ہے۔ اس میں صرف دعائیں اور مختلف دیوتاؤں کی تپسیا ہے۔ یہ دعائیں نظم میں ہیں۔ اور ان کو پڑھنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے جس کو ہندوؤں کا علم تجوید کہہ سکتے ہیں۔ رگ وید میں ایک سو سترہ دعائیں ہیں جن کو مرتب کرنے والوں نے دس کتابوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس کی زبان نہایت قدیم سنسکرت ہے جو بعد کی سنسکرت

البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب، علوم و فنون، اور تمدن و معاشرت پر ”کتاب الہند“ کے نام سے جو شہرہ آفاق کتاب لکھی ہے اس کی پہلی جلد کے دوسرے باب میں خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہندوؤں کا اعتقاد اس طرح بیان کیا ہے :- ”اللہ پاک کی شان میں ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ واحد ہے، ازلی ہے، جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اپنے فعل میں مختار ہے، قادر ہے، حکیم ہے، زندہ ہے، زندہ کرنے والا ہے، صاحب تدبیر ہے، باقی رکھنے والا ہے، اپنی بادشاہت میں یگانہ ہے جس کا کوئی متقابل اور مماثل نہیں۔ نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے۔۔۔۔۔“

اپنی اس تحقیق کی سند میں البیرونی نے کتاب پاتنجلی، کتاب گیتا، اور کتاب سانک کے اقتباسات بھی نقل کئے ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے ”یہ ہے اللہ تعالیٰ کی نسبت ہندوؤں کے خواص کا قول۔ یہ لوگ اس کا نام ایشفر (ایشور) رکھتے ہیں، یعنی مستغنی اور جواد، جو دیتا ہے اور لیتا نہیں۔ اسی کی وحدت کو خالص وحدت سمجھتے ہیں، اس لئے کہ دوسرے موجودات کے وجود کا سبب اور سہارا وہ ہے۔ یہ تو ہم کہ سب موجودات معدوم ہیں اور وہ موجود ہے۔ محال نہیں ہے اور یہ تو ہم کہ وہ موجود نہیں ہے اور سب موجودات موجود ہیں محال ہے۔ جب ہم ہندوؤں کے خواص کے طبقے سے نکل کر عوام کی طرف آتے ہیں تو ان کے اقوال میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور کبھی وہ نہایت بھونڈے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔“

رگ دید میں جو ہندو مذہب کی سب سے قدیم دستاویز ہے اور جس کی تدوین کا

کتاب الہند“ جلد اول مترجمہ سید اصغر علی صاحب۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۰۶ء

میں جتنے دلشومہنت ہوئے، مثلاً رامانند، کبیر، ناناک، جیتن، لکائی وغیرہ، ان سب نے بڑے زور شور سے بھکتنی کی تعلیقین کی اور سچے بھکتنوں کی پریم کے بھاؤ یعنی محبت کے کیف کو یوگ کی ریاضت اور کرم کی پابندیوں سے افضل اور بارگاہ انیدی میں مقبول تر بتایا۔ بھکتنی کا مطلب محض زبان سے نہیں سمجھایا جاسکتا، کیونکہ وہ محویت اور وہ ابنساط، وہ کیف اور وہ سرور۔

آں شرح نہ دارد کہ بہ گفتار در آید
یہ کافی نہیں کہ انسان بھکتنی کی ماہیت کو منطق کے دلائل اور دماغ کی قوت سے سمجھ جائے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پریم اور محبت کے ولولے اور جوش کو وہ اپنے جذبات دلی اور واردات قلبیہ میں اس طرح تبدیل کر لے کہ دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے، اور کسی کی تعلیم و تلقین سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی تجربے سے عشق الہی کی حقیقت اس پر روشن ہو جائے یہی وہ آئندہ یعنی سرور کی حالت ہے جس کو ایک عیسائی درویش نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

(PEACE THAT PASSETH UNDERSTANDING)

یعنی آتما کی وہ شانتی اور وہ سکون قلب جو ادراک انسانی سے بالاتر ہے جس نے یہ پالیا اس نے سب کچھ پالیا۔ اس کو نہ پوجا پاٹھ کی ضرورت ہے نہ نماز روزے کی۔ یوگ اور ریاضت اس کے لئے تحصیل حاصل ہے اور ویدوں اور شاستروں کی تعلیم قطعی بے ضرورت۔ کیا عجیب ہے کہ مولوی معنوی نے اسی کیفیت کو سمجھا ہوا اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہو۔
من ز قرآن مغز را برداشتم استخوان پیش سگناں انداختم

کا وسیلہ ہے۔ ہر مذہب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اور قیاس بتاتا ہے کہ آریوں کے مذہبی ارتقا میں بھی ایک زمانہ وہ آیا ہوگا کہ جب اعتقاد میں ضعف آگیا ہوگا اور پوجا اور یگ خلوص دل سے نہیں بلکہ محض نمائش یا پابندی رواج کے واسطے کئے جاتے ہوں گے۔ آمد آورد سے بدل گئی ہوگی اور فرافس منصبی پر تصنع کا رنگ چڑھ گیا ہوگا۔ اس وقت یہ کہا گیا کہ کرم کا نڈ کا طریقہ ناقص ہے۔ اور اصلیت سے دور۔ انسانی کمزوریوں کی بنا اور دیا یا ناواقفیت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اصلیت کی طرف سے بے پروا ہے اور دنیا کی حرص و ہوا میں مبتلا۔ فانی اور غیر فانی میں تمیز کرنا اس کے لئے مشکل ہے۔ وہ نفس امارہ کی اطاعت میں مہمک ہے، اور جو چیز کا بد اثر اور لازوال ہے اس کی فکر نہیں کرتا۔ یہ سب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان ناواقف اور جاہل ہے۔ اس کی دوا یہ ہے کہ وہ گیان یعنی حقیقت کا علم حاصل کرے۔ گیان کے حاصل کرنے کا ایک طریقہ یوگ ہے جس کا چرچا اور رواج ہندوستان میں عرصے سے ہے۔ یہ طریقہ کرم کا نڈ کی پابندیوں سے الگ ہے اور اس کا خاص جزو ریاضت ہے جس کا علم اور جس کا عمل یوگیوں ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یوگی مذہب کی ظاہری نمائش اور رسم و رواج کی پروا نہیں کرتا۔ وہ علم لُذنی اور رموز روحانی کا متلاشی ہے، کیونکہ اسی علم و عمل کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے۔

”ان کے علاوہ تیسرا راستہ بھکتی کا ہے۔ اس میں نہ پوجا پاٹھ کی پابندی ہے، نہ ریاضت کی ضرورت۔ محض عشق الہی کافی ہے۔ اگر عاشق صادق ہے تو محض اس کا عشق اس کی نجات کے واسطے کافی ہے۔ گیتا میں بھکتی کی تعلیم و تلقین ہے۔ اور ازمنہ وسطیٰ میں بنگال، مہاراشٹر اور شمالی ہندوستان

کی سزا مقرر کرے۔ گینٹا میں لکھا ہے: ”جو لوگ جس طرح میرے پاس آتے ہیں میں اسی طرح ان سے ملتا ہوں۔ اے ارجن منس لوگ ہر طرح میرے راستے پر آتے ہیں۔“

ہندو اپنے مذہب کو موکش یعنی نجات کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں پُنت زتشی لکھتے ہیں:-

”میں اس سے پہلے کہ آیا ہوں کہ آداگون کا عقیدہ ہندو مذہب کا جزو اعظم ہے جس وقت تک دنیا سے تعلق قائم ہے۔ ہر روح اپنے اعمال کے مطابق بار بار پیدا ہوتی رہے گی، اور جس وقت تک یہ سلسلہ قائم ہے اس کو نجات ابدی حاصل نہیں ہو سکتی۔ نجات یا مکتی کے یہ معنی ہیں کہ آداگون کا سلسلہ ٹوٹ جائے اور روح یا جیو آتما اس قید سے آزاد ہو جائے نجات حاصل کرنے کے تین خاص راستے ہیں، ایک کرم دوسرے دھیان تیسرے بھکتی۔ ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں یوگ اور قربانی کا ذکر آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوگ کی مذہبی رسم آریوں سے مخصوص تھی۔ اور وہ اس کو اپنے دنیاوی اور روحانی مقاصد کے حصول کے واسطے ضروری اور اہم خیال کرتے تھے۔ کرم یا کرم کا نڈ کے راستے سے یہ مراد ہے کہ مذہب نے جو طریقے پوچھا پاٹھ، یوگ یا قربانی کے مترکر دیے ہیں اور جو قواعد زندگی بسر کرنے کے منبسط کر دیے ہیں ان کی پابندی کی جائے۔ سندھیاء، ترپن، تیرتھ، یا ترا، مرنے جیتے کے سنسکار، یہ اس میں شامل ہیں۔ اس اعمال کے مطابق اخلاق اور دھرم کا جو راستہ العن

پیشوایان دین کی طرف سے کتب متعدد میں مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس کو پابندی ہر انسان پر لازم ہے۔ اور یہی ریسات دنیاوی اور نجات روح

اور جن مت کے اثر نے اس کو رفتہ رفتہ بہت کم کر دیا۔ ہندوؤں کے بعض فرقوں میں قربانی اب بھی جزو مذہب سمجھی جاتی ہے۔ مگر ہندو عام طور سے معمولاً برہمن اور ویش، قربانی اور ہنسا سے پرہیز کرتے ہیں اور ان کو برا سمجھتے ہیں۔ گوشت خوار فرقوں میں بھی گوشت نہ کھانا افضل سمجھا جاتا ہے اور ان میں جن لوگوں کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ ہوتا ہے وہ گوشت کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔۔۔ گیتا میں کرشن جی کی تعلیم کچھ اور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کا دھرم اس کے لئے مقرر ہے۔ کسی شخص کو اپنا دھرم چھوڑ کر کسی دوسرے کا دھرم نہ اختیار کرنا چاہئے، اور وہ ارجن کو جنگ کرنے کی ترغیب اس بنا پر دیتے ہیں کہ ارجن چھتری ہے اور حق کے واسطے لڑنا اور اپنے مخالفین کو قتل کرنا چھتری کا دھرم ہے۔۔۔۔۔

ہندو مذہب کا ایک اور نمایاں اصول رسوائی یا مالرشن ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ راستے مختلف ہیں مگر منزل ایک ہے۔ انسانوں کے مختلف گروہ مختلف طریقوں کو استعمال کرتے ہیں، مگر غرض دعائیت سب کی ایک ہے۔ عیسائی بدین خود، موسیٰ بدین خود خدا خالق کائنات ہے۔ اس کا لطف و کرم اپنے سب بندوں پر ہونا چاہئے۔ آفتاب کی حرارت، چاندنی کی ٹھنڈک، موسموں کا تغیر، کسی خاص گروہ کے لئے مخصوص نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی باغ کی آرائش گلاب اور چنبلی سے ہو، اور کسی کی ٹھل داؤدی اور گل نیلو فر سے۔ کہیں انگور اور انار پیدا ہوں اور کہیں آم اور انجیر۔ لیکن یہ بات ہندوؤں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ خلاق عالم کسی ایک قوم کو ایک خاص مذہب کی تالیقین کرے اور باقی اقوام کو کفر و جہالت میں مبتلا رکھے، اور پھر ان کے واسطے کفر و جہالت کی

کیوں نہ ہو کبھی ادنیٰ ذات میں ترقی نہیں پاسکتا، اور ادنیٰ ذات والا کیسا ہی بدکردار کیوں نہ ہو اپنی ذات سے نیچے نہیں گرایا جاسکتا۔“

تیسرا اصول آشرم دھرم کا ہے۔ آشرم چار تائلم کئے گئے ہیں۔ اول بھیم چرج یا طالب علمی کا زمانہ۔ اس زمانے میں طالب علم کا فرض تھا کہ گرو کے یہاں رہ کر تعلیم حاصل کرے۔ اس کے بعد دوسرا آشرم گریہستی یا خانہ داری کا تھا جب کہ طالب علم تعلیم ختم کر کے شادی کرتا تھا اور دینا دار کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ بڑھاپا آنے پر گھر بار چھوڑ کر وہ تیسرے آشرم میں داخل ہوتا تھا اور وان پرستھ کہلاتا تھا۔ وان پرستھ کا فرض تھا کہ امور دینیوں سے کنارہ کشی کر کے اپنا وقت روحانی ریاضت میں صرف کرے۔ آخری درجے کا نام سیناس ہے، اور سیناسی دینا کے تمام تعلقات سے ہری سمجھا جاتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کوئی زمانہ ایسا تھا جب کل ہندو قوم یا ہندو قوم کا بڑا حصہ اس آشرم دھرم کا پابند تھا لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے رہبروں اور پیشواؤں نے کس طرح کا انڈیل یا میار قوم کی رہنمائی کے واسطے بنایا تھا، اور فرائض انسانی کی تعیین اور تنظیم کیسے اچھے اصولوں پر کی تھی۔۔۔۔۔“

”چوتھا اصول جس پر ہندوؤں کا اعتقاد ہے اور جس پر سب کانپس تو بہت سے ہندوؤں کا عمل ہے وہ اہنسا ہے۔ اہنسا کے معنی ہیں ایندا پہونچانا یا قتل کرنا، اور اہنسا کے اصول کی تلقین یہ ہے کہ کسی جاندار کو ایذا نہ پہونچائی جائے۔ جن مت والے اس اصول کو سب سے زیادہ مانتے ہیں۔ ہندوؤں میں کروڑوں آدمی غالباً ایسے ہیں جو گوشت کھانا گناہ سمجھتے ہیں۔ ویدوں کے زمانے میں قربانی کا بہت رواج تھا مگر بڑھ مت

ہندو مذہب

ہندو مذہب کے اصول | "ہندو مذہب کے اصول" پنڈت منوہر لال زلشی نے اپنی کتاب "کبیر صاحب" میں حسب ذیل بیان کئے ہیں۔

”ہندو مذہب کی بنیاد دیدوں پر ہے، اور دیدوں کو ہندو کلام الہی سمجھتے ہیں۔
 رگ وید سب سے پرانا سمجھا جاتا ہے۔ دیدوں میں مختلف دیوتاؤں کا ذکر ہے، مثلاً اندر، اگنی، یم، ورن وغیرہ۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ خیال بھی موجود ہے کہ یہ متعدد دیوتا کسی ایک ذات کے مظہر ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھا ہے کہ ایک ذات واحد کو رشی مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ وہ اس کو کبھی اگنی کہتے ہیں، کبھی یم اور کبھی ماتریشون۔ دیدوں سے آگے بڑھ کر جب دیانات اور آپ نشدوں کے زمانے میں حکیمانہ خیالات کا چرچا ہوا تو ہمہ از دست سے گزر کر ہمہ اوست کے فلسفے کی طرف رجحان ہوا، اور ہندو پر پرتما اور جیو آتما، خالق اور مخلوق کو ایک واحد شے سمجھنے لگے۔ موکش یا نجات کے معنی یہ قرار پائے کہ جیو آتما یا روح انسانی ترقی کرتے کرتے پرتما میں مل جائے۔ جتنے مذہب کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں ہندو، بودھ اور جین وہ سب روح انسانی کو آداگون یا تناسخ کے قانون کا تابع سمجھتے ہیں۔ ان

تذکرے، کی غرض سے ہندوؤں نے ”اپنے ہم قوم بھائیوں کے لئے“ اس مشترک زبان میں بھی کتابیں لکھی ہیں، گو ان کتابوں کی عبارتوں میں ہندی یا سنسکرت کے جو الفاظ آئے ہیں وہ ”بیجا یا نامناسب نہیں“ البتہ لالہ لاجپت رائے کا یہ ارشاد کہ ”کس طرح سے ممکن ہے کہ کوئی ہندو ہندوؤں کے لئے کتاب لکھتا ہوا کرشن واجن وید ہشٹر کی تقریروں کا ترجمہ اردوئے معلیٰ میں کرے اور خاص مشکل مذہبی خیالات کے لئے فارسی و عربی کی فرہنگ تلاش کرے“ نیز یہ کہ ”ہندو عورتوں کی تقریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارسی و عربی لفظوں کا استعمال تو بہت ہی بیہودہ معلوم ہوتا ہے،، صحیح نہیں۔ بعض ہندو مترجمین نے کرشن واجن اور وید ہشٹر کی تقریروں کا ترجمہ بھی اردوئے معلیٰ میں کیا ہے، مشکل مذہبی خیالات کے لئے فارسی اور عربی کی فرہنگ بھی تلاش کی ہے، اور ہندو عورتوں کی تقریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارسی و عربی الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو ذرا بھی ”بیہودہ“ نہیں معلوم ہوتے۔ آئندہ صفحات میں ان سب کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

طرح ہندوؤں نے بھی جب اپنے مذہب و اخلاق کا خزانہ اس ملکی زبان (اردو) میں منتقل کرنا شروع کیا تو ان کو بھی سنسکرت مصطلحات کے استعمال کے بغیر چارہ نہ تھا۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنی مذکورہ بالا کتاب کے دیباچے میں اس مجبوری کو بہت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

” اصل تو یہ ہے کہ ہندو خیالات کو ظاہر کرتے ہوئے ہندی الفاظ کا استعمال لازمی ہے (دیکھو مولانا مولوی الطاف حسین حالی کی مناجات پیوہ) بلکہ بعض استاد تو اصل اردو اسی کو کہتے ہیں جس میں فارسی و عربی کے الفاظ نہایت کم ہوں یا بالکل نہ ہوں۔ اردو میں سے عربی و فارسی کے الفاظ نکال دئے جائیں تو خالص ہندی رہ جاتی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ جو الفاظ ہندی کے معمولی طور پر مستعمل نہیں وہ مسلمان صاحبان کو شرمے معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان کو اردو نہیں کہتے۔ مگر جو لفظ معمولی طور پر مستعمل ہیں وہ ان کو اردو سمجھتے ہیں۔ بہر حال جو ہندو اپنے ہم قوم بھائیوں کے لئے ایسی کتابیں لکھتے ہیں جن میں ان کے مذہبی یا قومی خیالات یا حالات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ان میں ہندی یا سنسکرت کے الفاظ بجا یا نامناسب نہیں۔ کس طرح سے ممکن ہے کہ کوئی ہندو، ہندوؤں کے لئے کتاب لکھتا ہو اگر کشن دارجن وید ہشتر کی تقریروں کا ترجمہ اردوئے معلیٰ میں کرے اور خاص شکل مذہبی خیالات کے لئے فارسی و عربی کی فرہنگ تلاش کرے۔ ہندو عورتوں کی تقریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارسی و عربی لفظوں کا استعمال تو بہت ہی بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔ پس وجوہات بالا سے ہمارے خیال میں ہماری زبان پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ ہمارے نزدیک کچھ بہت منزلت نہیں رکھتا۔“

اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے ”مذہبی یا قومی خیالات یا حالات کے

فنون کا مکمل دستہ نہایت پاکیزہ زبان میں پیش کیا ہے۔ اس کے دیباچے میں فرماتے ہیں :-

”جب سے سرکار انگلشیہ کی حکومت ہم پر ہوئی اور عدالتی دفاتر کی زبان اردو

ٹھہری تو اس کی کچھ قدر ہوئی۔ لوگوں کے شوق اور خیالات نئے نئے پہلو بدلنے

لگے۔ رفتہ رفتہ تہذیب پھیلی اور ہماری رفتار و رفتار کے ساتھ ساتھ تصنیف و

تالیف نے بھی انگریزیت کا جامہ پہنا شروع کیا چنانچہ تھوڑے عرصے میں

وہ نمایاں ترقی کی کہ آج اردو بچے سے جوان ہو گئی۔ اگرچہ اردو کا جنم خاص دلی

میں ہوا اور اس نے اسی خط میں پرورش پائی، مگر تھوڑی مدت میں اتنی بڑی

چڑھی کہ تمام ہندوستان کی زبان یہی ہو گئی، بلکہ اردو سے ہندوستانی کہلانے

لگی..... میں اگرچہ ناشر نہیں ہوں، ناظم نہیں ہوں،

انگریزی مجھے بالکل نہیں آتی، دنیا کی اور بہت سی زبانوں سے بے بہرہ ہوں،

علوم و فنون میں بھی کچھ دستگاہ نہیں رکھتا، سنسکرت اور فارسی میں بھی اپنے

آپ کو کسی قابل نہیں سمجھتا، ہاں اردو میری مادری زبان ہے۔ اس کی ترقی اور

بہبودی کی کوششیں کرنا ایک سعادت منداد لاد کی طرح میرا فرض ہے۔ لہذا

بایں پیمدانی ہمت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ پرانے رشیوں اور مہاتماؤں

کے باغ سے عمدہ عمدہ پھول چن کر لاؤں اور ان سے اردو کا ایوان سجاؤں

اب اس میں برکت دینا اور میری محنت کو ٹھکانے لگانا، اسی کا کام ہے، ورنہ

من آنم کہ من دائم

کسے خاک فگندو کسے نواخت مرا بقدر ہمت خود ہر کسے شناخت مرا“

یہ صحیح ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں جو اردو میں لکھی گئی ہیں سنسکرت اصطلاحات

بھی بکثرت ملتی ہیں۔ یہ بالکل ایک فطری امر ہے جس طرح مسلمان صوفیوں کو اپنی تعلیمات کی

اشاعت کے لئے دیسی بولیوں میں عربی اور فارسی کی مصطلحات ضرورۃً داخل کرنی پڑیں اُسی،

خاندان کی صیر میں اردو کی کم و بیش چار سو غیر اسلامی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے دیکھنے اور ان کی یادداشتیں قلم بند کرنے کا موقع ملا۔ ان میں سے اکثر کے اقتباسات اس مقالے میں درج کئے گئے ہیں۔ ان اقتباسات سے مختلف غیر اسلامی مذاہب کی تعلیمات بھی معلوم ہوتی ہیں اور اس مشترک زبان کے نمونے بھی سامنے آجاتے ہیں جو اس ملک کے رہنے والوں کے صدیوں کے میل جول سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر یہ زبان صرف مسلمانوں کی ہوتی تو غیر مسلم خصوصاً ہندو، اپنی مذہبی کتابیں اس کثرت سے اس میں کیوں شائع کرتے۔ ہندو، عیسائی، سکھ، جین اور بہائی مذاہب، اور ہندوؤں کے متعدد اصلاحی فرقے مثلاً آریہ سماج، برہم سماج، دیو سماج، کیسیرنیتھ، رادھا سماجی مت، تھیوسوفیکل سوسائٹی وغیرہ، ان سب کا اپنے مذہب و اخلاق کی نہ صرف مستند اور چوٹی کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرنا بلکہ سیکڑوں چھوٹی بڑی کتابوں کو ترجمہ اور تالیف کر کے اردو کے ذریعہ عوام تک پہنچانا اس حقیقت کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ یہ مشترک زبان ہندوستان کے بڑے حصے کی عام زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ غیر اسلامی مذاہب کی یہ سیکڑوں کتابیں اردو میں ان لوگوں کے لئے نہیں شائع کی گئی ہیں جو نہ ان مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ انہوں نے خود ہندو کی مادری زبان ہے۔ اس زبان کے ہندوستان کی عام زبان ہونے کا اعتراف خود ہندو کی مذہبی کتابوں کے بعض مصنفین نے بھی کیا ہے۔ مثلاً لالہ لاجپت رائے، مشہور آریہ لیڈر، اپنی کتاب ”مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم“ مطبوعہ ہندوستانی برقی پریس لاہور (۱۹۰۶ء) کے دیباچے میں لکھتے ہیں:-

”اردو حقیقت میں ہندوستانیوں کی زبان کا نام ہے۔ بلکہ اکثر موقعوں

پر اردو اور ہندوستانی ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔“

پنڈت جیشور پرشاد مائٹ دلہوی نے ”حسن اول“ کے نام سے ایک بہت دلچسپ کتاب لکھی ہے جس میں جین، بودھ اور ہندو مذاہب کے فلسفے، ادب، اخلاق اور علوم و

۲۸
 نے جس زبان میں نظمیں لکھی ہیں اسے ہندی کے نام سے موسوم کر کے اس میں لکھنے کی معذرت کی ہے، کیونکہ اس وقت تک اہل علم دیسی زبانوں کو اپنی تہذیب و تالیف میں جگہ نہیں دیتے تھے۔ یہی ہندی زبان ہے جو بعد میں ریختہ اور پھر اردو کے نام سے مشہور ہوئی۔ چنانچہ میر تقی میر، میر حسن اور مصحفی نے اپنے تذکروں میں جن شعرا کا ذکر کیا ہے ان کو ”سخن آفرینان ہندی“ اور سخن گوینان ہندی“ کہا ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ جس زبان میں کیا ہے اسے ”زبان ہندی“ فرمایا ہے۔ اور مولانا قطب الدین صاحب نے حدیث شریف کی مشہور کتابوں مشکوٰۃ شریف اور حصن حصین کا ترجمہ اور شرح جس زبان میں لکھی ہے اس کو بھی ”زبان ہندی“ کہا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے ترجمے کا تاریخی نام مظاہر حق ہے جس سے ۱۲۵۴ھ اور حصن حصین کے ترجمے کا ظفر جلیل ہے جس سے ۱۲۵۳ھ نکلتا ہے۔ ان ترجموں کی زبان وہی ہے جس کو آج اردو کہتے ہیں، لیکن اب سے ایک سو تیرہ چودہ برس پہلے اسی زبان کو ہندی کہتے تھے۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ ہندوستان کی یہ مشترک زبان صرف غیر مسلموں کا حصہ | یہ خیال صحیح نہیں کہ ہندوستان کی یہ مشترک زبان صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس زبان کی تاریخ کا سرسری مطالعہ بھی اس نظریے کی تردید کے لئے کافی ہے۔ غیر مسلموں، بالخصوص ہندوؤں نے اس زبان کی تشکیل، ترقی اور اشاعت میں جتنا زیادہ حصہ لیا اس کا بیان ایک مستقل تالیف چاہتا ہے۔ پیش نظر مقالے میں صرف ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جو غیر مسلموں نے اپنے مذہب اور مذہبی اخلاق سے متعلق اردو میں لکھ کر شائع کی ہیں۔ ایسی کتابوں کی تعداد کئی سو ہے۔ انڈیا آفس کے کٹیا لگ میں جس میں صرف انیسویں صدی کے آخر تک کی کتابیں درج ہیں ان کی تعداد (۱۳۷) ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے کتب خانوں کی فہرستوں میں بھی ایسی کتابوں کی کثیر تعداد ملتی ہے۔ مجھے پٹنہ، ممبئی، جات متحدہ، دہلی اور لاہور کے پندرہ سو کتب

کا مقصود ہوتا ہے، اس لئے ان کے دروازے کا فرد مومن دونوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہتے ہیں۔ انسانی ہمدردی، خلوص اور محبت ان کے اصلی جوہر ہیں، اور یہی چیزیں ان کی روحانی فتوحات کی ضامن ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں جو درویش آئے ان کا حلقہ اثر بھی انہیں چیزوں کی وجہ سے روز بروز زیادہ وسیع ہوتا گیا۔ ان کا سا بقیہ چونکہ بیشتر عوام سے تھا۔ اس لئے دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے ہم زبانیں متروک کر دیں۔ چنانچہ اپنے خیالات کی تلقین کے لئے وہ ملک کے جس جھے میں پہنچے وہاں کی زبان اختیار کر لی، اور عوام کو انہی کی زبان میں تعلیم دی۔ لیکن چونکہ بعض مذہبی اصطلاحوں کا استعمال ناگزیر تھا اور یہ عربی یا فارسی میں ہوتی تھیں، اس لئے عربی اور فارسی الفاظ بھی ان بولیوں میں قررتی طور پر شامل ہو گئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مقالہ ”ہندوستان میں ہندوستانی“، اور مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے رسالہ ”اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام“ میں دکھایا ہے کہ اس مشترک زبان کے پیدا کرنے میں حضرات صوفیہ کا حصہ کتنا زیادہ ہے۔ اب تک اس مخلوط زبان کے جتنے قدیم فقرے ملے ہیں یا جو قدیم کتابیں دستیاب ہوئی ہیں، خواہ دکنی زبان میں ہوں یا گجراتی میں، سب حضرات صوفیہ کے ملفوظات یا انہی کی تفسیفات ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب نے رسالہ مذکور میں جن صوفیائے کرام کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی زبان کے نمونے نقل کئے ہیں۔ وہ سب آٹھویں صدی سے لیکر گیارہویں صدی ہجری تک کے ہیں۔ اس کے بعد یہ مخلوط زبان عام ہو گئی تھی۔ اور اس میں اچھے اچھے شاعر پیدا ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ ”دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اس کی دو شاخیں ہو گئیں۔ دکن میں پہنچی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی، اور گجرات میں گئی تو وہاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی،“ مسلمان ہندوستان کی ہر دیسی زبان کو ہندی کہتے تھے چنانچہ شاہ میر ان جی شمس العشاق بجا لوری دمتونی سنہ ہجری (اور آپ کے فرزند شاہ بہان الدین جام

کھواب، اطلس، زری، گلدن، تن زیب، جامہ دار، زرتار، جامانی، کامدانی۔ لباس میں کرتا، اچکن، چکن، پیشواز، میرزائی، نیم آستین، شلوار، پاجامہ، بجا، بجا، چوغہ، اور اوڑھنے بچھانے کے سامان میں شال، دوشالہ، توشک، لحاف، فرش، قالین، مسند رضائی، دلائی وغیرہ بکثرت اشیاء اپنے عربی، فارسی اور ترکی ناموں کے ساتھ ہندوستان میں رائج ہو گئیں۔ کھانے پکانے کی چیزوں میں رکابی، پیالہ، بادیا، قاب، دیگ، گچی کف گیر، چمچ وغیرہ، یہ سب مسلمانوں ہی کے ساتھ اس ملک میں آئیں اور انھیں ناموں سے پکاری جانے لگیں۔

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے تمدن و معاشرت کے جو ساز و سامان لیکر ہندوستان آئے ان میں سے اکثر چیزیں چونکہ یہاں کے لئے بالکل نئی تھیں اور ان کے لئے ویسی بولیوں میں مترادف الفاظ موجود نہ تھے اس لئے وہی عربی، فارسی اور ترکی الفاظ اصطلاحات یہاں بھی رائج ہو گئے۔

مشترک زبان کی تشکیل میں صوفیائے کرام کا حصہ | اس مشترک زبان کی تشکیل میں مسلمان درویشوں

اور صوفیوں نے بڑا حصہ لیا۔ وہ مسلمان تاجروں اور سپاہیوں کے ساتھ ہندوستان آئے تھے، اور ان کی روحانی فتوحات کا دائرہ سلاطین کی ملکی فتوحات سے کم وسیع نہ تھا جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:-

”اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کے ملک کو غزنین اور غور کے بادشاہوں نے فتح کیا تو اس سے زیادہ یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو خانوادہ چشت کے روحانی سلاطین نے فتح کیا۔“

صوفیاء چونکہ انسان کے باطن سے سروکار رکھتے ہیں اور تزکیہ نفس ہی ان کی سرگرمیوں

میں ہندوستانی" میں دی ہے۔ چند مثالیں نمونے کے لئے کافی ہوں گی۔

مذہبی مصطلحات میں اللہ، رسول، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دعا، صدقات خیرات، بہشت، دوزخ وغیرہ یہ کثرت الفاظ ہندوستان کی ہر بولی میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح سیاسی اصطلاحات میں بادشاہ، وزیر، میر عدل، صدر جہاں، مقطع دار، صوبہ دار، سپہ سالار اور قاضی وغیرہ بھی دیسی بولیوں میں جاری ہو گئے۔ زمینداری سے متعلق جو اصطلاحات ہیں وہ بھی عموماً فارسی آمیز ہیں۔ مثلاً دیوان، تحصیلدار، ضلعدار، کارندہ، گماشتہ، میراٹھوئیس، تحویل دار، خزانچی، پیش کار، سررشتہ دار، محافظ دفتر اور محرر وغیرہ۔ مرہٹی بولنے والے اپنے وزیروں کو پیشوا اور عام ہندو ریاستیں ان کو دیوان کہتی ہیں۔ یہ دونوں فارسی کے لفظ ہیں۔ مرہٹی، گجراتی اور بنگالی زبانوں میں معاملے مقدمے کے بہت سے الفاظ اور اصطلاحات عربی یا فارسی ہیں۔ مسلمان اپنے ساتھ کابل، ترکستان اور ایران کے جو بیویوں میوے اور پھل ہندوستان لائے۔ ان کے نام بھی بےینہ یہاں کے ہر صوبے کی زبان میں دخل ہو گئے۔ مثلاً انگور، انار، سیب، بہی، انجیر، نارنگی، سرودہ، بادام، منقہ، کشمش وغیرہ۔ اسی طرح جن پھولوں کی خوشبو سے مسلمانوں نے اس سرزمین کو معطر کیا ان کے نام بھی یہاں کی مقامی بولیوں میں رائج ہو گئے۔ مثلاً گلاب، سوسن، ریحان، بنفشہ، نرگس، آسٹرن وغیرہ۔ کھانے کے بیسیدل اقسام سے مسلمانوں نے ہندوستان کو لذت آشنا کیا۔ مثلاً پلاؤ، تبولی، بریانی، زردہ، شیر برنج، باقر خانی، روغنی، چپاتی، کلچہ، قورمہ، قلیہ، کباب، یخنی، قیمہ، کو فتنہ وغیرہ۔ بہت سی مٹیائیوں کے نام بھی ان کے مسمیٰ کے ساتھ مسلمانوں ہی کے ساتھ اس ملک میں آئے۔ اور قند اقتدیا برنی، شکر پارے، خرے، گلاب جامن، حبشی، زعفرانی وغیرہ سے آریہ ورت کے پاک برہمن بھی اپنے کام و دہن کو لذت بخشنے لگے۔ کپڑوں کی صنعت میں مسلمانوں کے آنے سے جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ ان مختلف ناموں سے ہو سکتا ہے جن سے یہ ملک پہلے آشنا تھا۔ مثلاً محمل، کاشانی، زلفیت، ہفتیش،

اور ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جو باہم برسرِ پیکار رہا کرتی تھیں۔ زبان کے لحاظ سے بھی تفریقِ دانشوار کا یہی عالم تھا۔ ہر ریاست کی زبان الگ تھی، اور لڑائیوں میں کسی ریاست کے حردے کے بڑھنے یا گھٹنے کے ساتھ اس کی زبان کا دائرہ بھی بڑا یا چھوٹا ہوتا رہتا تھا۔ مسلمانوں کی آمد سے جس طرح اس ملک میں سیاسی وحدت پیدا ہوئی اسی طرح لسانی وحدت کا سامان بھی فراہم ہوا۔ یہاں مسلمان بادشاہوں کی دفترِ زبان تو فارسی تھی، لیکن عام بول چال کے لئے جسے ہندو مسلمان دونوں سمجھتے یہ زبان کام نہیں دے سکتی تھی، اور نہ یہ ممکن تھا کہ ہندوستان کے کسی ایک صوبے کی زبان کو تمام ملک میں جاری کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جس صوبے میں گئے وہاں کی زبان اختیار کر کے مذہبی، سیاسی، تمدنی، صنعتی، تجارتی اور علمی ضرورتوں سے اپنی زبان کے سیکڑوں الفاظ اس میں داخل کر دئے۔ اور چونکہ یہ الفاظ ضرورت کی بنا پر داخل کئے گئے تھے۔ اس لئے زبان کا جزو بن کر مقبول عام ہو گئے۔ اس طرح آپا مخلوط زبان کا پیکر تیار ہوا جو سندھ میں سندھی، گجرات میں گجراتی، دکن میں دکنی، پنجاب میں پنجابی، اور دہلی میں دہلوی کہلائی۔ دہلی کی یہی زبان اپنے ارتقا کی منزلیں طے کرتی ہوئی جب شاہجہاں کے اردوئے معلیٰ میں پہنچی تو زبانِ اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔ موجودہ اردو دراصل دہلی اور اطرافِ دہلی کی پیرانی ہندی ہے جس میں زمانے کے تقاضے سے تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں، اور جو عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کی آمیزش سے ایک نئی زبان کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس زبان کے فعل اور حروف سب دہلوی ہندی کے ہیں۔ اسماء البتہ نصف دہلوی ہندی کے ہیں اور باقی عربی، فارسی اور ترکی ہیں۔ یا کچھ پرتگالی اور انگریزی الفاظ ہیں۔ یہ بیرونی اسماء وہ ہیں جن کے مسمی اکثر باہر سے آئے تھے۔

مسلمانوں نے جو الفاظ اور مصطلحات صوبوں کی زبانوں میں داخل کئے ان کی ایک طویل اور دل چسپ فہرست، مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے تحقیقی مقالہ ”ہندوستان

روایات کے پابند تھے۔ یہ اشتراک تہذیب کے مختلف پہلوؤں میں نمودار ہوتا گیا۔ چنانچہ مذہب، ادب، علوم و فنون، معاشرت، تعمیر و موسیقی، ہر ایک میں الکی اور غیر ملکی عناصر کا امتزاج عمل میں آنے لگا۔ جنوب میں اسلامی تعلیمات سے جو اثر براہ راست پڑا اس کے علاوہ ایک بالواسطہ اثر ہندوؤں پر یہ بھی ہوا کہ ان کے دلوں میں مذہبی احساسات از سر نو پیدا ہو گیا، اور اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جنوبی ہند میں بھگتی کی تحریک جسے رامانج نے تکمیل کو پہنچایا اور دیدانت کی تحریک جو شکر آچاریہ کے ہاتھوں پائہ کمال کو پہنچی، ایک حد تک اس عام مذہبی بیداری کا نتیجہ تھی جو اسلام کے اثر سے پیدا ہو گئی تھی۔ چودھویں صدی عیسوی کے بعد مہاراشٹر، گجرات، پنجاب اور بنگال کے ہندو مصلحین مذہب اپنے چند قدیم عقیدوں کو ترک کر کے اسلام کی بعض تعلیمات قبول کر لیتے ہیں، اور اس طرح دونوں مذہبوں کی آمیزش سے ایک نیا مذہب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ کبیر داس اور گرو نانک، کی تعلیمات میں اسلامی تعلیمات کا اثر صاف ظاہر ہے۔

ایسی ہی تبدیلی ادب کے میدان میں نظر آتی ہے۔ ہندوستان کا انہمی سرمایہ وام کی مندرجہ ذیل

ایک مخلوط زبان کا وجود میں آنا

کے لئے سنسکرت سے منتقل ہو کر ہندی، مرٹھی اور بنگالی میں، آجاتا ہے، اور ہندو مسلمان دونوں ان زبانوں کے ادب کو فروغ دینے میں جسم بیعتیہ۔ علم و ادب کا یہی اشتراک ایک نئی زبان کے پیدا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ مسلمان اپنی عربی، فارسی اور ترکی چھوڑ کر اس ملک کے باشندوں کی زبان اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح ایک نئی زبان وجود میں آتی ہے یہ زبان ہندو مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول کا نتیجہ تھی۔ دونوں نے اس کو اپنا مشترک سرمایہ سمجھا اور اسے ترقی دینے میں یکساں کوشش کرتے رہے۔ مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو یہ ملک سیکڑوں چھوٹی چھوٹی مملکتوں

آخر انوار سیاحی کی روشنی میں فخر محمد خاں گویا نے زبان اردو میں اپنا بستان حکمت الٰہیہ کیا۔ دوسری کتاب جو کلیلہ و دمنہ سے کم شہرت رکھتی ہے لیکن اپنی اہمیت کے لحاظ سے زیادہ گراں قدر ہے۔ بوذا سف دبلوہر ہے۔ اس میں گوتم بدھ کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کو تمثیلی حکایات کے پیرائے اور نہایت دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ بوذا سف، بووہ کی عربی شکل ہے اور بلوہر اس جوگی کا نام ہے جو لکھا سے تاجر کے بھیس میں بووہ کے پاس آیا تھا۔ اور جس نے اپنی تلقین سے اس کو دنیا کے چھوڑنے اور نردان کی تلاش میں گھر سے نکلنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہ کتاب مذہبی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔ ان کے علاوہ قصے کہانیوں، جادو و منتر، کیمیا، طریق حکومت اور فن حرب کی متعدد کتابیں سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کی گئیں اور مہاجھارت کا خلاصہ بھی عربی زبان میں مرتب ہوا۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر اس ملک کو اپنا مشترک ہندوستانی تہذیب | وطن بنالیا۔ جنوبی ہند میں تو ان کی آمد تاجرانہ تھی لیکن شمالی ہند میں بھی جہاں وہ فاتحانہ حیثیت سے آئے تھے۔ فاتح اور مفتوح کی معاشرت صرف تھوڑے دنوں تک قائم رہی۔ اس کے بعد ہندو اور مسلمان دونوں ہمسایوں کی طرح رہنے لگے اور امتداد زمانہ کے ساتھ ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے لگے۔ ایک جگہ رہنے پہنچنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوئے۔ اور اس طرح ایک نئی تہذیب وجود میں آئی جس کو ہندوستانی تہذیب کہہ سکتے ہیں، جو نہ خالص اسلامی تھی نہ بالکل ہندو۔ اس مشترک تہذیب کے ظہور میں آنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد تو مسلمانوں کی تھی جنہوں نے باہر سے آنے والوں کا مذہب تو قبول کر لیا تھا۔ مگر تہذیب و تمدن میں بہت کچھ اپنی قدیم

علمی تعلقات کی ابتدا | ہندوستان سے مسلمانوں کے علمی تعلقات کی ابتدا دوسری صدی ہجری کے وسط ہی سے ہو گئی تھی۔ چنانچہ خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں (۱۵۵ھ) سندھ کے ایک وفد کے ساتھ ہیئت اور ریاضیات کا ایک فاضل پنڈت ہیئت کی مشہور کتاب سدھانت لیکر بغداد پہنچا اور خلیفہ کے حکم سے اس کا ترجمہ دربار کے ایک ریاضی داں ابراہیم فزاری نے عربی میں کیا۔ اس کتاب سے عربوں کے علم ہیئت پر بہت اثر پڑا۔ بغداد میں اس ہندو فاضل کے دو شاگرد ہوئے، ابراہیم فزاری اور یعقوب بن طارق۔ دونوں نے اپنے اپنے طریقے سے سدھانت کے اصولوں کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ پھر جب ہارون الرشید نے اپنے علاج کے لئے ہندوستان سے دید بلوائے تو اس ملک کی علمی عظمت کا سکھتہ عربوں کے دلوں پر اور بھی بیٹھ گیا، اور ہر ایک کی تہریستی میں طب، نجوم، ہیئت اور ادب و اخلاق کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں ہوا۔

علم ہیئت کے علاوہ علم حساب میں بھی عربوں نے ہندوستانی پنڈتوں سے استفادہ کیا۔ ان کو اعتراف ہے کہ (۱) سے (۹) تک کا ہندسہ لکھنے کا طریقہ انھوں نے ہندوؤں سے سیکھا۔ اسی لئے اہل عرب اسے ”حساب ہندی“ یا ”ارتقام ہندیہ“ کہتے ہیں اور چونکہ یورپ والوں نے اسے عربوں سے حاصل کیا وہ اس کو ارتقام یا اعداد عربیہ (ARABIC FIGURES) کہتے ہیں۔ حکمت و دانش کی جن کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں کیا گیا ان میں سے دو بہت مشہور ہوئیں۔ ایک کلیکہ و دمنہ اور دوسری بوذا سف و بلوہر۔ کلیکہ و دمنہ پرچہ سنسکرت کا ترجمہ ہے جو ساسانیوں کے عہد میں پہلے سنسکرت سے زبان پہلوی میں ترجمہ ہوئی اور اس سے عربی میں۔ اس کے متعدد ترجمے نظم و شری میں کئے گئے۔ اور عربی سے یہ کتاب دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں منتقل ہوئی۔ انوار الہیسی جو فارسی کی مشہور درسی کتاب ہے اسی کا ترجمہ ہے جو عربی سے کیا گیا تھا۔ اور سب سے

اسے بارہ کہنا شروع کیا اور اس کی جمع بורاج بنائی۔ چونکہ سواحل ہند کے بحری ڈاکوئیتوں پر چھاپے مارتے تھے اس لئے بوراج ہندوستان کے بحری ڈاکوؤں کو بھی کہنے لگے۔ دوسرا لفظ دیونج ہے۔ یہ ہندی لفظ ڈونگی کا مغرب ہے۔ ایک اور لفظ ناخوذہ ہے جس کی جمع ناخوذہ ہے۔ ہندوستان کے لوگ اس کی فارسی شکل ناخذا سے زیادہ مانوس ہیں۔ ناؤ ہندی ہے۔ خدا فارسی میں مالک کو کہتے ہیں۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ۷

ماخذا داریم مارا ناخذا درکار نیست

قدیم زمانے میں اہل عرب ہندوستان سے تجارت کی جو چیزیں لے جاتے تھے ان میں سے بہت سی چیزوں کے نام عربی زبان میں داخل ہو گئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی تحقیقات تالیف ”عرب و ہند کے تعلقات“ میں ایسے ہندی الفاظ کی ایک فہرست دی ہے جو قدیم عربی لغت میں تجارتی اشیاء کے لئے پائے جاتے ہیں مثلاً عرب میں ہندوستان کی بنی ہوئی تلواریں بہت مشہور تھیں۔ اس لئے تلوار کے لئے ہندی، ہندستانی اور ہند کے الفاظ عام طور سے عربی زبان میں رائج ہو گئے۔ اسی طرح چندن کے لئے صندل، موشکا کے لئے مسک، تامبول دپان کے لئے تبنول، کپور کے لئے کافور، کنک پھل (لونگ) کے لئے قرنفل، نیلو پھل کے لئے نیلو فرا ایل (الپچی) کے لئے ہیل عربی زبان میں بے تکلف بولا جانے لگا۔ دواؤں میں جائے پھل کے بجائے جائے فل، تری پھل کے بجائے اطر یفل، بیڑا کے بجائے بیلج، ہڑے کے بجائے ہلیلہ وغیرہ وغیرہ عربی لغت کا جزو بن گئے۔ مولانا نے مختلف قسم کے کپڑوں، رنگوں اور پھلوں کے ہندی نام اور ان کی عربی شکلیں بھی بتائی ہیں اور آخر میں خود قرآن مجید میں ہندی کے تین لفظوں کا نشان دیا ہے یعنی مسک (موشکا) زنجبیل (ہندی زنجابیر، یعنی سوٹھ یا ادراک) اور کافور (ہندی کپور) ۸

سلطنت عثمانیہ میں یونانیوں اور روسیوں کے لئے ان کی قومی عدالتیں الگ قائم تھیں اور اکینس میں ان کے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ گجرات کی بندرگاہوں میں سے کھسایت اور چمپور (میسور) میں مسلمانوں کی آبادی خاص طور پر زیادہ تھی۔ ان عرب سوداگروں نے اکثر یہیں کی عورتوں سے نکاح کر لیا تھا۔ ان سے جو اولاد ہوتی تھی ان کو ”میسر“ یا ”سیر“ کہتے تھے۔

شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کا قدم سب سے پہلے سندھ میں آیا۔ جیسا کہ شروع میں بیان ہوا۔ محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں وہیل سے ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس حملے سے پہلے ہی پانچ سو عرب مسلمانوں کی ایک جماعت مکران سے بھاگ کر سندھ کے راجہ داہر کے یہاں چلی آئی تھی، اور لٹکا کے مسلمان تاجروں کے تیم بچوں اور بیوہ عورتوں کے علاوہ ان پناہ گزینوں کو واپس نہ کرنا بھی منجملہ ان اسباب کے تھا۔ جو حجاج کی اس انتقامی مہم کا باعث ہوئے۔ یہ حال عربوں نے سندھ اور ملتان پر قبضہ کر کے ان ریاستوں کو اسلامی سلطنت کا باج گزار علاقہ بنا لیا۔ لیکن یہاں ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور آئندہ تین صدیوں تک ان کی حکومت ہندوستان کے اسی گوشے تک محدود رہی۔

شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات ظہور اسلام

ایک مشترک زبان کی تخم ریزی

سے صدیوں پہلے قائم ہو گئے تھے، اور مسلمان بھی اس ملک میں پہلے پہل تاجر ہی کی حیثیت سے آکر آباد ہوئے۔ ان قدیم تجارتی تعلقات کی یادگار وہ ہندی الفاظ ہیں۔ جو عربی سفر ناموں اور جغرافیہ کی کتابوں میں نیز عرب اور ایرانی جہاز رانوں میں رائج ہو گئے۔ ان میں سے ایک لفظ بارہ ہے جو ہندی بیڑہ کی عربی شکل ہے۔ عربوں نے

ان کا تعلق تجارت کی صورت میں تھا، اور سودا گروں کی حیثیت سے شروع میں ان کی آدھ بھگت ہوئی جب ہندو راجہ ان سے واقف ہو گئے تو ان کی وقعت اور بھی بڑھ گئی۔ وہ بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہوئے ان میں سے وزیر، بیٹروں کے کمانڈر، ایچی، انسران، حامل، اور فوج کے کپتان وغیرہ مقرر ہونے لگے۔ ان کو اپنے مذہب کی پابندی کے لئے مسجدیں بنانے اور اپنے مذہبی پیشواؤں اور فقیروں کو خاتما ہوں میں رکھنے کی اجازت تھی۔ صرف یہی نہیں، بلکہ وہ کھلم کھلا اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتے تھے۔ اور کہیں کہیں تو راجہ خود اس تبلیغ میں مدد کرتے تھے۔ لیکن صرف جنوبی ہند تک اس پر امن اثر کے حدود نہ تھے۔ بلکہ شمالی ہندوستان میں بھی مسلمانوں کا ہندوؤں سے بہت دنوں تک اسی طرح کا تعلق رہا۔ یہ سچ ہے کہ آٹھویں صدی کے ادائل میں عربوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا لیکن ملتان اور سندھ کو چھوڑ کر اور کوئی حصہ تین سو برس تک ان کے قبضے میں نہیں آیا۔^۱

گجرات، کاٹھیاوار، کچھ اور کوئٹن کا علاقہ عربوں کا پانچواں تجارتی مرکز تھا۔ ان علاقوں میں بھی مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہو گئے تھے اور انھوں نے اتنی عزت اور اہمیت حاصل کر لی تھی کہ ان کے باہمی معاملات کو طے کرنے کے لئے راجہ انھیں میں سے کسی مندر آدمی کو "ہنر مند" مقرر کر دیتا تھا۔ ہنر مند کے لفظی معنی تو ہنر والے کے ہیں، لیکن اصطلاح میں اس مسلمان قاضی کو کہتے تھے جو راجہ کی طرف سے مسلمانوں کے معاملات فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اکثر بڑے بڑے شہروں میں ہنر مند مقرر تھے۔ یہ نہایت حقوق عہد جدید کی بعض مسلمان سلطنتوں میں بھی غیر ملکی باشندوں کو حاصل تھے مثلاً

۱۔ مسلمانوں کا ہندوستان میں آنا، از ڈاکٹر تارا چند۔ مطبوعہ رسالہ ہندوستانی، جون ۱۹۱۲ء ص ۳۶۲۔

کیا لایم تھی جو صوبہ مدراس کے ضلع تنادلی میں واقع ہے۔ یہاں سلسلہ سے لیکر پانچ سو سال بعد تک کے اسلامی سکے پائے گئے ہیں۔ بلیبار کی طرح معبر کے مسلمانوں کو بھی مقامی راجاؤں کی طرف سے ہر قسم کی رعایتیں ملیں اور وہ آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرنے لگے۔ مسلمانوں اور ہندو راجاؤں کے تعلقات کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ سلسلہ (۱۳۱۰ء) میں جب سلطان علاء الدین کی فوج نے کارونڈل پر حملہ کیا تو وہاں کے راجہ کی طرف سے مسلمان عسکریوں اور عربوں نے مسلمان ترکوں کا مقابلہ کیا، اور گوراجہ کو شکست ہوئی اور ملک کافور نے ملک پر قبضہ کر لیا لیکن کارونڈل کے مسلمان اپنے عہد و پیمان کی بنا پر اور ان رعایتوں کی حق شناسی میں جو انھیں راجہ کی طرف سے حاصل تھیں مسلمان حملہ آوروں سے نہایت جان بھاری کے ساتھ لڑے، اور امیر خسرو کی روایت کے مطابق محض کلمہ اور قرآن پڑھ کر اور اس طرح اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے کر ملک کافور کے شدید انتقام سے اپنی جان بچا سکے۔ پچودھویں صدی عیسوی میں ملک کافور کے حملے کے بعد جب ابن بطوطہ نے معبر کا سفر کیا تو جس علاقے میں اب میسور کی ریاست ہے۔ وہاں اس وقت ہویالا خاندان کا حکومت تھی، اور پریائہ تخت کا نام دوار سمندر تھا۔ حکمران راجہ بلال دیو تھا ابن بطوطہ نے اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے جس میں بیس ہزار کے قریب مسلمان تھے۔ ڈاکٹر تارا چند اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:-

”ان بیانات سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے فوراً ہی دونوں بعد مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی تہذیب، مذہب اور خیالات کے پھیلانے کا موقع حاصل کر لیا۔ ساتویں صدی سے تیرہویں صدی تک

ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر۔ از ڈاکٹر تارا چند ص ۴۰

عرب و ہند کے تعلقات ص ۲۷، ۲۸، ۲۹

ص ۳۰

وہ ماپلا کے نام سے پکارے جاتے تھے جس کے معنی ہیں ”بزرگ کا بچہ“، یا ”درلھا“۔ یہ لقب یلیبار میں عیسائیوں کو بھی دیا گیا تھا۔ مگر دونوں فرقوں میں امتیاز کرنے کے لئے عیسائیوں کو نصرانی ماپلا کہتے تھے۔ مسلمانوں کو مختلف مراعات حاصل تھیں۔ مثلاً ایک مسلمان نیمو تری برہمن کے پاس بیٹھ سکتا تھا۔ حالانکہ ایک نائٹرو اس کی اجازت نہ تھی اسی طرح ماپلا کے سردار تھنگل کو زمورن (یلیبار کے راجہ) کے ساتھ ساتھ پالکی میں جانے کی اجازت تھی۔ زمورن کی سرپرستی کی وجہ سے عرب تاجروں کی ایک بڑی تعداد اس کے علاقوں میں آباد ہو گئی، اور انھوں نے اپنی تجارت سے نہ صرف ملک کی دولت میں بہت کچھ اضافہ کیا بلکہ راجہ کی فوجی مہموں میں بھی اس کی مدد کی۔ ان مراعات اور حوصلہ افزائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بڑی تعداد میں جنوبی ہند میں آباد ہو گئے۔ مسلمانوں کا اپنا سردار تھا۔ جس کا لقب ہزامہ (ہنرمند) تھا۔ اور اس کو راجہ کی طرف سے مسلمانوں پر حاکمانہ اختیارات حاصل تھے۔ ڈاکٹر تارا چند یلیبار میں مسلمانوں کی آبادی کے متعلق ابو دلات مہلہل، ابن سعید مارکو پولو، ابن بطوطہ اور عبد الرزاق کی شہادتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

”ان بیانات سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر مسلمان بہت پہلے آباد ہو گئے تھے اور انھوں نے تعداد، دولت اور طاقت میں ترقی کر لی تھی۔“

مغربی ساحل کی طرح مشرقی ساحل پر بھی عربوں کی آمد و رفت تجارت کے سلسلے سے زمانہ قبل اسلام سے تھی۔ عرب تاجر چین جاتے ہوئے خلیج بنگال سے گزرتے تھے مسلمان عربوں نے بھی اس سلسلے کو جاری رکھا اور ساحلی مقامات پر ان کی آبادیاں بڑھتی گئیں تجارتی جہاز اس کثرت سے یہاں سے آتے جاتے تھے کہ عربوں نے اس ساحل کا نام ہی معبر گزرگاہ رکھ دیا۔ اس علاقے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اور پرانی بستی

”سultan احمد شہنشاہ اہل البوالمکات مغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔“
 قریباً قریب اسی زمانے میں مسلمانوں کی ایک جماعت۔ اہل عرب سے آکر ملبار
 کے ساحل پر بود و باش اختیار کی۔ رینالڈسن (RONALDSON) تحفۃ المجاہدین
 کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

”مسلم عرب ساحل ملبار پر اول اول ساتویں صدی عیسوی کے آخر کے
 قریب آباد ہوئے۔“

اسٹریک (STRAICK) کا بیان ہے۔

”یہ بخوبی معلوم ہے کہ ساتویں صدی کے بعد۔۔۔ ایرانی اور عرب تاجر
 ہندوستان کی مختلف بندرگاہوں میں کثرت سے آباد ہو گئے اور اس
 علاقے کی عورتوں سے شادی کر لی۔ اور یہ آبادیاں خصوصیت کے ساتھ
 ملیبار میں بڑی اور اہم تھیں، جہاں بہت قدیم زمانہ سے یہ صنعت انڈیا
 نظر آتی ہے کہ بندرگاہوں میں تاجروں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جائے۔“

ملبار میں مسلمانوں کی آمد اور اشاعت، اسلام کے تفسیر المالات شیخ زین الدین
 نے اپنی مشہور کتاب تحفۃ المجاہدین میں لکھے ہیں جو ملیبار کے مسلمانوں کی سب سے
 قدیم تاریخ ہے۔ وہاں کے راجہ چیرامن پیر و مال نے قبول اسلام کا واقعہ جس طرح اس
 کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ مکن ہے روایتی حیثیت رکھتا ہو، لیکن جیسا کہ ڈاکٹر تارا چند
 نے لکھا ہے ملیبار میں چیرامن پیر و مال کا خانہ ان نویں صدی عیسوی کے شروع ہی میں
 اس کے آخری فرمانروا کے تخت سے دست بردار ہو جانے پر ختم ہو گیا تھا جو غالباً
 مسلمان ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے شروع ہی سے ملیبار میں ہر دلعزیزی اور اہمیت حاصل کرنی تھی۔

ملہ عرب و ہند کے تعلقات، ص ۶۵-۶۴۔

ملہ ہندوستانی تہذیب کا نامہ (انگریزی) ڈاکٹر ایڈیٹر مطبوعہ انڈین پریس، الہ آباد، ص ۳۲

غاص سبب خود اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ جنوبی ہند کے اطراف میں مسلمان پہلے سے آباد تھے۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجاج، عراق کا گورنر تھا۔ اور جزائر ہند کی طرف عراق کی بندرگاہ سے جہاز آتے تھے۔ لنکا کے راجہ نے مسلمانوں سے اظہار دوستی کے طور پر بنگلہ دوسرے تحائف کے ایک جہاز میں ان مسلمانوں کے اہل و عیال کو بھی عراق روانہ کیا۔ جو لنکا میں تجارت کے سلسلے سے آباد تھے اور یہیں انتقال کر گئے تھے۔ اس واقعے سے ظاہر ہے کہ لنکا میں مسلمانوں کی آبادی پہلی صدی ہجری میں قائم ہو چکی تھی جس جہاز پر یہ تحائف اور مسلمانوں کی عورتیں اور بچے چلے گئے تھے۔ اس پر سندھ کی بندرگاہ دیبل کے قریب بحری ڈاکوؤں نے حملہ کر کے تمام سامان اور عورتوں اور بچوں پر قبضہ کر لیا۔ حجاج کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے سندھ کے راجہ داہر سے ان گرفتاروں کو بحفاظت عراق بھجوانے کا مطالبہ کیا۔ مگر راجہ نے یہ عذر دیا کہ ڈاکوؤں پر میرا کچھ زور نہیں۔ حجاج نے اس عذر کو قبول نہ کیا اور اپنے نوجوان بھتیجے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ایک فوج سندھ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی جس نے ۷۱۳ء میں سندھ پہنچ کر تین سال کی مدت میں ملتان سے کچھ تک اور دوسری طرف مالوہ کی سرحد تک قبضہ کر لیا۔

ان اطراف میں مسلمانوں کا دوسرا مرکز مالدیپ کا جزیرہ تھا۔ مالدیپ کے مفصل حالات ابن بطوطہ نے لکھے ہیں۔ اس کے زمانے یعنی سلطان محمد تغلق کے عہد میں پورا جزیرہ مسلمان تھا۔ اس میں عربوں اور دیسی مسلمانوں کی آبادی تھی اور سلطان خدیجہ نام ایک بنگالی خاتون وہاں کی فرمانروا تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ یہاں کے لوگ پہلے بت پرست تھے۔ لیکن مراکو کے شیخ ابوالبرکات بربری مغربی کی ایک کرامت دیکھ کر راجہ شنورائہ اور اس کی تمام رعایا مسلمان ہو گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ مالدیپ کی اس مسجد کی محراب پر جسے نو مسلم راجہ نے تعمیر کرایا تھا میں نے یہ کتبہ دیکھا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور اس کے اثرات

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے سیکڑوں برس پہلے اس ملک سے عربوں کے تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ وہ ہندوستان کی پیداوار معراج و شام کے ذریعہ یورپ تک پہنچاتے اور وہاں کا سامان ہندوستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔ عربوں کے علاوہ ہندوستان اور مغربی ممالک کی تجارت میں ایرانیوں نے بھی بڑی سرگرمی دکھائی۔ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو مسلمان تاجرانے ایران کی بحری تجارت پر بھی قابض ہو گئے، اور عرب جہاز رانوں کے پیچھے بکر ہند میں رواں نظر آنے لگے۔

مسلمانوں کی نوآبادیاں | ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے کی ابتدا محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے خیالی کی جاتی ہے جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہند سے پہلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم ہوئیں، اور سب سے پہلے وہ تاجرانہ حیثیت سے جنوبی ہند کے جزائر اور بعض ساحلی مقامات پر آباد ہوئے۔ سندھ پر حملہ کے مختلف اسباب تھے۔ ان میں سے ایک لے عرب و ہند کے تعلقات، مولفہ مولانا سید سلیمان ندوی شائع کردہ ہندوستانی لکھنؤی الہ آباد ۱۳۱۳ھ

نے اپنے خطبات میں یا بعض دوسرے اصحاب نے مختلف مضمونوں میں کیا ہے۔ چند رسالوں کے حوالے مجھے ان کتابوں میں بھی ملے جن کے اقتباسات مقالے میں شامل ہیں۔ آخری باب میں جو خلاصہ اس مقالے کا ہے غیر اسلامی مذہبی مطبوعات کی کثرت کا اجمالی ذکر اور جن کتابوں کی عبارتوں کے نمونے پیش کئے گئے ہیں ان کی زبان پر مختصر ترجمہ ہے۔ ہر فرقے کی صرف انہیں کتابوں کے اقتباسات دئے گئے ہیں جو خود اس فرقے کے لوگوں نے لکھی ہیں۔

کتابیات کے ذیل میں جو فہرست ہے اس کے حاشیے پر علیحدہ علیحدہ ہر فرقے کی کتابوں کے ساتھ ان کتب خانوں کے نام بھی لکھ دئے گئے ہیں۔ جہاں یہ کتابیں دستیاب ہوئیں۔

محمد عظیم

تمام ہی میں پنجاب کی سیاسی فضا اس درجہ غیر خطر ہو گئی کہ مجھے علی گڑھ واپس آنا پڑا۔
 مقالے کے پہلے باب میں ان مختلف اثرات کو دکھایا گیا ہے جو مسلمانوں کی آمد
 سے ہندوستان کی تہذیب پر پڑے۔ شروع شروع میں ان کا تاجرانہ حیثیت سے
 اس ملک میں آنا اور کچھ دنوں کے بعد یہیں آباد ہو جانا، ہندو راجاؤں کا ان کی سرپرستی
 کرنا اور انہیں تبلیغ اسلام کی اجازت دینا، اس تبلیغ کے اثر سے یہاں کے باشندوں کی
 ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہو جانا، ہندو مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کا قائم
 ہونا، آپس کے میل جول سے ایک دوسرے کی تہذیبی خوبیوں سے متاثر ہونا اور تہذیب
 کے مختلف پہلوؤں میں اس اثر کا نمایاں ہونا، ایک مشترک زبان کا رفتہ رفتہ وجود
 میں آنا، اس کی نشوونما میں ہندوستان کے عام باشندوں کا حصہ لینا، اور بالآخر بلا تفریق
 مذہب و قومیت اس کا ملک کے بڑے حصے کی زبان بن جانا اور اس حد تک
 مقبولیت حاصل کر لینا کہ غیر اسلامی مذاہب و اخلاق کی تعلیم بھی ایک بڑے پیمانے
 پر اسی زبان میں دی جانے لگی۔ یہ تمام باتیں تاریخی اور تمدنی شواہد کے ساتھ
 بیان کی گئی ہیں۔

دوسرے ابواب میں مختلف غیر اسلامی فرقوں کی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کا
 ذکر ہے۔ ہر باب کے شروع میں اس مذہب یا فرقے کے بنیادی اصول مستند کتابوں سے
 اخذ کر کے لکھے گئے ہیں۔ یہ اصول اگر خود اس فرقے کی کسی اردو کتاب میں مل سکے تو اسی
 کے اقتباس کو ترجیح دی گئی ہے۔ بعض کتابوں کے دیباچوں کے ٹکڑے بھی نقل کر دئے
 گئے ہیں۔ ان سے یا تو کتاب کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ یا جو خاص باتیں اس میں بیان
 کی گئی ہیں وہ معلوم ہوتی ہیں۔

غیر اسلامی مذہبی اجازات و رسائل صرف چند میری نظر سے گزرے۔ ان کی جو
 فہرست دی گئی ہے اس میں زیادہ تر وہ اجازات و رسائل ہیں جن کا ذکر کارنامہ قاسمی

موصوف نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اسی سانس میں منجہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کام تم کرو۔ میں نے پوچھا عنوان کیا ہوگا۔ فرمایا کہ عنوان کی کوئی ایسی جلدی نہیں ہے جس کام شروع کر دو۔ نیت بخیر اور صحت اچھی رہی تو کام کے دوران ہی میں عنوان مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ کام کرنے کے بعد ہی عنوان متعین ہو گیا، یعنی

”غیر اسلامی مذاہب اور ان کے اخلاق کے مقبول عام بنانے میں اردو کا حصہ“

اس مقالے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور ان کے اخلاق کی اشاعت میں اردو زبان کا حصہ کتنا ہے۔ اس کے لئے ان کتابوں کا احاطہ ضروری تھا جو غیر مسلموں نے اپنے مذہب و اخلاق پر اردو میں تصنیف، تالیف یا ترجمہ کر کے شائع کی ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ایسی تمام کتابوں تک میری رسائی ہوئی، لیکن حتی الوسع اس کی کوشش کی گئی کہ لاہور سے پٹنہ تک اس طرح کی مضامین جہاں کہیں مل سکتی ہوں ان کا مطالعہ کیا جائے اور ان کی عبارتوں کے نمونے پیش کیے جائیں۔ جیسا کہ میں نے مقالے کے پہلے باب میں ذکر کیا ہے میں نے اس سلسلے میں پندرہ سولہ کتب خانوں کا جائزہ لیا۔ جہاں اردو کی کم و بیش چار سو غیر اسلامی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے دیکھنے اور ان کی یادداشتیں لینے کا موقع ملا۔ ان میں سے اکثر کے اقتباسات اس مقالے میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان اقتباسات سے غیر اسلامی مذاہب کی بنیادی تعلیمات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس مشترک زبان کے نمونے بھی سامنے آجاتے ہیں جو غیر مسلموں نے اپنی مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں اختیار کی ہے۔

لاہور میں مجھے سکھ مت کی اردو کتابیں خود سکھوں کی لکھی ہوئی کافی تعداد میں ملیں۔ میرا قصد امرتسر جانے کا بھی تھا۔ وہاں بھی ایسی کتابوں کا خاصہ ذخیرہ ہوگا۔ لیکن لاہور کے لئے

تعارف

ہماری یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ایک کمرہ ہے جو بیک وقت ارکان شعبہ کی نشست گاہ، شعبے کا دفتر، اور خلق اللہ کی رہ گزر ہے۔ مقررہ تعلیمی گھنٹوں کا درمیانی وقفہ معلموں کا یہیں گزرتا ہے۔ بعض ارکان سے یونیورسٹی کے دوسرے کام بھی متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں طلبہ، نقشبندی، چیرا سنی، خانساہاں، سبھی آتے جاتے ہیں۔

اکثر ایسا ہوا کہ جملہ ارکان درندہ ان میں سے بیشتر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے اور کسی مصنف یا ادبی مسئلے پر گفتگو چھڑ گئی۔ یہ مقالہ انھیں صحبتوں میں سے ایک محبت کا نتیجہ ہے۔

گفتگو شروع یوں ہوئی کہ اردو پرندہ ہی یا جماعتی ٹپھا کیوں لگایا جاتا ہے جب کہ اس کی ابتدا اور ارتقاء میں سبھی برابر کے شریک ہیں اور اس پر مستقل تصنیفیں موجود ہیں کہ کس کس نے اردو کی ترقی میں کیسا اور کتنا حصہ لیا، ہندو، مسلمان، دیسی، بیسی، رڈ، فقر، عوام وغیرہ۔

صدر شعبہ نے جو ہم میں سے ہر ایک کے استاد رہے ہیں، گفتگو کے دوران میں ایک بیک فرمایا کہ اتنی دوسروں کے احسانات اردو پر گناے تباہ کئے گئے ہیں اب یہ گناہ تباہ کی ضرورت ہے کہ اردو کے احسانات دوسروں پر کیا ہیں۔

حرفِ آغاز

یہ مقالہ اب سے چھ سات برس پہلے مسلم یونیورسٹی کی پٹی لپچ۔ ڈی کے لئے لکھا گیا تھا۔ بعض وجوہ سے اب تک اس کے شائع ہونے کی نوبت نہ آئی۔ اب انجمن ترقی اردو ہند کی عنایت سے یہ ناظرین تک پہنچ رہا ہے۔ انجمن کے جنرل سکرٹری جناب قاضی بولغفا صاحب کی ہدایت کے بموجب میں نے اسے مختصر کر دیا ہے۔ ختم دہا اس کے پہلے باب میں جو تاریخی پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے بہت کچھ کاغذ چھانٹ کر دی ہے۔ مجموعی طور پر مقالے کا حجم بہ نسبت سابق کے دو تہائی رہ گیا ہے۔ تاہم اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی نہ بڑی بات چھوٹ نہ جائے۔ اور قدامت کی کمی سے قیمت کو نقصان نہ پہنچے۔

ہندوستان میں زبان کے مسئلے نے جو صورت آج اختیار کر لی ہے اس کے پیش نظر امید ہے کہ یہ مقالہ اردو کا صحیح مقام متعین کرنے میں مفید ثابت ہو گا۔

محمد عزیز

شعبہ اردو۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

۳۱ اپریل ۱۹۵۴ء

۲۴۶	نیمائی مذهب
۳۱۱	بہائی مذهب
۳۳۰	نہی اخبارات در سائل
۳۳۸	حاصل سخن
۳۴۹	کتابیات
۳۷۵	کتب حوالہ

فہرست مضامین

۷	حرف آغاز
۱۰	تعارف
۱۳	ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور اس کے اثرات
۳۳	ہندو مذہب
۱۳۷	ہندو مذہب کے اصلاحی فرقے۔
۱۳۷	۱۔ کبیر پنٹھ
۱۵۱	۲۔ برہمو سماج
۱۷۸	۳۔ آریہ سماج
۲۰۲	۴۔ جینو سوشل سوسائٹی
۲۰۹	۵۔ رادھا سوامی مرت
۲۱۶	۶۔ دیو سماج
۲۲۱	جین مذہب
۲۳۶	سکھ مذہب

اشاعت اول ۱۹۵۵ء

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو دہندہ علی گڑھ

اسلام کے علاوہ
مذہب کی ترویج میں
اردو کا حصہ

مقبلاً

محمد عزیز ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی

لیکچرر، شعبہ اردو۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

اسلام کے علاوہ
مذہب کی ترویج میں
اُردو کا حصہ

اسلام کے علاوہ
مذہب کی ترویج میں
اُردو کا حصہ

ڈاکٹر محمد عزیز

انجمن ترقی اُردو (ہند)
علی گڑھ

